

٧٤٧٣

الفرق

الفرق



۲۰  
کتاب

قال فاروق

الفرق

حصہ اول  
یعنی

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی کی شہرہ تصنیف

الفراروق

پر  
عالم جناب مرزا عابد علی بیگ صاحب فریادیں کا محقق

مولو

جسکو مولوی سید محمد صاحب بنوی غوث نے میان میں لکھا

اور برلاس پریس مراد آباد میں چھپوایا



صفحہ	سطر	فعل	صحیح	صفحہ	سطر	فعل	صحیح
۴۹	۱۱	بجن	سجن	۱۶۱	۱۵	لی	علی
۷۱	۲۰	عصرت	حضرت	ایضاً	۱۶	ومن	.
۷۹	۸	بیج	بیج	ایضاً	۱۷	الناس	ومن الناس
۹۴	۱۰	کفار بلس	کفار قریش	۱۶۲	۷	سی	بنی
۹۶	۱۴	صویت	خصویت	ایضاً	۱۱	پر	اوسی پر
ایضاً	۱۶	جیت	صحت	۱۶۵	۱	بالیال	بلا خیال
ایضاً	۱۷	جیت	صحت	ایضاً	۶	درین	دودن
۱۰۰	۲۰	دشمن	دشمن سے	ایضاً	۸	بیومین	بیومین
۱۰۲	۱۷	النظر	النظر	۱۶۶	۲	یاری	یلمدی
۱۰۴	۱۱	رقتل	زقتل	۱۶۷	۱	کس	کی
۱۰۵	۱۰	ات	آیت	۱۶۸	۱۹	بہامی	بہامی
۱۰۷	۱۶	سار	شمار	۱۷۰	۲	ورنہ	واقفہ
۱۰۸	۵	رس	انس	۱۷۱	۹	جو برمن	جو بر حین
۱۱۳	۱۰	اشدل	اشلال	۱۷۲	۲۰	اعتدالیان	بے اعتدالیان
۱۲۳	۱۹	کری	کوئی	ایضاً	۲۱	اعتدالیون	اعتدالیون نے
۱۲۸	۲	مرتضیٰ	مرتضیٰ نے	۱۷۳	۱۴	محق	محقق
۱۳۳	۷	علوم کی	معلوم	۱۷۸	۱۸	اوسی	اور بہ بھی
۱۴۵	۱۵	بعضہم	بعضہم	۱۷۹	۱	ہوسکتی	ہوسکتی
۱۴۹	۹	سارس	سفارش	ایضاً	۷	بر	سے
۱۵۵	۹	سا	.	۱۹۲	۱۶	سے	.
ایضاً	۱۵	درجہ	.	۱۹۴	۲۱	کہا	کیا
۱۵۸	۱۳	خدائی	خدائی نے	۲۰۰	۵	قابل	قابل



# صحت نامہ حصہ اول الفرق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۹	۲۱	عمر	البوکر	۲۶۲	۴	مضم	منضم
۲۱۰	۱۸	برا	بہرا	۲۶۳	۱۳	.	ذکر کے
۲۱۲	۸	ودنیا	وہ دنیا	۲۶۵	۱	حر	خبر
ایضاً	۱۶	ادیون	آدیون نے	۲۶۶	۵	متخند	متخند
۲۱۲	۶	بر	بہر	ایضاً	۱۵	موتون	موتون
ایضاً	۹	دو	وہ	۲۶۷	۵	کرہ	کجو
ایضاً	۱۸	جسکی	جسکی روے	ایضاً	۱۱	حلہ	حلہ
ایضاً	۱۹	نے	ہن	ایضاً	۱۶	حسرت	حضرت
۲۱۵	۱۰	اورھی	امروہی	۲۷۱	۴	لقرص	نفرح
۲۲۳	۹	نے	بنی	۲۷۲	۷	الی	اسی
۲۲۸	۲	اید	امید	ایضاً	۱۸	الی	اسی
۲۲۹	۱۹	وب	خوب	۲۷۵	۱۶	با	یا
۲۳۸	۲۱	کشر	کے	۲۸۱	۲	لھر	لقرہ
۲۵۰	۱۲	سبقتہ	خلیفہ	۲۸۲	۲۰	گوارہ	گوارا
ایضاً	۱۶	دلی	کوئی	۲۸۳	۵	سھر	سھر
۲۵۲	۳	ان	ہان	۲۸۷	۱۴	عزیزون	تھیزون
ایضاً	۱۵	للمون	کیون	۲۹۱	۸	گوارہ	گوارا
ایضاً	۱۹	جب سے	جیسی	۲۹۲	۸	گوارہ	گوارا
۲۵۵	۳	ارار	ارار	۲۹۳	۹	ابولولوہ	ابولولوہ
۲۵۷	۱۲	حرج	جرج	۲۹۴	۱۱	سفت	ہیبت
۲۶۱	۳	حرب	عرب				

ختم شد



# فہرست مضامین الفرق ریویو الفاروق حصہ اول

صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۱	تہنید۔	۳۲	انتظامی امور فروع حکومت خطبات
۴	اجمالی رائے۔		اور حکمت آمیز مقولوں پر اجمالی رائے
۶	مسلمانوں کا کنٹرول اور اسباب	۳۵	بعض کتب کی قیاسی قدح کی حقیقت
	زوال۔	۳۶	حال کا طرز تحریر تاریخ اور انشاء
۸	مواقع ترقی اور اوس کا علاج		پردازی کے حدود و کافرق اور
	اور اسلامی اخلاق۔		یورپین مورخ کی مدح۔
۱۱	الفاروق کیلئے تاریخی مواد۔	۳۹	حضرت عمر کے نام و نسب۔ اور آغاز
۱۲	موجہاں کی نسبت نکتہ صنی۔		خاندانی کی بحثیں۔
۱۷	درایت و روایت کی حقیقت	۴۴	زید موحّد کی اذیت و ہجرت کی
۲۰	واقعات کی تنقیح چند درایتی		داستان۔
	اصول سے۔	۵۰	بنی عدی کا بنی سہم کی پناہ میں جانا
۲۵	غیر قوموں کیساتھ سختی احکام	۵۱	نجنان کی جنگل کو واقعات سے
	معہ وجہ۔		حضرت عمر کی تعلیم و تربیت کا اندازہ
۲۹	اجمالی رائے حضرت عمر کی سختی	۵۲	قبائل عدی اور عبد الشمس کی عداوت
	اور ورشتہ کی نسبت۔	۵۴	حضرت عمر کی ولادت اور کم سن اور
۳۱	اصول مقررہ پر واقعات کی		سن رشد کے حالات۔
	صحت اور اوس کے مدارج کی	۵۷	حضرت عمر کے شیرازہ مشغولوں کی
	مثال پر اجمالی بحث۔		حقیقت



صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۷۰	حضرت عمر کا واقعہ قبول اسلام	۱۴۲	افعال رسول میں حیثیت انسانی
۷۲	حضرت عمر کی وجہ سے علانیہ اداوی		و منصب رسالت کا تفرقہ
	فراہین	۱۴۵	مشہور معرکہ خیبر
۷۵	حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے	۱۴۷	اپنی خدمت غنیمت خیبر کو حضرت عمر نے
	نئے دور کی حقیقت		دفع کر دیا
۷۶	حضرت عمر کو صیغہ اخوت و حالات	۱۴۸	فتح مکہ میں حضرت عمر کی تین کارگزاریاں
۷۷	حضرت عمر کو شرف حضوری پیغمبر	۱۵۱	حسین میں حضرت عمر کی عدم فراری
۸۰	طریقہ اذان ایجاد کی حضرت عمر	۱۵۳	مخصوص روایات تا میدان فراغت
۸۷	سلسلہ سے وفات آنحضرت تک	۱۵۴	قصہ طلاق ازواج پیغمبر
	حضرت عمر کو واقعات اجراء سیرت نبوی	۱۵۸	حج آخری میں واقعات ترک کی
۸۹	تذکرہ محسوس خصوصیات عمری در		حقیقت اور واقعات حج آخری
	جنگ بدر	۱۶۰	شروع دعوت اسلام کا واقعہ
۱۰۱	ایران بدر کی متعلق مفصل بحث	۱۶۲	واقعات پیغمبر حشیش اسامہ
۱۰۵	عز و احد اور حضرت عمر	۱۶۷	بیان واقعہ قرطاس اور ابن عباس
۱۲۷	خفصہ کو نکاح سے حضرت عمر کو شرف		کی قدر کی مفصل حقیقت
۱۲۸	جنگ خندق میں حضرت عمر	۱۸۵	وفات پیغمبر پر حضرت عمر کی از خود
	حدیبیہ کے واقعات		رفتگی
۱۳۳	بیعت رضوان کے موقع پر حضرت	۱۸۷	سقیقہ بنی ساعدہ کے متعلق بحثوں
	عمر کی جنگی سجاوٹ		کی حقیقت
۱۴۰	بنوت میں شک	۱۹۲	حضرت شہین کو پیغمبر سچی محبت کی حقیقت



صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۱۹۷	واقعہ شقیفہ میں تیسری غور و بحث کی حقیقت۔	۲۲۲	بیت حضرت ابوبکر پر تمام خلعت کو اوٹ پڑنے کی حقیقت اور سعد بن عبادہ مالک بن نویر کے واقعات پر قتل
۲۰۴	خانہ سیدہ میں مجمع بنی ہاشم سے استدلال کی حقیقت۔	۲۲۷	حضرت عمر کی تند مزاجی اور بڑے اعتدالیان جناب سیدہ کیساتھ
۲۰۹	علی مرتضیٰ کی عدم موجودگی میں بھی انصار علی مرتضیٰ سے بیعت کے خواہشمند تھے۔	۲۲۹	شقیفہ میں حضرت شجین کو کیا کرنا چاہئے تھا؟
۲۱۰	شقیفہ میں جو کچھ ہوا بجا تھا۔ یا بجا اور کئے نتیجہ کی حقیقت۔	۲۳۱	طریقہ اختلاف شجین کو کہا نہ سیکھا
۲۱۱	پنجبر کو علی اصول تمدن کا جاذب والا پیر اعظم و نبولین پونا پارٹ نے ہی تسلیم کیا۔	۲۳۲	علی مرتضیٰ کے بعد منیر خلیفہ ہو نیکی تائید و ستور قدیم ملک عرب سے؟
۲۱۴	قصہ شقیفہ میں آنحضرت پر الزما نتائج کی حقیقت۔	۲۳۴	طرق تفریق باشاہ آئندہ اور اوسکا الطاق علی مرتضیٰ پر؟
۲۱۶	شقیفہ میں جواز انتخاب حضرت ابوبکر کی حقیقت۔	۲۳۶	حضرت ابوبکر کی خلافت پر رای اور ایک مشکل مسئلہ؟
۲۱۹	حضرت ابوبکر کے با اثر بزرگ اور معمر ہونے کی حقیقت۔	۲۳۷	حضرت عمر کی فتون کو دبا دینے کی حقیقت؟
۲۲۰	غور حضرت ابوبکر کو انتخاب کی کہانی حضرت عمر کی زبانی۔	۲۳۸	علی مرتضیٰ کے حملہ نہ کرنے کے نتائج جناب امیر کے عہد میں خانہ



صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۲۴۳	جنگ یروک میں مذاہبہ حضرت عمر کی پولیٹکل غلطی سے مسلمانوں میں نا اُتفاقی۔	۲۴۳	جنگ یروک میں مذاہبہ حضرت عمر کے جاذبہ جالنے پر رابین
۲۵۱	حضرت عمر کے اختلاف کی تہید اور اکابر صحابہ کی رابین۔	۲۴۴	خالہ کی مزدولی میں حضرت عمر سے دفع التزام کی فصل بحث۔
۲۵۵	اختلاف حضرت عمر پر اجماع مخالفت صحابہ۔	۲۸۲	انتخاب خلیفہ کے سوج بچار میں حضرت عمر کی غلطی کی۔
۲۵۶	کیفیت مع لزیمت کتابت اختلاف عمریہ۔	۲۸۵	لوزیمت تجویز انتخاب خلیفہ،
۲۶۰	حضرت ابوبکر کی موثر اور مفید نتایج کی حقیقت۔	۲۸۶	علی مرتضیٰ میں قابلیت خلافت کو حضرت عمر عملاً مقرر تھے۔
۲۶۱	فارس و شام سے تعلقات عرب پر رائے۔	۲۸۷	حضرت علی بن مزاح کی حقیقت
۲۶۲	ذکر فتوحات عراق میں چند غمو طلب امور۔	۲۸۸	حضرت عمر اور عبد اللہ ابن عباس کے دو مکالمے اور اونہ پر بحثیں
۲۶۳	فتح عراق کے مال غنیمت میں قریش بہار کی تقسیم کو مشعلی علی مرتضیٰ پر حل کی حقیقت۔	۲۹۲	حضرت عمر پر قرضہ۔
۲۶۴	خود سی پر غلط اور متعصبانہ التزام۔	۲۹۶	مترکہ پیغمبر اور مترکہ عمر کے نتایج اور حضرت عمر کا خاتمہ

ختم شد



۶۷۶۳  
۱



# الفرق

الفاروق شمس العلماء شبلی پریو یو

تمہید

یہ صحیح ہے کہ اس الفاروق کے وجود میں آنے کی بہت نگاہیں مشتاق تھیں۔ ذی علم مصنف کی طرف سے صرف "المامون" میں اس کے وجود میں لانے کا ذکر نہیں کیا گیا تھا بلکہ "سیرۃ النعمان" میں بھی حضرت عمر کو لایق مصنف نے منتخب کیا تھا کہ جدید طرز سے نامور خلفا میں سے انکو سرتاج بنایا جائے۔ یہ وہی زمانہ تھا کہ سنی اور شیعوں کے درمیان اردو زبان میں مناظرہ کا زیادہ مذاق پیدا ہو گیا تھا۔

یورپ کی تقلید سے طرز جدید کا جو دعویٰ کر کے عالم مصنف نے الامامون اور "سیرۃ النعمان" اپنی تصنیفات شائع کیں اسی طرز جدید کے پیرایہ کے شوق نے



اُن لوگوں کی نگاہوں میں جو ایسی تازہ تصنیف کی طرف دلچسپی رکھتے تھے "الفاروق" کے وجود میں آنے کا انتظار کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ لیکن اس "الفاروق" کے نکلنے میں (جیسا کہ مصنف نے قبول کیا ہے) بہت دیر ہوئی یہاں تک کہ بعض دیگر مصنفوں نے مصنف اس الفاروق پر سبقت کا قدم بڑھایا اور اپنے عزیزین اسی راہ پر چل کر غرت اور ناموری حاصل کی۔ اور جو ایسی تصانیف پر نظر غائر رکھنے والے تھے وہ سیرۃ الفاروق پر ریویو کر چکے اور الفاروق مزراحیت دہلوی کو بھی دیکھ چکے۔

۵  
مشی سراج الدین حمید  
مصنف سیرۃ الفاروق  
و مزراحیت دہلوی  
مصنف الفاروق  
۲۱۸

وجہ عذر توقف مصنف | مصنف اس الفاروق کا عذر توقف بھی بیشک صحیح ہے کہ اسباب اور موانع ایسے پیش آئے

تھے کہ اگر مصنف نور سیدہ فوت سے اپنی اونٹلیوں کو تقویت نہ پہونچاتے تو اس الفاروق کے لکھنے پر وہ مسلم کہ جو گر جاتا تھا نہ اوٹھ سکتا۔

سربہ احمد خان کی۔ قوم مسلمانوں کے لئے پالیسی یہ تھی کہ مسلمانوں میں سے سنی اور شیعہ کا تعصب مذہبی جو بحث خلافت ملکی معاملہ میں شدید تر ہے وہ رفع ہو کر کم سے کم دونوں فرقے باہم اخلاق سے برتاؤ کر کے مملکت ہندوستان میں مل جل کر کار پرداز ہو جائیں۔ اونکی دورانہی مانع ایسی تصانیف کی تھی کہ جس شیعہ اور سنی کے باہم تنازع میں ایک تازہ جوشیں پیدا ہو۔ لیکن مصنف کی جرات نے یہ الفاروق تصنیف کر کے "سلسلہ آصفیہ" کی فہرست میں داخل اور مصنف کے تعلق کو مسلمانوں کے کان بے علی گڑھ سے۔ جہاں نشو و نما فروغ مصنف کا ہوا تھا جدا کر دیا۔ اور دوسرے پیرایہ میں اپنے فروغ کے سبب کی جتنی کو جلا کر اشتعالک دی۔

ذکر مشاعر تصانیف سلسلہ آصفیہ | میرے اس فقرے سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسی



تصانیف کے کہ جس سے سنی اور شیعہ کے اختلاف کو جوش ہو۔ "سلسلہ آصفیہ"  
 کی فہرست میں داخل کرانے کے بادی شمس العلماء سید علی بلگرامی بالقابہ اور سر  
 وقار الامراہبادر مدار المہام دولت آصفیہ میں جنکا مصنف نے ذکر کیا ہے اور کانٹار  
 اوی قسم کی تصانیف سے ہو سکتا ہے کہ کل فرقوں مسلمانوں کا تعصب مذہبی فرو ہو  
 سچائی سے آزادی کے ساتھ ٹھیک مذہب اسلام پر قائم رہیں۔ نہ ایسی تصانیف  
 سے کہ جسمین فضیلت کی نمائش ایک طرف، نبوت کی ابتدائی بنیاد کے پیدا ہونے  
 کا اشارہ خاندان حضرت عمر میں ہو۔ اور حضرت عمر کو پیغمبر سے افضل قرار  
 قرار دیا جائے۔

افسوس ہے کہ سرسید کی رحلت کے بعد یہ کتاب "الفاروق" نکلی اگر اونچی زندگی  
 میں نکلتی تو اونچی اسے پبلک کو معلوم ہو جاتی جبکہ وہ اسکے خلاف پر اپنی محققانہ  
 صرف کرتے جیسا کہ اوٹھون نے اپنی زندگی میں ایسا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ مگر تصانیف  
 "سلسلہ آصفیہ" کے قائم کرنے والوں میں سے زندہ ہیں اور خدا دیر گاہ او کو زندہ  
 رکھے۔ وہ اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ آیا یہ تصنیف منشاء تصانیف سلسلہ آصفیہ  
 کو پورا کرتی ہے یا کیا؟

یہ الفاروق جب شائع ہوئی تو اوسکا دوسرا حصہ ذی علم  
 مصنف کی مہربانی سے مجھ کو جلد ملا۔ لیکن مجھ کو اپنے  
 دیگر مشاغل کے سبب سے اس قدر بھی فرصت نہ ہو سکی کہ بالاستیعاب اس کو دیکھ  
 سکوں۔ مگر میرے معزز دوست او سپر ریویو کے ایسے مشتاق ہو گئے جیسے کہ  
 اس دلفریب الفاروق کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے مشتاق انتظار  
 میں تھے اور میرے ان معزز دوستوں کی فرمائش یہ ضروری تھی کہ پبلک  
 میں ناپسندیدگی اس الفاروق کا ایک جوش پھیلایا ہے۔ اور جیسے کہ

ریویو کی فرمائشیں



المامون' اور سيرة النعمان' اور سيرة الفاروق' پر ریویو لوگوں کی نگاہ سے  
گزرے ویسے ہی اس الفاروق پر بھی ریویو کے چشم براہ ہیں۔

پہلے حصہ الفاروق | میں نے حال میں اول حصہ الفاروق، کا مشغل حاصل  
پیراجمالی رائے کر کے دیکھنا شروع کیا۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ

ذی علم مصنف نے بڑی لیاقت سے یہ تصنیف کی ہے اور بحث افضلیت حضرت  
نہ کو صرف بمقابلہ مذہب شیعہ کے ترقی دینے کی سعی نہیں کی بلکہ یہ کو  
کی ہے کہ افضلیت حضرت عمر کی پیغمبر اسلام پر قرار پا جائے۔ اور ابتدائی  
بنیاد توحید اور ترک بت پرستی کی انھیں کے گھرنے میں زیادہ چچا زاد بھائی حضرت  
عمر کی طرف منسوب ہو جائے۔ اگر مسلمان سنی اور شیعہ ذی علم مصنف کی  
تقلید کریں تو بے شک وہ ان بحثوں سے کہ پیغمبر رسول تھے اور علی مرتضیٰ ان کے  
چچا زاد بھائی تھے اور اس سے علی مرتضیٰ کی فضیلت قرار دیجانی تھی، پاک ہوں  
اور اس حالت میں ان کو حضرت محمد صلعم کی رسالت کا ضعف اور خاندان نبوت  
کے شرف کی کمی قبول کر کے ایک نیا پیغمبر اور ایک نیا خاندان پیغمبر اور  
کم سے کم حضرت عمر، اور ان کے خاندان کو اسناد پیغمبر ماننا پڑے گا۔ اور  
حضرت عمر کے خاندان کو خاندان پیغمبر سے اشرف قرار دینا لازم آئے گا۔  
یورپین مصنفین کا منشا | جس حیثیت اور نوعیت سے ذی علم مصنف نے  
اپنی اس تصنیف میں افضلیت حضرت عمر کی دکھائی

ہے حقیقت میں وہ اونکی ایجاد نہیں ہے بلکہ انھیں بعض یورپین مصنفین کی  
تقلید تائید ہے جنہوں نے علم فلسفہ تاریخی کی شان سے مذہب اسلام کی  
بنیاد ڈھانے کے لئے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں پیغمبر  
اسلام کے افضل الناس ہونے کو زوال، اور بمقابلہ پیغمبر اسلام کے حضرت عمر



کی افضلیت تسلیم ہو جائے۔

اونکی غرض درپردہ حضرت عمر کی شانِ شوکت اور صولت و صہبت بقیہ علیٰ رضیٰ اور پیغمبرِ آل پیغمبر کے دکھانے سے ابطالِ نبوت حضرت محمد مصلم کی تھی تاکہ مسلمان نبوت کی شان اور اوسکی عظمت و جلالت سے جو پیغمبر میں اور اوسکے خاص اہلبیت میں قدرتی بھی دگمگا جائیں اور جو اعتقاد اور مسلک کہ پیغمبر نے شرف اور امتیاز کا اپنے اور اپنے خاص اہلبیت کے لئے دعویٰ کر کے قائم اور ثابت کیا تھا اوس میں دساوس کو دخل نہ کرے اور مستقیم سے تجاوز نہ کر جائیں۔

**علوم جدیدہ فلسفہ کی تعلیم سے توقع**  
ہندوستان میں تعلیمِ علوم جدیدہ فلسفہ کے سبب سے جو ہر فرستہ مذہبی کو حاصل ہوتی ہے یہ توقع تھی کہ مسلمانوں کو جو آزادی مذہب میں حاصل ہو جائی ہے وہ اختلافات کے تعصب کو مست کر دے گی اور مسلمانوں کی قوم اتفاق سے ایک روش خاص پر چلنے لگے گی کہ جو کچھ کچھ اختلاف کا پہلو لئے ہوئے ہوا وہ جسکی میں منقطع نہیں ہوئی ہے۔ لیکن اگر مسلمان اس روش پر بھی اختیار کریں گے کہ جو وہی علم مصنف نے اختیار کی ہے تو آزادی خیالات مسلمانوں کی ایک نئی شاخ اختلاف کی پیدا کرنے والی ہوگی جسکو شاخ اس تنہ درخت کی کہنا مشکل ہوگا کہ جو تنہ درخت مذہب اسلام میں قرار پایا ہوا ہے۔

ایسا اعتقاد جیسا کہ وہی علم مصنف کی روش سے بتقلید و تائید بعض یورپین مصنفین کے پایا جاتا ہے۔ عہد پیغمبر اسلام سے اسوقت تک مسلمانوں میں ظاہر نہیں ہوا تھا گو قلوب میں کسی کسی کے چوٹی کی رفتار کی مانند مضمر رہا ہو مگر مذہب کی حقیقت سے ان کے خیالات میں نہ ہوا تھا۔



میں خوشی کی بات ہے کہ مسلمانوں کی اولیات میں یہ طریقہ ذی علم مصنف کے حصہ میں رہے گا۔ جس میں حضرت عمر کی مخالفتوں اور ان کے امور کو مقابلہ پیغمبر کے سرسبز اور امر پیغمبر کو سست کر کے دکھایا ہے۔ اور حضرت عمر کی رايوں کو مطابق اسے خدا کے اور پیغمبر کی اسے کو اس کے خلاف ظاہر کر کے حضرت عمر کو درجہ نزول وحی پر پہنچا کر اور پیغمبر کو اس مرتبہ سے گرا کر حضرت عمر کے ماتھے پر معجزہ جاری کر دیا ہے۔ اور یہی تصنیف جدید ذی علم مصنف کی حضرت عمر کی نبوت کی کتاب ہوگی !!

مسلمانوں کا تنزل اور مدارج سے زوال پذیر ہوتے جانا امر مسلمہ ہے اس زمانہ میں ہندوستان اور کہا جاسکتا ہے کہ کل روئے زمین میں جہاں جہاں مسلمان آباد اور موجود ہیں، ان لوگوں نے

کہ جو مسلمانوں کی بہبودی اور ترقی سے دلچسپی اور ہمدردی رکھتے ہیں، یا ہندوستان میں سب سے اول جس (سر سید احمد خان) کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اس کو ایسا خیال پیدا ہوا، اس امر کو قبول کر لیا ہے کہ قوم مسلمان جہاں کہیں ہو تنزل کی حالت میں ہے۔ اور اپنے مدارج سے زوال پذیر ہوتی چلی جاتی ہے، اور اس کے تنزل اور زوال کے اسباب پر بھی گفتگو میں اور نظر ہو چکی ہے۔ اور وہی ہیں تنقیح اسباب زوال مسلمانان

مذہب اسلام باعث مسلمانوں کے تنزل اور زوال کا ہے یا نہیں؟ اور جہاں تک سیرا علم ہے یہ سوال بعض علماء سے یورپ نے درحقیقت پیش کیا ہے، اور میں کہہ سکتا ہوں کہ بعض یا کسی قدر مسلمانوں کے دلوں میں اس عالم یورپ کی اس رائے کا اثر پیدا ہو گیا ہے، مگر عموماً جواہل الرائے مسلمان یا رفاہر ہونے کی منزلت پر ہیں، یا اسی زمانہ میں گزر چکے ہیں، وہ نہایت انحطاط



اور استقلال سے اسکے خلاف یہ راس رکھنے والے ہیں کہ مذہب اسلام ہر  
کی ترقی مخلوق کے لئے سبب ہوئی۔ مگر مسلمان مذہب اسلام پر قائم نہیں رہے  
یہی وجہ اس کے تنزل اور زوال کی ہے۔

سید احمد خان! وشمس العلماء  
شبلی کا مذہب مکالمہ

ایک مرتبہ اخیر حصہ زندگی سید احمد خان  
انہیں کے گھر انکی میز پر اس کے معزز  
سید محمود اور بعض اس کے رفیق یا دوست  
یا متبع جمع تھے کہ انہیں شمس العلماء شبلی نعمانی نے سید سے خطاب کر کے یہی مسالہ  
پیش کیا، اور میں کہہ سکتا ہوں کہ شمس العلماء کی فاطمین وہی راس مرکوز تھی کہ  
ابتداء عالم یورپ نے کی ہے، لیکن سید نے اس راس کی صحت سے انکار کر کے  
صداف کہا کہ "مسلمانوں کے دین اسلام پر قائم نہ رہنے سے اس کا زوال ہوا ہے۔"  
جہاں عقلا اور اہل الرائے کا یہ عندیہ قرار پا گیا ہے کہ مسلمانوں کا تنزل اور زوال  
اس کے مذہب اسلام پر قائم نہ رہنے سے ہوا ہے۔ "وہاں اس نے اس پر بھی  
عور کیا ہے کہ مسلمانوں کا دین اسلام پر قائم نہ رہنا کب سے شروع ہوا؟

اسی صحبت میں جبکامین نے ذکر کیا شمس العلماء نے سید کی راس پر باصرہ نظر  
کیا کہ "مسلمان دین اسلام پر برابر قائم رہے اور قائم چلے آتے ہیں۔"  
اس پر سید نے نہایت سختی سے اپنی وہی راس ظاہر کی اور مسلمانوں کے دین اسلام  
پر قائم نہ رہنے کے شروع ہونے کا وقت "وفات پیغمبر" کو اس تصریح  
سے بتایا کہ "ہنوز ان (پیغمبر) کا جنازہ دفن نہیں ہوا تھا کہ لوگ ان کے  
جنازے کو ترک کر کے مسئلہ خلافت کے طے کرنے کو سقیفہ بنی ساعدہ میں  
چلے گئے تھے۔"

شیعہ و سنیوں کی صحبت | یہ وہی راس ہے کہ جبکہ ابتداء سے مسلمانوں کا



فرقہ شیعہ قائل چلا آتا ہے کہ مسلمانوں کے دین اسلام پر قائم نہ رہنے کی ابتدا وہی ہے جو اس وقت ظہور میں آئی کہ جب پیغمبر اسلام کا بدن ٹھنڈا تک نہیں ہوا تھا۔ اصل بحث ان دو گروہ عظیم مسلمانان شیعہ اور سنی کے باہم درحقیقت یہی ہے کہ مسلمان کب سے دین اسلام پر قائم نہیں رہے۔ اور جو باعث اور نثر اور زوال کا ہوا ہے۔ اور اس بحث کا ان دونوں گروہ کے باہم طے ہونا نہایت ضروری اور مفید ہے۔

**موانع ترقی اور اس کا علاج** | بھی خواہان قوم نے جہاں اس امر کو سمجھ لیا ہے کہ دین اسلام پر قائم نہ رہنا، مسلمانوں کے نثر اور زوال کا باعث ہے، وہاں انھوں نے اس امر کو بھی سمجھ لیا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کا، خواہ اس کا تعلق تعلیم سے ہو یا تربیت سے، خواہ عمل سے، مانع، اور ان کے متعدد فرقوں میں ہو جانے کا سبب، اختلاف ہے۔ اور اس کا علاج دین اسلام کے اخلاق کی تعلیم ہے۔

**اسلامی اخلاق کیا ہیں؟** | من اس مانع اور علاج سے متفق ہوں، اور میرے نزدیک اگر مسلمانوں کو اخلاق دین اسلام کی تعلیم اور تربیت دی جاوے اور ملکہ اسی اخلاقی عمل کا انہیں پیدا کیا جائے تو کچھ شبہ نہیں ہے کہ باہم مسلمانوں کے جو فرقہ پڑ گیا ہے وہ دور ہو جائے گا۔ اور سب متفق ہو کر اپنی ترقی اور بہبودی کے لئے کوشش کرنے لگیں گے، اور جو ترقی ہو سکتی ممکن ہے اس درجہ پر پہنچ جائیں گے۔ لیکن سخت مشکل بلکہ قریب محال ہے، اس امر کا طے کرنا۔ کہ اخلاق دین اسلام کیا ہے؟

**شیعوں کے اخلاق کا ماخذ** | ایک اخلاق تو وہ ہے جسکی تعلیم اور تربیت پیغمبر علی رضی اللہ عنہ نے پائی اور اس کے اصول کو، اور حقیقت دین اسلام کو سیکھا اور اسی اخلاق



اور اوس کے اصول کی تعلیم و تربیت ایمہ الہبیت میں برابر چلی آئی۔ اُسکی اُمہ  
الہبیت کی سیرتوں سے کہ قانون قدرت نے اونکا دل و دماغ اوسی قابل بنایا  
حقاً، فرقہ شیعہ نے لیا اور لیتا ہی جو اونکی کتب میں نہایت توسیع و توضیح سے  
مستخرج ہے۔

اخلاق بالا کی نسبت  
سُنیوں کے خیالات

فرقہ اہل سنت سے اپنی شاخوں کے، یہ تو میں نہیں  
کہہ سکتا کہ اُن اصول اخلاق و اخلاق کو جو  
الہبیت سے حاصل ہوئے ہیں یا جو اون کی

سیرتوں کے نتائج ہیں باطل کہتا ہی یا باطل کہہ سکے، اس لئے کہ وہ تمام عقلی  
اور علم فلسفہ پر مبنی ہیں۔ لیکن اوپر توجہ نہیں کرتا ہے اور اپنے دل میں اون کو  
رسوخ نہیں دیتا ہے۔

سُنیوں کے اخلاق کا مآخذ

دوسرا اخلاق وہ سمجھاتا ہی جو خلفای ثلاثہ و نبی مہر  
و بنی عباس نے حاصل کیا اور اپنی سیرتوں سے

دکھایا، اور یہ قرار دیا کہ یہی اخلاق دین اسلام ہی، یا اس کے مخالف نہیں ہے،  
اور یہی اخلاق مسلک الہبیت کا ہے۔

سُنیوں کے اخلاق کی نسبت  
شیعوں کے خیالات

فرقہ شیعہ اس اخلاق کو، اخلاق دین اسلام  
نہیں سمجھتا ہی اور اُس کو باطل جانتا ہی اور سمجھتا ہے،  
کہ اگر اوس میں کچھ اخلاق دین اسلام ہو بھی تو ایسا

جیسا کہ کوہ ہمالیہ کے آگے رائی کا دانہ۔ اور وہ بھی مصنوعی جو سچائی سے عمل میں نہیں  
لا یا گیا۔

ایسی اختلافی حالتیں بالاتفاق اخلاق  
دین اسلام کا قرار پانا مشکل ہے

جب ان دونوں فرقوں اسلام میں، اخلاق  
دین اسلام کے سمجھنے میں، اور قرار دینے میں



بالا اتفاق اخلاق دین اسلام کو نیکو قرار دے سکیں گے۔

دونوں فرقوں کے تباہی میں یہاں ان دونوں فرقوں کے تباہی اخلاق کی ایک مثال

ایک ہی مثال دیتا ہوں کہ۔ "فرقہ شیعہ پیغمبر کو جیسے اونچی حیات میں اونکو پیغمبر جانتا ہے ویسے

ای بعد ممات بھی۔ اور جیسے کہ پیغمبر کی حیات میں پیغمبر کو (فرض کرو مواقع جنگ میں)

چھوڑ کر چلے جانے کو بد اخلاقی سمجھتا ہے ویسے ہی بعد ممات پیغمبر جب تک وہ دفن

نہو جائیں جسم پیغمبر کو چھوڑ کر چلے جانے کو بد اخلاقی جانتا ہے۔ برخلاف اس کے فرقہ اہل سنت

ان دونوں موقعوں پر پیغمبر کو چھوڑ کر چلے جانے کو بد اخلاقی نہیں سمجھتا۔

مصنف کا مسلک شمس العلماء مصنف الفاروق، اسکی تصنیف میں اپنی

اوی راسے کا پہلا اختیار کرتے ہیں کہ "دین اسلام

باعث تنزل اور زوال مسلمانوں کا ہے" اور خلفائے ثلاثہ

و بنی امیہ و بنی عباس نے جو اخلاق اختیار کئے تھے اور جبکہ درحقیقت ذی علم مصنف

خلاف اخلاق دین اسلام سمجھتے تھے، انہیں کو پسند کر کے، انکی سیرتوں میں سرسبز اور

شاداب کر کے دکھانا شروع کیا ہے۔

نتیجہ اخلاق متباہین ان اخلاق کی اشاعت سے وہی نتیجہ پیدا ہوا ہے

مذہب شیعہ و سنی کہ جو اس راسے سے پیدا ہو سکتا ہے کہ دین اسلام باعث

تنزل اور زوال مسلمانوں کا ہے، جو مخالف اس راسے

کے ہے کہ دین اسلام پر مسلمانوں کے قائم نہ رہ سکنے کے سبب تنزل اور زوال

مسلمانوں کا ہوا اور ایسے مسلمانوں نے جو اخلاق اختیار کئے یا اپنی سیرتوں سے

کے نتیجہ اخلاق متباہین



لیکن دین اسلام کے اخلاق کی تعلیم سے جو ترقی مسلمانوں کی ہو سکتی ہے وہ ترقی  
نہیں ہو سکے گی اور جو اختلاف اور تفرقہ باہم مسلمانوں کے ہو گیا ہے نہ وہٹ  
سکے گا۔

الفاروق کے لئے تاریخی مواد | ذی علم مصنف نے اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے  
کہ اس تصنیف کے واسطے کہاں کہاں سے

ادھون نے مواد جمع کیا ہے۔ ابتدائی حالت تاریخ عرب، اور تاریخ عہد اسلام بیان کی ہے  
مگر یہ قبول کیا ہے کہ "اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ پیدا ہو گیا تھا لیکن  
تصنیف تالیف کا سلسلہ مدت کے بعد ۱۲۱ھ سے قائم ہوا" (صفحہ ۴۷- الفاروق)  
یہ وہی زمانہ ہے کہ جس میں عہد دولت بنی امیہ حضرت معاویہ سے شروع ہوا۔ ذی علم  
مصنف، مصنفین مورخین علما کا دور قدیم پانچویں تک، اور اس کے بعد دور تخریب  
مورخین علما کا قرار دیتے ہیں۔

دور اول میں دس علما کی نسبت ذی علم مصنف قبول کرتے ہیں کہ ابتداءً جن  
لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلعم اور صحابہ کے حالات میں کتابیں لکھیں وہ  
تصانیف آج ناپید ہیں۔ (صفحہ ۵۶) لیکن اسی دور قدما میں سات  
مصنفوں کا ذی علم مصنف شمار کرتے ہیں کہ جنکی تصنیفات اس زمانہ میں موجود ہیں

۱۔ یحییٰ بن یوسف غزوات نبوی۔ نصر بن مزاحم کو فی مصنف کتاب الجمل۔ سیف بن عمر الاسدی مصنف  
کتاب الفتوح الکبیر۔ عمر بن راشد الکوفی مصنف کتاب المغازی۔ عبد اللہ بن سعد زہری  
مصنف فتوح خالد بن ولید۔ ابوالنختری وہب بن وہب مصنف کتاب صفت النبی و  
فضائل الانصار۔ ابوالحسن علی بن محمد بن عبد اللہ الدائمی جس نے آنحضرت و خلفاء کے حالات  
میں ۱۲۱ عنوان سے کتابیں لکھی ہیں۔ احمد بن حارث جزاز کتاب المغازی اسماء الخلفاء  
و کتابہم۔ عبد الرحمن بن عبیدہ مصنف مناقب قریش۔ عمر بن شیبہ مصنف کتاب الامار الکوفہ و البصرہ ۱۲  
۲۔ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبة۔ احمد بن داؤد البغوی۔ محمد بن سعد کتاب الواقعی۔ احمد بن ابی حنیفہ  
بن واضح کتاب عباسی مصنف تاریخ یعقوبی۔ احمد بن یحییٰ بلاذری۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری۔



اور دوسرے دور میں چند علماء مورخین کا نام لیا ہے۔

متاخرین مورخین کی نسبت  
مصنف کی نکتہ چینی

ذی علم مصنف عموماً علمای مورخین متاخرین  
(دور ثانی) پر خود یہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ  
ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ کوئی حسان نہیں کیا

اور قدما کی خصوصیات کو بھی کھو دیا۔ کچھ اونیہیں اضافہ نہیں کیا اور اس طرح اختصار  
کیا کہ جو بات چوڑی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ لیکن تاریخ ابن الاثیر  
کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ۔ ”علامہ ابن خلکان نے اس کو خیار التواریخ سے کہا  
ہے اور درحقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیف ناپید کر دیں اور جہان تک  
زمانہ کا اشتراک ہی طبری سے اس میں زائد نہیں ہے۔“ (صفحہ ۹ و ۱۰) مگر اس علم  
نکتہ چینی سے ابن خلدون اور اس کے شاگرد علامہ مقریزی کو مستثنیٰ کیا ہے۔  
اور ابن خلدون کی نسبت کہتے ہیں کہ اسی نے فلسفہ تاریخی کا فن ایجاد کیا۔“  
ذی علم مصنف اونیہیں قدما کی تصنیفات کو جنکی کتابیں موجود ملی ہیں اپنی اس تصنیف  
کا سرمایہ قرار دیتے ہیں لیکن ان قدما کی نسبت کتب رجال میں جو قدیمین موجود  
ہیں انکی نسبت ذی علم مصنف نے کوئی رائے اپنی نہیں لکھی کہ جس سے وہبہ  
قدح کا اوپر سے دور ہو سکے۔ باوصف اس کے کہ فن رجال کے مستقل بنا  
ویسے کی صفت مسلمانوں کے لئے قرار دی ہے (صفحہ ۱۳ و ۱۴) لیکن ذی علم  
قدیم تاریخوں میں خلوص  
مصنف نے یہ دو نقص قدیم تاریخوں میں قبول  
کر لئے ہیں کہ جو اون میں مفقود ہیں۔

۱) ہر عہد کا تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب، کے متعلق معاملات

۲) ابن الاثیر۔ سہبانی۔ ذہبی۔ ابوالفدا۔ نورانی۔ سیوطی۔ ابن خلکان۔



سرمایہ مہیا کیا جائے۔

(۲) ”تمام واقعات میں سبب اور سبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔“

وجہ نقص اول | اور وجہ اول نقص کی نہایت سچائی سے یہ بیان کی ہے

کہ ”ہمیشہ شخصی سلطنت کا رواج رہا اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں پیچ ہوتی تھیں اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفوں میں شاہی عظمت اور جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے۔“ یہ تصانیف قدیمہ جن پر ذی علم مصنف نے ماخذ اپنی اس تصنیف جدیدہ کا قرار دیا ہے۔ عہد بنی امیہ و بنی عباس میں تصنیف ہوئی ہیں کہ جو دراصل بہ قایم مقامی حضرت عمرؓ کے اپنے اپنے عہد میں سلطنتوں پر متمکن ہوئے۔ اور حضرت عمرؓ ہی اول وہ شخص تھے کہ جو خلاف مرضی اور منشاء پیغمبر کے (کہ پیغمبر اپنی زندگی میں تمام عرب کے بادشاہ تسلیم ہو گئے تھے اور تمام جہان کی بادشاہ کے حق کا دعوے کرتے تھے اور انھوں نے اپنے قول و عمل سے حق جانشینی اپنا بتا اور جتادیا تھا) بانی اور بادی اس امر کے ہوئے کہ سلطنت پیغمبری دوسرے خاندانوں میں منتقل ہوتی رہے اور اسی اصول حضرت عمرؓ سے بنی امیہ اور بنی عباس کے ماتحتوں میں پہنچی تھی اور اسی اعتبار سے بنی امیہ و بنی عباس جانشین حضرت عمرؓ کے تھے۔ ان کے عہد میں جو تصانیف ہوئیں ان تصانیف کی نسبت جس شان سے کہ وہ ہو سکتی تھیں جب کوئی محقق باتفاق رائے ذی علم مصنف کے نظر ڈالے گا، ضرور پکاراؤٹھے گا کہ ایسے عہد کے مؤرخ سوائے عظمت و جلال شاہی حضرت عمرؓ کے ان کے عیوب اور ان کی غلط رایوں اور ان کی خطاؤں کے لکھنے میں ان کا قلم ایک ڈوبہ سیاہی کا لیکر ایک نقطہ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔



## نقص اول کا اثر الفاروق کے حق میں

اون قدیم تاریخون عہد بنی ہشتم و بنی عباس  
(جنہون نے اصول قرار دادہ حضرت عمر کے

موافق سلطنت پر قدم رکھا) ذی علم مصنف

کی اس تصنیف کا ماخذ بھی تصانیف ہیں اور اس تصنیف کا مدار خبر دیتا ہے  
کہ یہ تصنیف بھی اُس عیب کی گرہ سے بچ نہیں سکتی کہ جس عیب کی گرہ کو قدیم  
تاریخون میں ذی علم مصنف نے کھولا ہے۔

ذی علم مصنف نے وجہ اول نقص کی جو بیان کی ہے اس سے تو نقص تصنیف کا  
لازم آیا ہے لیکن جب دوم نقص کی (واقعات میں سبب اور سبب کے سلسلہ کی  
عدم تلاش) ذی علم مصنف نے جو بیان کی ہے وہ ناقابلیت مصنفین کو لازم  
کرتی ہے۔

## وجہ نقص دوم اور اس کا اثر الفاروق کے حق میں

وہ کہتے ہیں کہ ”واقعات میں سلسلہ بات  
توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ  
اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات

سے آشنا نہ تھے۔ اس لئے فلسفہ تاریخی کے اصول و نتائج پر اونکی نظر نہیں پڑ  
سکتی تھی۔“ (صفحہ ۱۲- الفاروق)

جب تصانیف کے نقص کی وہ حالت ہو، اور ان کے مصنفین کی ناقابلیت  
کی یہ حالت، تو ایسے مصنفون کی تصنیف پر (کہ جن تصانیف میں نہ اس عہد  
کے تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب، کی معلومات کا اثر  
مہیا ہو، اور نہ اُس کے مصنفین فلسفہ اور عقلیات سے آشنا، اور نہ فلسفہ  
تاریخی کے اصول و نتائج پر اونکی نظر پڑ سکتی تھی) اگر کوئی مصنف (جو کسی عہد کے  
مالات لکھنے میں اُس عہد کے تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب،



کی معلومات کے سرمایہ کا خواستگار بھی ہو۔ اور جو فلسفہ تاریخی کے اصول و نتائج پر نظر رکھنے کا دعویٰ دار بھی ہو) اپنی تصنیف کا مآخذ قرار دے، تو اس کو خود موجد چاہیے کہ اس کی تصنیف کی کیا حالت ہوگی؟ اور کس طرح وہ منزل مقصود تک کامیابی سے پہنچنے پر قادر ہو سکتا ہے۔؟

روایت و درایت

ذی علم مصنف نے اسی تقریر کے سلسلہ میں یہ بھی قائل کیا ہے کہ۔ "احادیث و سیر میں روایت کا پلہ ہمیشہ

درایت سے بھاری رہا۔ اور درایت سے جب قدر کام لیا گیا نہ لئے جانے کی برابر تھا۔"

مصنف سبب اس کا یہ بیان کرتے ہیں کہ۔ "تاریخ میں

ناقابلیتی مورخین

جو واقعات مذکور ہوتے ہیں ان کو مختلف فنون سے

رابطہ ہوتا ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات میں فن حرب سے، انتظامی امور قانون سے،

اخلاقی تذکرے علم الاخلاق سے، تعلق رکھتے ہیں۔ مورخ اگر ان تمام علوم کا

ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے۔ انتظامی امور کے ذکر میں قانونی

حیثیت کا اسوجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون دان نہ تھے۔ اگر خوش

قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ،

اصول قانون، اصول سیاست، علم الاخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ

فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔"

افسوسناک حیرت ہے کہ ایسے ناقص مواد سے کہ جس کے سبب سے نہ روا

قابل اعتماد ہو سکتی ہے نہ درایت، ذی علم مصنف نے اپنی جدید تصنیف میں کیونکر

ایجاد کیا ہے؟

ذی علم مصنف جیسے لائق مورخ اور اہل تصانیف چاہتے ہیں زمانہ



ویسے مؤرخ اور مصنف پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ ذی علم مصنف نے ویسے لائق مؤرخ اور اہل تصانیف کے پیدا ہونے کی وجہ پر غور نہیں کیا یا عمداً اسکی علت ظاہر کرنے سے گریز کی ہے۔

وہ علت یہ ہے کہ بعد پیغمبر خلافت مسلمانوں کی اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہی کہ خود وہ اُس قسم کے علوم سے آگاہ نہیں تھے۔ اور اسی وجہ سے جن لوگوں نے کہ انکا اتباع کیا اونہیں ایسے لوگوں کا کسی وقت بھی پیدا ہونا غیر ممکن تھا کہ جس کتاب کی تلاش ذی علم مصنف کر رہے ہیں۔ اگر خلافت مسلمانوں کی علمائے کامل اور وجہ اصلی ناقابلیتی مؤرخین | ربانی فلاسفوں کے (جنسے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ) اور دیگر ائمہ اہلبیت ہے) ہاتھ میں رہتی، اور

زمانہ اون سے تعلیم و تربیت پاتا اور بذریعہ خلافت کے شیوع اور رواج اُن علوم و فنون کا ہوتا تو عموماً ویسے ہی مؤرخ اور اہل تصانیف پیدا ہوتے جیسے ذی علم مصنف چاہتے ہیں۔ اور اُس حالت میں ذی علم مصنف کو گنجائش ایسی تصنیف کی بھی باقی نہ رہتی۔ جب کاکئی سو برس کے بعد تاریکی کی حالت میں اونھوں نے نقد کیا ہے اور افسوس ہے کہ ظلمت میں بغیر اس کے کہ شمع روشن اونکے ہاتھ میں ہو رہا ہے چلے ہیں۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ ایسے مؤرخ اور اہل تصانیف کے عموماً پیدا نہ ہونے سے کہ جو فن جنگ، اصول قانون، اصول سیاست، علم اُفلاک سے آشنا ہونے مذہب اسلام کو بہت نقصان پہنچا۔ شروع سے ایسے فلاسفر ربانی کو جبکا دل و دماغ قدرت نے علم و حکمت کے لئے وضع کیا تھا خلافت پیغمبری کے لئے قبول نہ رکھنا، اور ایسوں کو خلیفہ منتخب کرنا جو تمام اوصاف خود نہ رکھتے تھے، اور اُن اوصاف کے اُس فلاسفر ربانی میں قایل تھے، دُخت اسلام کی بنیاد پر اپنے ہاتھ سے تیشہ مارنا ہی! اور دراصل ہی امر باعث تنزل مسلمانوں کا



ہوا ہے۔

بحث اعتبار صحت و عدم صحت  
روایات و جانچ کے طریقے

ذی علم مصنف اس امر کے قبول کرنے کے بعد کہ  
قدیم تاریخوں میں تمام واقعات ضروری طور  
نہیں ہوتے اور جب قدر ہوتے ہیں اور نہیں

اسباب علل کا سلسلہ نہیں ملتا۔ یہ امر بھی بحث طلب قرار دیتے ہیں کہ۔  
جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کمانٹک اعتبار ہو سکتا ہے۔ اور  
اسکی نسبت یہ ظاہر کرتے ہیں کہ۔ ”واقعات کی جانچ کے صرف دو طریقے ہیں  
روایت و درایت“ اور ہر ایک رائے لکھی ہے۔

یہ سچ ہے کہ۔ ”مسلمانوں نے روایت کے فن کو ایک مستقل فن بنادیا اور  
ہر قسم کی روایتوں میں سند متصل کی جستجو کی۔ لیکن ایسی روایتیں بھی کہ جنہیں سلسلہ  
سند متصل کا پایا گیا ہزاروں احادیث اور روایتیں ان کتابوں میں وضعی اور  
مسنوعی پائی گئی ہیں۔ (جنکی نسبت آسانی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اصلی مآخذ تصنیف  
ذی علم مصنف کا ہے) اور جن کے راویوں کو کسی متلاشی نے ثقہ اور کسی نے  
غیر ثقہ کہا۔ ایسی حالت میں معیار صحت اور غیر صحت ہر ایک واقعہ کا ہر مصنف کا  
اختیاری ہو گا کہ جس واقعہ کو چاہے قبول کر لے اور جس واقعہ کو چاہے غیر معتد  
سمجھ لے۔

درایت و روایت  
کی حقیقت

درایت کے متعلق خود ذی علم مصنف یہ انصاف  
کرتے ہیں کہ۔ ”اس فن کو جب قدر ترقی ہوئی  
چاہیے تھی نہیں ہوئی اور تاریخ میں تو اس سے

بالکل کام نہیں لیا گیا۔“ جب واقعات کی تنقید کے لئے جو روایات میں بیان ہوئے  
ہیں درایت سے کام نہیں لیا گیا اور بہ قول ابن خلدون کے جیسا کہ ذی علم



حرج و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ  
 فی نفسہ ممکن بھی ہو یا نہیں، اور امکان سے امکان عقل مراد نہیں بلکہ اصول  
 عادت، اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔ اگر کوئی واقعہ  
 غیر صحیح ایسا بیان کیا جائے کہ جو اصول قواعد اور تمدن کی رو سے ناممکن نہ ہو  
 تو اسکی صحت کا مدار ضرور راوی کی حالت پر ہوگا، جیسا کہ ابن خلدون نے  
 راوی کی حرج و تعدیل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تو ایسی حالت میں صحت کسی واقعہ  
 کی تسلیم ہونا نہایت دشوار ہوگا۔

بعد وفات پیغمبر کے مسلمانوں میں زمانہ نے تفرقہ اور اختلاف، جو آجتا قائم  
 اور برقرار رہا۔ ایسا ڈال دیا ہے کہ کسی نہ کسی راوی کا کسی وجہ سے کسی کی طرفداری  
 سے، کہ جو تابع خلافت کا رہا ہو، پاک ہونا اور رنگ آمیزی سے بری ہونا بالکل  
 غیر ممکن ہے۔ صحت واقعہ کی قابل اطمینان کے اوسی حالت میں قبول کیجا سکتی  
 ہے کہ جب مخالف اوسکا کہ جس کے فضل کا استنباط اوس واقعہ سے کیا جائے  
 گواہی دے۔ ”والفضل ما شہدت بہ الاعدا“

الفاروق کو نقص قدیم سے بچانے کے لئے دیگر کتب متاخرین سے تلافی	ذی علم مصنف قدیم تاریخوں کے نقص کو اپنی اس تصنیف میں پورا کرنے کا طریقہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ۔ ”اگرچہ جو کتابیں حضرت عمر کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئیں اور ان
---------------------------------------------------------------------	--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے۔ لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد  
 اوسکی تلافی ہو سکتی ہے۔ مثلاً حضرت عمر کے طریق حکومت، اور آئین انتظام کے



معلوم ہوتا ہے، اونکی اولیات کی تفصیل ہے، اونکے خطبے منقول ہیں، اونکا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے، اونکے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ اونکے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے، اونکی فقہ اور اجتہاد پر مجتہدانہ طریقہ بحث کی ہے۔

یہ امور جن چند کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ وہی علم مصنف نے ان چند کتابوں کے نام لئے ہیں۔ لیکن ”ریاض النظرہ للمحب الطبری“ کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ۔ ”حضرت عمر کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ”ازالہ الخفا“ میں اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لئے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا۔“

جب یہ امر قبول کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر کے حالات میں جو مستقل حیثیت کتابیں لکھی گئیں اور اونہیں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے اور وہ کتابیں قدیم تصنیفات سے بھی نہیں ہیں تو دیگر کتابوں تصنیفات متاخرین سے اس تلافی پر جس سے حضرت عمر کے حالات کو ذی علم مصنف پورا کرنا چاہتے ہیں کیسے طمانیت ہو سکتی ہے؟ خصوص جبکہ اون کتابوں میں سے بعض کتابوں کی نسبت قبول کیا جاتا ہے کہ۔ ”اونہیں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایات مذکور ہیں“ اور جس سے خود ذی علم مصنف نے دانستہ احتراز کیا ہے۔

جن حالات حضرت عمر کی نسبت (مثل طریقہ حکومت، اور آئین نظام اور صیغہ قصا، اور اونکی اولیات، خطبے، مذاق شاعرانہ، حکیمانہ مقولے اور اونکے اخلاق و عادات کی) ذی علم مصنف تلافی کرنا چاہتے ہیں وہ



واقعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اون واقعات کا بیان صرف راویوں پر منحصر ہے۔ اور جبکہ کہ امور راویوں نے بہ حیثیت واقعہ کے بیان کئے ہیں۔

اوس میں اس بات کا نشان غیر ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا اور کہا وہ اونکی ذاتی عقل کا نتیجہ تھا یا کسی دوسری جگہ سے اوس کا علم اونھوں نے حاصل کیا تھا۔ اور جب تک اس نشان کا سراغ نہ چلے اوس وقت تک یہ بات کیونکر طے ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی ذاتی فضیلت کا درجہ کہاں تک ہے

واقعات کی تنقید چند  
اصول درایت سے

ذی علم مصنف نے اس قسم کی مشکلات پر نظر کر کے اور درایت کے بعض اصول کو بیان کر کے اون مشکلات سے اپنے آپ کو بچانا چاہا ہے

جس سے منشا اونکا یہ ہے کہ واقعات کی تحقیق و تنقید درایت کے اصول سے ہو سکتی ہے۔ اور لوگوں کو گمان ہو کہ ذی علم مصنف نے انہیں اصول کے بموجب واقعات کی تحقیق و تنقید کر لی ہے۔ لیکن جو اصول کہ مصنف نے ظاہر کئے ہیں اوس سے تحقیق و تنقید واقعات حضرت عمرؓ کی نہیں ہو سکتی اور نہ وہ نتیجہ اوس پر مترتب ہو سکتا ہے جو ذی علم مصنف نے مرتب کرنا چاہا ہے۔

پہلا اصول درایت  
اور اوس پر بحث

پہلا اصول وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ”واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟“ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں اصول عادت سے

شخصی عادت مراد ہے یا عام عادت انسانی۔ اگر عادت شخصی مراد ہے تو جب تک کہ کسی شخص کی کوئی عادت تحقیق نہ ہو جائے تب تک اوسکی عادت کا کوئی اصول مقرر نہیں ہو سکتا۔ اور اصول عادت کی تحقیق کے لئے وہی دشواری پیش آئے گی کہ جو کسی واقعہ کی تحقیق و تنقید میں پیش آتی ہے۔



اور اگر عادت سے مراد عادت انسانی ہے تو گو بعض امور میں فطرتاً بشر مساوی عادت رکھتا ہے جس میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں ہوتی۔ لیکن جن امور میں کہ فضیلت ہو سکتی ہے ان میں قانون قدرت قلب اور دماغ جداگانہ اور متفاوت درجہ کے وضع کرتا ہے اور کبھی کبھی کسی شخص میں ایسی قوت امور خیر اور اصلاح انسانوں کی ودیعت کرتا ہے کہ جو اس کے ہم عصر انسانوں میں بلکہ زمانہ آئندہ میں بھی اس قوت کا دوسرا پیدا نہیں ہوتا اور ایسے شخص سے ایسے امور سرزد ہوتے ہیں جنکو مافوق طاقت بشری کہا جاتا ہے۔ کبھی انسانوں میں ایسے شخص بھی پیدا ہوتے ہیں کہ خلاف امور خیر کے شرارت آمیز وسوسہ اور نکامادتا ہو جاتا ہے۔ جس سے امور خیر کے پھیلانے والوں کو سخت اذیت پہنچتی ہے اور وہ ان کے شر سے بچنے کے لئے خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔

ایسی حالت میں کسی شخص خاص کی نسبت عام عادت انسانی سے کسی واقعہ کا انطباق فضیلت کے لئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ شخص خاص کی عادت کا امتیاز اسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ جب قدر امور اس سے سرزد ہوں وہ کبھی اس کے مخالف نہ ہوں جو اس سے اسی قسم کے امور میں قولا اور فعلاً ہمیشہ سرزد ہوتے رہے ہوں۔ لیکن جس شخص نے مختلف حالتوں میں زندگی بسر کی ہو۔ مثلاً کبھی کفر و شرک میں۔ کبھی اسلام میں، اور کی نسبت کسی ایک عادت کا اطلاق نہیں ہو سکے گا۔ اور میں دونوں زمانوں کی عادتیں موجود ہونگی اور اس کی فضیلت کسی عام عادت بشری سے نکالی نہیں جاسکے گی۔

دوسرا اصول درایت	دوسرا اصول یہ ظاہر کیا ہے کہ "اوس زمانہ میں
اور اوس کی حقیقت	لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا



موافق؟۔

جس طرز سے جب کوئی شخص خلیفہ یا بادشاہ مقرر ہو جائے اور اوسی طرز پر  
اوس کے جانشین خلیفہ اور بادشاہ مقرر ہوتے چلے جائیں۔ تو کوئی واقعہ جو بعد  
زمانہ دراز کے خلیفہ یا بادشاہ کی نسبت، اوس کے جانشینوں کے عہد میں ہوا  
کیا جائے تو ظاہر ہے کہ سطوت خلافت و بادشاہت کی وجہ سے عام میلان اس  
واقعہ کی نسبت کہ جس سے کوئی فضیلت پیدا ہوتی ہو موافق ہوگا۔ گو دلوں میں  
کچھ لوگ اس واقعہ کے مخالف بھی ہوں۔ چنانچہ خود ذی علم مصنف (صفحہ ۱۱)  
قبول کیا ہے کہ ”فرمانرواے دولت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں  
پیچ ہوتی ہیں اور لازمی اثر ہے کہ تاریخ کے صفحہ میں شاہی عظمت و جلال کے  
سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے“ اور صفحہ ۱۱ میں بھی یہ اسے ظاہر کی ہے  
کہ ”بقدر تعصب آتا گیا اوسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈلتی  
گئیں ہیں“ خصوص جب تاریخی واقعات سے یہ امر ٹھیک سمجھ ہو کہ انہیں  
مسلمانوں میں سے ایک گروہ مخالف اور مختلف راے رکھنے والا ہر زمانہ میں  
موجود رہا ہے، تو میلان عام کسی واقعہ کے متعلق موافق یا مخالف لوگوں کا کس بنا  
پر قبول کیا جائے گا۔؟

میسر اصول و روایت  
اور اوس کی حقیقت

میسر اصول ذی علم مصنف یہ بیان کرتے ہیں کہ  
واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اوس کی نسبت  
ثبوت کی شہادت قوی ہے یا نہیں؟

یہ اصول نہایت تعجب انگیز ہے کہ جب واقعہ غیر معمولی ہے تو ثبوت کی شہادت کی  
قوت اور غیر قوت کیونکر دیکھی جاسکے گی۔

علامہ ابن خلدون کی اسے بھی ذی علم مصنف نے صفحہ ۱۲ میں یہ نقل کی ہے کہ۔



”واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح اور تعدیل سے بحث نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہو یا نہیں۔ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہے تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔“

اس رائے کے بموجب جبکہ کوئی واقعہ غیر معمولی قرار پا جائے تو پھر شہاد دیکھنا بیکار ہے کہ وہ قوی ہے یا نہیں؟

چوتھا اصول درایت | چونکہ اہول یہ قرار دیتے ہیں کہ ”اس امر کی تفتیش کہ راوی حسن کو

واقعہ ظاہر کرتا ہے اوسمین اوس کے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ شامل تفتیش اس امر کی کہ روایت میں راوی کے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟“ ایک امر عظیم ہے۔

روایت میں جس چیز کو واقعہ ظاہر کیا گیا ہے۔ پہلے تو یہ امر دیکھا جائیگا کہ اسکا محل اور موقع کیا تھا؟ اور پھر دیکھا جائے گا کہ اس روایت میں ایسی توثیق ہے یا نہیں جس سے ظن قیاس راوی کا متبادر ہوتا ہو؟ ان امور کی نسبت بھی ہر شخص کی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اور پھر اس امر میں ضرور اختلاف ہوگا کہ اس روایت میں راوی کے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے یا نہیں؟

پانچواں اصول درایت | پانچواں امر اصول کا یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ”راوی نے

واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اوس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں؟“

اس اصل کے قرار دینے میں یہ چاہا جاتا ہے کہ راوی عالم مجتہد اور ادیب ہو بلکہ مصور بھی ہو تو بہتر ہے۔ ایسے راوی عموماً نہیں مل سکیں گے اور اگر



اور اگر ملین گے تو نہایت خاص جو ہر زمانہ میں ایک دوسے زیادہ ہونگے  
 اور یہ ضرور نہیں ہوگا کہ ہر واقعہ کے وقت وہ خاص الخاص موجود ہو۔  
 حقیقت میں راوی کا صرف کام یہ ہے کہ وہ سچا واقعہ سادے طور پر بیان  
 کرے اور اگر راوی ایسا ہو کہ ہر پہلو پر واقعہ کے نظر ڈالنے والا ہے تو ضرور  
 کہ روایت میں راوی کا منشاء یا قیاس شامل ہوگا۔ جسکے دور کرنے کے لئے  
 ذی علم مصنف نے اصل چارم قرار دی ہے۔

تعجب ہے کہ اصل چارم کے بموجب روایت۔ قیاس۔ اور رائے شامل  
 ہونے کے سبب سے خراب سمجھی جائے۔ اور اصل پنجم کے بموجب راوی کے  
 منشاء اور رائے کے شامل ہونے سے روایت ناقص رہے۔!

### چھٹے اصول روایت کی حقیقت

چھٹا امر یہ قرار دیا ہے کہ "اسبات کا اندازہ کہ  
 زمانہ کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ  
 ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیر

پیدا کر دئے ہیں۔"

جیسے کہ امور بالا میں تنقید اور تحقیق روایت کی تحقیق اور تنقید کرنے والے  
 کی رائے اور قیاس اور اس کے اجتہاد پر متحدہ وہی ہے ویسے ہی اس امر میں  
 بھی اندازہ کرنے والے کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہوگا۔ اور جب ان تمام  
 امور میں جو اصولاً ظاہر کئے گئے ہیں تحقیق اور تنقید کرنے والے کی رائے محدود  
 رکھا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ جیسی طبائع انسانوں کی مختلف ہیں ویسے ہی تحقیق اور  
 تنقید کرنے والوں کے اندازہ کرنے میں اختلاف اور غلطی ہوگی۔

ذی علم مصنف نے کوئی ایسا اصول نہ بتایا کہ جس سے کسی تحقیق اور تنقید اور  
 اندازہ کرنے والے کی رائے صحیح بلاخط قبول کیجاسکے۔



## عدم انکار اصول منظرہ کی حقیقت

ذمی علم مصنف اپنے اصول منظرہ کی نسبت ظاہر کرتے  
ہیں کہ "ان اصول کی صحت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا"

افسوس ہے کہ مصنف نے عدم انکار کو بہت وسعت

دی اور وہ بھول گئے کہ یہ زمانہ تدوین فلسفہ (علم حکمت) اور اوس کے عالموں کا  
ہے۔ اس زمانہ میں تو یہ کہنا روا ہو سکتا ہے کہ کسی اصول کا قرار دینا مشکل ہے  
اور اپنے اصول منظرہ کی نسبت اس بات کا قائل ہونا چاہیے تھا کہ ان کے  
ہم مشربوں میں سے کوئی شخص ان سے انکار نہیں کر سکتا۔

یہ رائے کہ "ان اصولوں کے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم  
ہو سکتے ہیں" تب ہی صحیح ہو سکتی ہے کہ سب یہ کہا جائے کہ ہر شخص اپنی رائے  
اور قیاس کے موافق کچھ راز کھول سکتا ہے۔

ذمی علم مصنف راز کے معلوم ہونے کی یہ مثال دیتے ہیں کہ "تاریخوں

مداول میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمر کے

سخت احکام مرقوم ہیں۔ لیکن یہ اوس زمانہ

کی تصنیف ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا

## غیر قوموں کی نسبت سختی احکام اور اوس کا وجہ

مذاق پیدا ہو گیا تھا اور قدیم زمانہ کی تصنیفات میں اس قسم کے واقعات بالکل

نہیں یا بہت کم ہیں" اوسکی نسبت ذمی علم مصنف نے یہ خیال کیا ہے کہ

"جس قدر تعصب آتا گیا اوس قدر روایتیں خود بخود تصنیف کے سانچے میں ڈالتی

گئی ہیں" لیکن بمقابلہ قیاس مصنف کے دوسری رائے صاف و صریح یہ ہو سکتی

ہے کہ تاریخوں مداول میں جو ایسے واقعات مذکور ہیں جو قدیم تصانیف میں

بالکل نہیں ہیں وہ واقعات قطعی و صغی اور مصنوعی ہیں اور جہاں کم کو زیادہ کیا

ہے وہ صنعت آئینہ ہے جس سے صنّاعوں اور صنعت کاروں کی قلعی کھلتی ہے اور



یہ بھی رائے ہو سکتی ہے کہ قدیم مصنفوں کے بھٹوں کے واقعات حضرت عمرؓ  
 بالکل نہیں لکھے یا کم لکھے اور بخون نے حضرت عمرؓ پر جو الزام عائد ہو سکتا تھا  
 اس کو طرفداری سے بذریعہ اپنی کارستانی کے چھپایا۔ مگر ذی علم مصنف نے  
 جب اصول منظرہ ایسے لکھے ہیں کہ جس سے ہر تحقیق اور تنقید کرنے والوں کا  
 امر اختیاری ہے تو جو رائے کہ ذی علم مصنف نے اس موقع پر دی وہ اونکی  
 اختیاری ہے۔

ذی علم مصنف نے اپنی مثال کا ایک جز یہ یہ بیان کیا ہے کہ ”تم  
 عیسائیوں کو ممانعت ناقوس“  
 تاریخون میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا  
 تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کہی ناقوس نہ بجانے  
 پائین لیکن قدیم کتابوں کی روایت میں یہ قید ہے کہ حیوقت مسلمان نماز پڑھتے  
 ہوں اور وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔“

قدیم روایت میں جو قید لگائی گئی ہے اس قید سے کوئی فرق نتیجہ حکم میں  
 پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے ہاں نماز کے وقت معین ہیں اور وقت نماز ایک  
 حد معین تک کہ جس میں ابتدا اور انتہاء زمانہ شامل ہے قرار دیا گیا ہے اور عیسائیوں  
 کے ہاں بھی عبادت کے وقت ناقوس بجانے کے لئے اوقات خاص معین تھے  
 مثلاً صبح و شام اور غیر اپنے اوقات معینہ کے وہ ناقوس نہیں بجاتے تھے۔  
 اور وقت نماز صبح و شام، مسلمانوں کے واسطے بھی معین تھا۔ تو صبح و شام عیسائی  
 ناقوس نہیں بجا سکتے تھے اور غیر وقت نماز مسلمانوں میں عیسائیوں کو ناقوس  
 بجانے کا وقت نہیں رہتا تھا کہ وہ وقت اونکی عبادت کا نہیں ہوتا تھا  
 جیسے کہ مسلمان غیر وقت نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو جانتے تھا کہ وقت نماز مسلمانوں کے بھی عیسائیوں کو ناقوس کی



مخالفت نہ کرے کہ جو اوسے یہاں داخل عبادت ہو اور جس سے عیسائیوں  
مسلمانوں کا یہ معمول ہوتا کہ عیسائی اپنے معبود گاہوں میں اپنے خدا کی اور  
مسلمان اپنی مسجدوں میں اپنے خدا کی پرستش کرتے۔ اور ”لکم دینکم ولی دین“  
پر ٹھیک عمل ہوتا۔

### وجہ مخالفت ناقوس

حضرت عمرؓ نے جو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کی نماز کے  
وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں ”اوسکی وجہ بھی

ذی علم مصنف کو بتانی تھی تاکہ حضرت عمرؓ پر جو الزام کسی قسم کا عائد ہوتا ہے  
وہ دور ہو یا اوس میں خفت آجائے۔

ہم جہاں تک غور کرتے ہیں غالباً وہ حکم اس بنا پر تھا کہ ناقوس کی آواز سے  
حضرت عمرؓ کی توجہ میں وقت نماز فرق آتا تھا۔ لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے  
کہ وہ نماز محویت کے ساتھ نہوتی تھی جو باہر کی قسم کی آواز سے توجہ نماز میں فرق  
پڑتا تھا۔

### عیسائی بچوں کو اصطباغ کی منہا ہی

دوسرا جزئیہ مصنف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ۔  
ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم  
دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ

نہ دینے پائیں۔ لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے  
کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں اونسے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے  
طبری نے جس کو مصنف قدامین شامل کرتے ہیں سلسلہ میں وفات پائی  
ہے اور ابن الاثیر پانچویں صدی میں تھا۔ اگر یہی روایت دونوں تاریخوں میں  
ایک ہی سلسلہ راویوں سے ہے تو راویوں کی قدر کسی درجہ میں خود بخود پیدا

آگاہی اگر راویوں کا سلسلہ جائز ہو اور طبری و ابن الاثیر تین سو



صحیح قبول کیا جائے اور ابن اثیر کی روایت کو غیر صحیح نہیں جاسے کہ جس کی قبولیت عام کو ذی علم مصنف تسلیم کرتے ہیں اور بحوالہ ابن خلکان اوسس کو خیار التواریخ قبول کر چکے ہیں (صفحہ ۹ کتاب نہا)

یہ ممکن ہے کہ طبری نے الزام سختی حکم سے حضرت عمر کو بچانے کے لئے کوشش کی اور ابن اثیر نے اصلی حکم لکھ دیا۔ اور اگر دونوں روایتوں کو صحیح مانا جائے تو اسکا یوں رفع ہو سکتا ہے کہ اول حضرت عمر نے وہی حکم دیا جو طبری میں مرقوم ہے اور جب اونکی تعمیل کے وقت کوئی نزاع یا بحث پیش آئی ہو تو اوٹھون نے قطعی یہ حکم دیدیا تاکہ عیسائی اپنے بچوں کو اضطراب نہ سے سکیں۔ جیسا کہ ابن اثیر خمر میں ہے۔

## عیسائیوں کو خاص لباس کا حکم

ذی علم مصنف ایک مثال یہ دیتے ہیں کہ۔ "بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر نے تحقیر اور تذلیل کے لئے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پہننے"

کے لئے مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی تحقیق کا خیال راوی کا قیاس ہے۔"

تحقیر کا خیال راوی کا قیاس، اوسوقت سمجھا جاسکتا ہے جب روایت میں کوئی دوسرا منشاء حضرت عمر کا عیسائیوں کے لئے لباس خاص کا موجود ہو یا استنباط ہو سکتا ہو۔ ذی علم مصنف اس بحث کو آئندہ لکھنے والے ہیں اوسی مقام پر ہم بھی دیکھیں گے کہ کیا زیادہ تدقیق کی گئی ہے۔

الرحمن والرحیم اور شریک و صاحب ہستی و مالک یوم الدین



اجمالی رائے بابت ملی  
سختی و درستی حضرت عمر

ذی علم مصنف نرم کرتے ہیں۔ یہ قیاس  
کا خلاف عادت حضرت عمر کے ہے۔

ذی علم مصنف (صفحہ ۲۰) میں قبول کرتے

ہیں کہ "حضرت عمر کی سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سیکڑون روایتیں  
مذکور ہیں اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف اونہیں زیادہ تھے۔"  
ایسی حالت میں سخت مزاجی اور سخت گیری حضرت عمر کا وصف کم کرنا ذی علم مصنف کا  
مقبول نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اونکا قیاس قبول کیا جاسکتا ہے کہ جو اونہوں نے خلاف  
عادت و عینی حضرت عمر کے اور روایتوں کو نامنظور کیا ہے جنہیں سخت گیری حضرت  
عمر کی منقول ہوئی ہے۔

تہم اس کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ذی علم مصنف قدیم مورخوں کی نسبت یہ  
نکتہ چینی کر چکے ہیں کہ شاہی عظمت و وقار کے خلاف وہ کچھ نہیں لکھ سکتے تھے اور  
سیرۃ النعمان میں بھی ذی علم مصنف نے اسی قسم کا الزام خود اپنے امام اور مجتہد  
حضرت ابو حنیفہ صاحب پر بہت فخر سے لگایا ہے کہ اونکا مذہب اصول سلطنت سے  
بہت مناسب رکھتا ہے۔ "لیکن اس موقع پر اس اپنی نکتہ چینی کا ذی علم مصنف نے  
جو تہم مورخوں پر کی ہے خود اپنے آپ کو مورد بنایا ہے باوصف اس کے  
کہ ہیبت و دبدبہ کا دکھانا حضرت عمر کا الفاروق کی جان ہر جہاں بار ہا دعویٰ  
کیا گیا ہے۔ ذی علم مصنف نے وہ بالیسی اختیار کی جو قدیم مورخوں نے شاہی  
وقار کے خلاف کچھ نہ لکھ سکنے کی اختیار کی تھی۔ حضرت عمر کی سخت مزاجی سخت  
گیری کو جو عیسائیوں کی نسبت ظاہر ہوئی ہے۔ ہندوستان میں گورنمنٹ برطانیہ  
کی سلطنت کے لحاظ سے نرمی سے دکھانا پسند کیا ہے اور اس اندیشہ سے  
کہ گورنمنٹ برطانیہ کے خیالات حضرت عمر کی طرف اچھے ہو جائیں عیسائیوں پر



اونچی درستی مزاج اور سخت گیری دکھانے سے مجتنب ہوئے ہیں جس کو گورنمنٹ  
برطانیہ سے ذی علم مصنف خطاب شمس العلماء پانچکے ہیں۔ اس موقع پر ذی علم  
مصنف کی اس پالیسی کو مسلمان خوشامد کے سوا کچھ اور نہیں سمجھ سکتے اور گورنمنٹ  
بھی ایسا ہی سمجھے تو عجب نہیں۔

ذی علم مصنف ایک مثال اُن روایتوں کی جنکی نسبت ظاہر کرتے ہیں کہ تاریخی  
تاریخی روایات قضیہ فک  
قرطاس سقیفہ تین  
امثال کمی الفساد کا  
ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔  
یون پیش کرتے ہیں کہ۔ ”انہیں جب قدر ترقیہ  
ہوتی گئی اوی قدر شائبہ باتیں کم ہوتی گئیں  
فک، قرطاس، سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات

ابن عساکر، ابن سعد، بیہقی، مسلم، اور بخاری، سب نے نقل کئے ہیں لیکن  
جب قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اوی نسبت  
روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے ہیں یہاں تک کہ خود مسلم  
اور بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے۔ چنانچہ اسکا بیان ایک مناسب موقع پر  
تفصیل سے آئے گا۔“

مسلمانوں میں جب قدر روایتیں مذکور ہیں جنکا تعلق خواہ مخواہ کسی ائمہ سے ہوگا  
اون سب کی شان مذہبی حیثیت کی ہوگی۔ اس لئے کہ مذہب اسلام میں دین اور  
دنیا دو چیزیں جدا جدا نہیں ہیں۔

جن امور کو لوگ بظاہر دنیاوی سمجھتے ہیں وہ بھی درحقیقت دین ہی۔ مذہب  
اسلام اصول تمدن، انتظام تمدن، سیاست مدن، سب کو شامل ہے۔  
فک، قرطاس، سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات کی نسبت جہاں تفصیل سے  
لکھیں گے وہاں ہم بھی اوس کو دکھیں گے۔ مگر اس موقع پر یہ امر ظاہر ہو گیا کہ ان



واقعات کے متعلق ان واقعات کے جمع کر نیوالے نزاع انگیز الفاظ کم کرتے گئے اور انکی طرف داری نے جس کو ذی علم مصنف احتیاط اونکی قرار دیتے ہیں روایتوں کو مشتبہ سمجھ لیا۔

اس موقع پر ذی علم مصنف حسب قدر کسی نے تحریف کی ہر اوس کو سلسلے میں اور دوسرے موقع پر (صفحہ ۹ مین) متاخرین مؤرخین کی نسبت الزام لگاتے ہیں کہ ”متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اسطرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی“ اہل نظر ذی علم مصنف کی خود اختیاری طریقہ پر غور کریں گے اور غور سمجھیں گے کہ اپنی اس تصنیف کے لئے وہ کیسویں کو کام میں لائے ہیں۔

ذی علم مصنف اپنے اصول منظرہ کی رو سے واقعات کی محنت اعتبار کے مدارج قرار دینا چاہتے ہیں اور اونکی مثال یہ دیتے ہیں کہ حضرت عمر کی خلافت کے واقعات سو برس

اصول مقررہ پر واقعات کی صحت اور اوس کے مدارج کی مثال

بعد تحریر میں آئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلین، مثلاً صف آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال جواب، ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی، پہلوانوں کے دانوں بیچ، اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت، چونکہ یہ تک محسوس صورت میں موجود رہے اس لئے اونکی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں۔“

جنگ کے تفصیلی حالات اور جزئیات جنگا تعلق واقعات سے ہے اور جو روایتوں میں مذکور ہوئے ہیں اونکی

مثال کی حقیقت جنگ کے تفصیلی حالات



یقین اور عقیدہ کے بعد ضرور مرتبہ یقین کا روضہ ہے۔ یقین کہ میری  
 سیرت اور خصلت پر، اور اسی قسم کے دیگر امور پر جو کسی کی سوانح عمری سے متعلق  
 ہوں، جو واقعات سے پیدا ہوتی ہے یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت عمر  
 کے ایسے تفصیلی حالات، اور جزئیات جنگ نہ عہد پیغمبرین، مذکور ہیں اور نہ خود  
 ان کے عہد خلافت میں، کیونکہ ذاتی حیثیت سے ان کو ایسے واقعات پیش ہی نہیں  
 آئے اور اگر عہد پیغمبرین پیش آئے تو بہت کم۔ اور انہیں بھی ان کو کامیابی  
 نہیں ہوئی۔ بلکہ انھوں نے معرکہ کی جنگوں میں، اپنی حفاظت میدان جنگ کے  
 جدا ہو جانے کے طریقے سے اختیار کی ہے۔ ورنہ کوئی ہم کو بتائے کہ جب اونچی  
 خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریر میں آئے اور دیگر بہادر وں کے حالات بجا  
 اور معرکہ آرائی معہ جزئی تفصیل کے قلمبند ہوئے تو حضرت عمر کے معرکوں کے  
 واقعات اور اسکی جزئی تفصیلیں کیوں نہ قلمبند ہوئیں۔ ۴

ذی علم مصنف نے اسی عام رسے تفصیلی، اور جزئیات جنگوں پر، یقین  
 نہو سکنے کی، اس خیال سے ظاہر کی ہے کہ علی مرتضیٰ اور دیگر انصار و مہاجر کے  
 ایسے تفصیلی حالات اور جزئی واقعات منقول ہیں اور جنبہ مسلمان یقین کرتے ہیں،  
 ان کے درجہ یقین میں کمی ہو جائے اور بمقابلہ حضرت عمر کے اونکی فضیلت گھٹ کر  
 درجہ مساوات میں آجاوے۔

انتظامی امور اور قواعد حکومت کو وہ مدت تک میں  
 صورت میں موجود رہتے ہیں بے شبہ یقین کے  
 لائق ہوتے ہیں، مگر مدار اونکا بھی روایات پر  
 ہوتا ہے۔ مگر انتظامی امور اور قواعد حکومت پر یقین کرنے سے کسی کا وصف ذاتی  
 اس وقت قبول ہوتا ہے کہ جب نہ امر مسلم ہو جائے کہ وہ انتظام امور اور قواعد



حکومت ایجاد طبع اور اپنی عقل سے پیدا کئے ہوئے اوس شخص کے تھے کہ جس نے  
 اؤ کو عملاً نافذ کیا۔ اگر وہ دوسری جگہ سے حاصل کئے ہوئے ہوتے یا اؤ کا  
 علم کسی دوسرے شخص سے حاصل کیا ہوتا تو وہ فضیلت اوسى کو حاصل ہوگی کہ  
 جہاں سے اُس کو سیکھا اور جہاں سے اوس کا علم حاصل کیا۔  
 مثلاً قرآن پر عمل کرانے سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ قرآن اوس عمل کرانے  
 والے کی تصنیف ہے نہ عمل کرانے والے کے لئے وصف تصنیف قرآن کا پیدا  
 ہو سکتا ہے۔

حضرت عمر کے خطبوں  
 اور حکمت آمیز مقولوں  
 کی نسبت اجمالی رائے

خطبے، اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہوئے  
 ہیں اونکی نسبت یہ قیاس بیشک ہو سکتا ہے  
 جیسا کہ ذی علم مصنف کرتے ہیں کہ۔  
 جو فقرے زیادہ پُر اثر فصیح و بلیغ ہوتے  
 ہیں وہ ضرور صحیح ہوتے ہیں کہ ایک فصیح مقرر کے فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے  
 ہیں۔ اور اونکا مدت تک چرچا رہتا ہے جنہیں کوئی خاص ندرت یا اثر ہوتا ہے،  
 اسی طرح خطبوں کے وہ جملے ضرور قابل اقتدا ہیں جنہیں احکام شرعیہ کا بیان ہے  
 اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے۔“

لیکن اس قیاس سے نہ یہ ثابت ہو سکتا ہے نہ لازم آسکتا ہے کہ وہ خطبے  
 اور حکمت آمیز مقولے اور جملے احکام شرعیہ کی فقہانہ حیثیت سے جس کسی  
 کی نسبت منسوب اور کتابوں میں منقول کئے گئے ہیں اسی شخص کی زبان سے  
 نکلے ہیں اکثر ایسا ہوا ہے جس کا نشان حالت زمانہ قدیم کتابوں میں یہی ہے  
 کہ کسی کی لیاقت اور علم جتانے کے لئے اوس کے مؤیدوں نے اپنے کلام سے  
 اوس کو زینت دی ہے اور اپنے کلاموں کو اوس کی طرف منسوب کر دیا ہے۔



ذی علم مصنف نے مذہب اسلام کے قدمہ اور متاخرین مورخوں کے ذکر کرتے وقت روایتوں کی بحث میں اس قسم کی زنگ آمیزشوں کو خود قبول کیا ہے کہ ”اس قسم کی روایتیں عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی ہیں اور عوام ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے اس لئے انہیں خود بخود مبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے (صفحہ ۲۰)“ اور

شخصی سلطنت کا رواج یہاں تک قبول کر لیا ہے کہ ”فرمانرواے وقت کی عظمت اور اقتدار کے آگے تمام چیزیں بیچ ہوتی تھیں اس کا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آنے پاؤ“ یہ ظاہر ہے کہ خطبوں اور حکمت آمیز مقولوں اور زیادہ پُر اثر اور فصیح و بلیغ فقروں اور احکام شرعیہ کے جملوں کو تصنیف کر کے حضرت عمر کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ کوئی بات اونکی عظمت و جلال کے قایم کرنے کے لئے نہیں ہو سکتی تھی۔

خطبے اور حکمت آمیز مقولے، اور زیادہ پُر اثر اور فصیح و بلیغ فقرے اور احکام شرعیہ کے جملے، جس کسی کی طرف منسوب کئے جائیں اوں کی زبان سے صادر ہونے پر اوس وقت یقین ہو سکتا ہے کہ جس کی نسبت زمانہ نے یہ تسلیم کر لیا ہو کہ اس سے زیادہ کوئی عالم، خطیب، حکیم، فصیح و بلیغ اور فقیہ اس عہد میں نہ تھا۔ اور ایسا عہد پیغمبر اور ہم عصری علی رضی اللہ عنہما میں حضرت عمر کا قبول کیا جانا بہت دشوار ہے۔

انتظامی واقعات قدمہ	یہ قیاس ذی علم مصنف کا کہ ”جو واقعات
میں مصنف کی زیادتی	اوس زمانہ کے مذاق کے سوا سے چنداں قابل

ذکر نہ تھے اور اونکا ذکر آجاتا ہی اونکی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اصل واقعہ



اس سے زیادہ ہوگا۔“ قابل ستائش کے ہے جس میں مورخین کی یہ خطا ثابت ہوئی ہے کہ اوصافوں نے اصل واقعہ کے کلہنہ میں کمی کی۔ اور متاخرین کو یہ موقع ملتا ہے کہ اپنے مذاق کے موافق جس واقعہ میں جا ہے جب قدر افزائی کر دے۔

اس قیاس کے موقع کے لئے ذی علم مصنف نے یہ مثال دی ہے کہ۔  
”حضرت عمر کے مال میں انتظامی امور، عدالت، پولیس، بند و بست، مردم شماری کے متعلق جب قدر قلبین ہوا اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔“

افسوس ہے کہ ذی علم مصنف نے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اسی قیاس کی رو سے انہیں امور میں اپنی اس تصنیف میں بڑھا ہوا ہے۔ جس سے بنیاد اس تصنیف کے خلاف واقعہ محض اوتکے قیاس پر لازم آتی ہے جیسا کہ وہ خود معترف ہیں کہ ”میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے“

**قیاسی قدر بعض کتب کی حقیقت**

زیادہ افسوس کے قابل یہ بات ہے کہ اپنے یہاں کے مورخین کی نسبت یہ کہہ کر کہ ”رزم و نرم، معرکہ آرائیوں اور زلغلیوں کے عادی تھے“

حلیہ الاولیا، ابن عساکر، کنز العمال، ریاض النضرہ، وغیرہ میں جو روایتیں مذکور ہیں عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی یقین کہ غوم اور کونہایت ذوق سے سنتے تھے خود بخود مبالغہ کا رنگ آتا گیا۔“ نظر انداز کریں اور ان مصنفین کی روایتوں میں تو رنگ آمیزوں کو ناپسند کریں۔ اور جہاں کہیں کہ مورخین نے سادہ واقعہ بیان کیا ہے اس کو یہ کہہ کر کہ ”اس میں کمی ہے“ خود رنگ چڑھانا پسند کریں۔ زمانہ نے تو اس مثل کو یوں قبول کیا تھا کہ ”انچہ خود نہ پسندی بردگیران میں نہ“ مگر ذی علم مصنف نے بجائے اسکے یہ عمل کرنا



چاہتے ہیں۔ ” انچہ بر دیگران نہ پسندی بر خود بہ پسند۔“  
 ہمیشہ سے اصول یہ چلا آتا ہے کہ جو کوئی واقعہ مذکور ہو اس واقعہ کی صحت کو  
 جانچا جائے اور بعد صحت کے اس واقعہ سے یہ سمجھا جائے کہ بقدر اس واقعہ  
 میں مذکور ہے اسی قدر قابل تسلیم ہو سکتا ہے مگر ذی علم مصنف اس اصول قدیم  
 کے خلاف یہ قاعدہ قرار دینا چاہتے ہیں کہ جو واقعہ کسی روایت میں مذکور ہو تو یہ  
 سمجھنا چاہیے کہ وہ کم ہے۔ اگر یہ اصول قرار دیا جائے تو اس سے یہ بھی لازم  
 آئے گا کہ اگر حضرت عمر کی قدح کسی واقعہ میں مذکور ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ کمی کے  
 ساتھ ذکر کی گئی ہے۔

**حال کا طرز تحریر** | ذی علم مصنف نے اس زمانہ کے مؤرخین کی طرز  
 تحریر کو بیان کر کے جو طریقہ اپنی اس تصنیف  
 میں اویٹھون نے اختیار کیا ہے اس کو ظاہر کرتے ہیں اور آجکل کی اعلیٰ درجہ کی  
 تاریخین جنہوں نے قبولیت عام حاصل کی ہے اس کا فلسفہ اور انشا پردازی کے  
 مرکب ہونا بیان کر کے قبول کرتے ہیں کہ ” اس طرز سے بڑھ کر اور طرز  
 مقبول عام نہیں ہو سکتا۔“

پھر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ” تاریخ اور انشا پردازی کی حدین بالکل جدا جدا  
 تاریخ اور انشا پردازی | ہیں ” اور ان دونوں کا فرق نقشہ اور تصویر کے  
 کی حدود اور مشرق | فرق کے مشابہ بتاتے ہیں اس طرح پر کہ۔  
 نقشہ کہنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ میں

کی ہئیت، شکل، سمت، جہت، اطراف و اضلاع کا نقشہ میں احاطہ کرے۔  
 منصور خاص عجوبگی کو دکھلائیگا۔ جس سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑ سکتا ہے  
 اسکے بعد مصنف اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ ” سورج کا اصلی فرض یہ ہے کہ



## یورپین مورخ کی تعریف

وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز کرنے

پاسے اور یورپ کے ایک بڑے مورخ

کی تعریف جو ایک پروفیسر نے کی ہے یون نقل کرتے ہیں کہ ”اوس نے شاعری سے کام نہیں لیا۔ نہ وہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اوس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔“

سچ یہ ہے کہ مورخ کی ایسی ہی شان ہونی چاہیے کہ وہ واقعات کو اونی حالت پر چھوڑ دے تاکہ خود ناظرین اوس واقعہ پر حسن و قبح کا نتیجہ نکالیں۔ اور اپنی عقل و دانش کو وسعت ادراک سے فائدہ پہنچائیں۔ اور آزادی سے اسے کو کام میں لا کر کسی ایسی اسے کی تقلید نہ کر سکیں کہ جس سے پر خطا ہونے کا بھی احتمال ہو۔ یا ناظرین میں سے مختلف رائیں قائم کر کے اختلاف سے جو فائدہ ہوتا ہے اوس سے محروم نہ رہیں۔

ذی علم مصنف نے جس بڑے مورخ یورپ کی تعریف لکھی ہے اوس کے

طریقے سے اپنی تصنیف میں تجاوز کیا ہے

گو اولاً یہ کہتے ہیں کہ ”اگرچہ میں نے واقعات

میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی

کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی

بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔“ مگر یہ بھی قبول کرتے ہیں کہ ”اسباب و

علل کے پیدا کرنے کے لئے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑا ہے کہ مورخ کو

اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں۔“

اس سے ظاہر ہے کہ قابل تعریف شان مورخ سے ذی علم مصنف نے

الفاروق کے واقعات

میں مصنف کا اجتہاد اور

قیاس



میدانِ واقعات سے قدم آگے بڑھا کر اور کچھ باہر سے لینے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھایا ہے اور اس مشکل میں خود اوصافوں نے اپنے آپ کو پھنسا لیا ہے کہ ایسے مورخ کی کہ جس کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں، اجتہاد اور قیاس کی جانچ لوگوں کے ہاتھ میں رہے کہ وہ اجتہاد اور قیاس کیونکر اور کہاں تک صحیح ہے۔

اگرچہ اس مشکل سے اپنے آپ کو ذی علم مصنف پھسلا کر نکال لیجانے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ ”مورخ کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط کرے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔“ اور اسی کے ساتھ اہل یورپ کا عام طرز کہ جنکی بے اعتدالی سے اپنا احترام کرنا ظاہر کر چکے ہیں یہ بیان کرتے ہیں کہ ”وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے یورپ کے عام طرز تحریر سے موافق کرنے کے لئے، ایسی ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل اونسے کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص اجتہاد اور قیاس کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔“

نتیجہ یہ ہے کہ ذی علم مصنف نے باوصف اس کے کہ اسبابِ عمل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے اجتہاد اور قیاس سے (جنکی صحت اور غیر صحت کی جانچ کا ہر کسی کو اختیار رہے گا) بہت کچھ کام لیا ہے اور واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لئے ایسی ترتیب و انداز سے نہیں لکھا کہ واقعہ بالکل اونسے کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جائے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہ کر سکے۔ لیکن یہ سب کچھ اس موقع پر دعویٰ



ذی علم مصنف نے اخیر اپنی اس مہمیدی تقریر پر ایک نظم (قطعہ) لکھی ہے  
**تعلیٰ کی نظم مصنف**  
 جس میں بالکل شاعرانہ تعلیٰ بھری ہوئی ہے اور جو  
 ہے کہ اونکی تمام تصنیف میں سوائے مضامین شاعرانہ

کے اور کچھ نہ ہو۔

بجائے اسکے کہ مورخ مصنف خود شاعرانہ تعلیٰ کا رویہ اختیار کرے  
 جس کو انشا پر دازی تیار شیخ سے بڑھا ہوا سمجھنا چاہیے، یہ زیبا ہے کہ وہ ستر  
 داد تصنیف کا موافق اور مخالف سے رہے۔ اور دوسرے شاعر قصائد  
 میں اس کے محامد بیان کریں۔ لیکن جس کسی مصنف کو ایسی مہمید نہ ہو اور  
 جسکی تصنیف مضامین شاعرانہ سے بھری ہوئی ہو، اگر وہ اپنی محنت اور کوشش  
 کے صلہ میں تعلیٰ کے ذریعہ سے اپنی داد نہ دیے تو کیا کرے۔ مگر ایسی تعلیٰ اور  
 داد کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی شخص اپنی تعریف اپنے منہ سے کرتا ہے۔  
 ذی علم مصنف بعد مہمید اور ابتدائی تقریروں کے نام و نسب، بن رشد  
 و تربیت حضرت عمر کا بیان شروع کرتے ہیں۔

**حضرت عمر کے نام و نسب کی بحثیں**  
 حضرت عمر کا نسب قریش میں داخل کر کے رسول اللہ صلی  
 علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر ملائے ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی  
 علیہ وسلم کی پشتوں میں کسی کا نسب ملنے سے کوئی فخر ہو سکتا  
 ہے تو قرب نسب کا فخر بمقابلہ علی مرتضیٰ کوئی سرے کو حاصل نہیں ہو سکتا کہ علی  
 مرتضیٰ پیغمبر خدا کے حقیقی چچا زاد بھائی اور ان دونوں کے بزرگ پدران ایک  
 بطن سے مانجائے بھائی تھے۔ چنانچہ خود علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ ”میں پیغمبر  
 سے ایسا ہوں جیسے کہ دو شاخہ درخت ایک شیخ سے جا ہو اور جیسے ہاتھ بازو  
 ملا ہو۔“ اور پیغمبر فرماتے ہیں کہ ”میں اور علی ایک نور سے ہیں۔“



اوسکا ذکر ذی علم مصنف نے بالکل متروک کیا ہے۔ مصنف کو چاہئے تھا کہ نسب کے متعلق جو کچھ اختلاف تھا اوسکی نسبت بحث کر کے اپنی تحقیقی رائے ظاہر کرتے تاکہ جو سلسلہ نسب اوٹھون نے قرار دیا ہے اوسکی صحت پر اطمینان ہوتا۔ اور جب اوٹھون نے کوئی بحث اختلاف پر نہیں کی اور ایک سلسلہ کو اختیار کر لیا تو یہ امر ظاہر ہے کہ اوٹھون نے اپنی اس تصنیف میں محض خود اختیاری دکھائی ہے۔ مصنف نے مادری نسب میں حضرت عمر کی دادی کی کیفیت اور حالت سے حضرت عمر کا مادری نسب گریز کی ہے۔ کتاب مثالب میں ابولہب تشریاف

بن محمد سائب الکلبی تحریر کرتے ہیں کہ حبسکا ذکر فضل بن روز بہان صاحب البطل الباطل نے بھی کیا ہے کہ "ضمنا کہ نوٹدی ہاشم بن عبد مناف کی قطی پس اوس سے فضل بن ہاشم حضرت ہو گیا اور اوس کے بعد عبد العزیز بن رباح جنت ہوا اوس سے خیل وادان الخطاب کے پیدا ہوئے۔

علامہ ابن قتیبہ دینوری (جن علامہ کو ذی علم مصنف نے دور اول کے ان سات مورخین علما میں شمار کرایا ہے کہ جنکی تصانیف اس زمانہ میں موجود ہیں اور جنکی نسبت مصنف فرماتے ہیں کہ "یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہیں محدثین بھی اس کے اعتماد و اعتبار کے قائل ہیں") کتاب معارف میں جنکی نسبت مصنف یہ فرماتے ہیں کہ اسکی مشہور کتاب معارف ہی جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اوس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں" (صفحہ ۵۵ حاشیہ مطبوعہ مصر)

لکھتے ہیں کہ "تہ خطا اب اسلفہ مال قوش سے اور یاد دہاؤں کہ



قبیلہ مہم کی ایک عورت تھی جو نفیل کی جو دو تھی۔ پس عمرو ابن نفیل کے  
بعد اپنے باپ نفیل کے ادس کو اپنی زوجہ بہالیا اور اس سے زید پیدا  
ہوا زید اور خطاب ایک ہی ماں سے ہیں۔

ذی علم مصنف کو لازم تھا کہ اس رنگ بزرگ مادری نسب حضرت عمر کو  
ظاہر اور اوپر حرج و تعدیل کر کے کوئی صورت اپنی تحقیقی دکھاتے۔

پیغمبر نے اپنا شرف نسب آبائی اور مادری میں جٹایا ہے کہ میں اصلا ابور ارقام پاک و  
بنی و علی کا نسب پدری مادری پاکیزہ سے ہوں اور اسی ارشاد پیغمبر  
سے شرف نسبی پدری و مادری علی

مرتضیٰ کا ظاہر ہو گیا کہ دادا، دادی بنی و علی کے ایک تھے۔ اور فاطمہ بنت  
اسد بن ہاشم مادر علی مرتضیٰ کو زمانہ جانتا ہے کہ وہ کیسی اشرف بی بی تھیں۔  
شرفت نسبی پدری اور مادری کی ایک امر ضروری واجب اور برحق خلیفہ  
اور بادشاہ قبول کئے جانے کے لئے ہے اور یہ ایک اصول مقررہ میں سے  
ہے جس میں دیگر اوصاف بھی علم اور شجاعت اور سخاوت کے قرار دئے گئے ہیں  
اور جس کو ہمیشہ سے عقلا اور حکما قبول کرتے چلے آتے ہیں تاکہ جب بادشاہ  
اور خلیفہ مقرر ہو اس کو حقارت اور تذلیل کی نگاہ سے اس کی رعایا اور اس کے  
مطیع نہ دیکھ سکیں۔

ذی علم مصنف حضرت عمر کا نسب ظاہر کرنے کے بعد ان کی غرت خاندانی کا  
بیان یوں شروع کرتے ہیں کہ قہر ابن مالک کی اولاد قریش کے لقب سے  
حضرت عمر کا اعزاز خاندانی مشہور ہے اور قریش کی نسل میں ہیں  
اور عمدہ سفارت

شخصوں نے امتیاز حاصل کیا جن کے



کہ جسکی اولاد میں حضرت عمر کا شمار ہے۔ پھر فرس کا خانہ کعبہ کا بچا اور اور  
دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی اوسکے سر پر سایہ انگن ہوا،  
تسکیر کے کاروبار کے مختلف صیغے ہو جانا۔ اور ہر صیغہ کا اہتمام جدا جدا  
ہونا ظاہر کر کے یوں تفریق کرتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی نگرانی ، حجاج کی خبر گیری  
فصل مقامات ، مجالس شوق

ان صیغوں میں سے عدی، حضرت عمر کے جد اعلیٰ کو سفارت کے صیغے کا نسر  
اور اوس کے ساتھ منافرة کے معرکوں میں ثالث ہونا، ظاہر کیا ہے۔ اور

پھر حضرت عمر کے دادا نفیل کا ان خدمتوں کو انجام دینا بیان کیا ہے۔  
اگر سفارت کا دوبار اور منافرة کی ثالثی عدی اور نفیل کے ہاتھ میں قبول  
خانہ کعبہ کی موروثی  
امارت کی سرداری  
کر لیا جائے تو خانہ کعبہ کی نگرانی اور حجاج کی خبر گیری  
کے کام سے اوس کو برتری نہیں ہو سکتی۔

خانہ کعبہ کی نگرانی اور حجاج کی خبر گیری اصل کار

امارت تھا اور خانہ کعبہ در حقیقت دارالامارت تھا۔ اور یہ کام بلا اختلاف ہاتھ  
میں بنی ہاشم اجداد پیغمبر خدا اور ابوطالب پدر علی مرتضیٰ کی برابر رہا اور بالآخر  
آنحضرت صلم نے اپنی زندگی میں اسی اتحاق آبائی (امارت و سرداری قوم اور  
حق حفاظت اور انتظام خانہ کعبہ) کو حاصل کر کے قبضہ کیا جس سے وہ بیدخل  
ہو گئے تھے اور سلسلہ توحید جاری کر کے جہرا اپنا قبضہ چاہتے تھے۔ اور جہر  
سخت مزاحمتیں قریشیوں اور تمام قبائل عرب کی ہوئیں اور نوبت جنگ جال  
کی پہنچی۔ اور علی مرتضیٰ سے اسی کے حصول میں پوری مدد ملی۔ اور انہیں کے  
ہاتھ پر اوس کام کو جاری کرایا۔



حضرت عبدالمطلب سردار مکہ  
کی سرداری کا خاص امتیاز

خانہ کعبہ کی نگرانی کو مین اصل امارت  
اور اسی سرداری اجداد پیغمبر اور علی مرتضیٰ

مین اور خانہ کعبہ کو دارالامارتہ اسوجہ سے

کہتا ہوں کہ کتب تواریخ مین موجود ہے کہ ”حضرت عبدالمطلب کے لئے خانہ کعبہ  
مین مسند بچھائی جاتی تھی اور وہ خانہ کعبہ کی دیوار پر تکیہ کر کے بیٹھتے تھے اور  
دیگر لوگ ان کے سامنے بادب زانو نہ کرتے تھے اور ان دیگر لوگوں کو ہرگز  
یہ حق نہ تھا کہ وہ خانہ کعبہ کی طرف پشت کر کے بیٹھیں۔

خود ذی علم مصنف نے جہاں ذکر نفیل کی خدمت کا اسی موقع پر کیا ہے  
وہاں ظاہر کیا ہے کہ ”رسول اللہ صلیم کے جد امجد عبدالمطلب اور حرب بن امیہ  
مین جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل کو حکم مانا۔  
نفیل نے عبدالمطلب کے حق مین فیصلہ کیا۔“ جس سے ظاہر ہے کہ ریاست خانہ  
کعبہ بالحق مین حضرت عبدالمطلب کے تھی۔ اور وہی امیر قریش کے تھے۔  
سوائے ریاست خانہ کعبہ اور امارت قریش کے سفارت کا کام اور دوسرے  
کام جنکی تفریق ذی علم مصنف نے کی ہے وہ سب تابع امارت اور زیر اجازت  
امیر کے ہو سکتے ہیں۔ اور حضرت عمر کے خاندانی اعزاز کو بمقابلہ خاندان پیغمبر  
اور علی کے رتبہ تفوق کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

نفیل کا فیصلہ کرنا ریاست کے دعوے اور نزاع کا ایسا ہی تھا کہ جیسے ہمیشہ  
بادشاہ اور گورنمنٹ پر کوئی دعویٰ ہوتا ہے اور اندرون سلطنت کوئی نزاع پیش آتی  
ہے تو اوسکا فیصلہ حاکم یا حکم مقرر کردہ امیر ہی کرتا ہے۔ جس سے اوس  
فیصلہ کرنے والے کو بادشاہ اور گورنمنٹ پر کچھ فوقیت نہیں ہو سکتی۔

درحقیقت استحقاق حفاظت اور انتظام خانہ کعبہ موجب امارت اور سرداری



عدی کے اعزاز خاندانی بیان کرے میں کہ جہین حضرت عمر کو گناہ ہے وہ عزت جو آنحضرت صلعم کے پیغمبر پیدا ہونے سے حضرت ہاشم کے خاندان کو ہوئی ہے باقی رہی جاتی تھی وہ عزت عدی کے خاندان میں بھی بخشنے کے لئے ذی علم مصنف نے کوشش کر کے ہم ہو چلے میں درگزر نہیں کی اور جیسے کہ شیعہ کیا بلکہ زمانہ علی مرتضیٰ کے لئے شرف خاص کا قائل ہے کہ پیغمبر حجاز اور بھائی علی مرتضیٰ کے تھے ویسا ہی شرف حضرت عمر کا دکھانے کے لئے ذی علم مصنف آمادہ ہوئے ہیں۔ اور پر توہ جلوہ نبوت کا حضرت عمر کے حجاز اور بھائی پر اس طرح ڈالتے ہیں کہ "نفیل کے دو بیٹے تھے عمرو، خطاب، عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتہ اور حضرت عمر کے حجاز اور بھائی تھے نہایت عالی درجہ شخص تھے۔ وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحد بن گئے تھے۔ انہیں زید کے سوا

زید عمر زاد حضرت عمر موحّد تھے  
اور انکی اذیت و ہجرت کی سرگزشت

باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس ابن سعدہ۔ ورقہ ابن نوفل۔ زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے اس پر تمام لوگ انکے دشمن ہو گئے۔ جنہیں حضرت عمر کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطاب نے اس قدر ان کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ منطویہ سے نکل گئے۔ اور حرا میں جا رہے تھے تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔

حرا زید کا تذکرہ ذی علم مصنف نے کرتے ہیں (۱۰۵) زید (۱۰۶) اور انہیں عمرو



پس نفیل کے بیٹے ہن کہ جن عمرو بھائی خطاب نے اپنے باپ نفیل کی زوجہ کو اپنی زوجہ بنا لیا تھا اور اسی زوجہ کے بطن سے یہ زید پیدا ہوئے اور اسی صفت کے یہ زید بھائی چچا زاد حضرت عمر کے ہن۔

مجرد اس امر سے تو کسی کو انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قبل بعثت یا قبل پیدائش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جہان میں کوئی موجد پیدا نہیں ہوتا تھا اور جب کوئی قائل توحید اور بت پرستی کا ترک کرنا والا ہو گا اس کو ضرور پیر و ملت ابراہیمؑ کہا جاوے گا۔ لیکن واقعات زمانہ نے ہم کو یہ دکھا دیا ہے کہ بعد حضرت ابراہیمؑ کے نسل حضرت اسمعیلؑ سے سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا ایسا شخص پیدا نہیں ہوا کہ جسے دعویٰ پیغمبری کر کے مسند توحید کو اس کے منکرین سے ایسا منوا دیا ہو کہ جس سے انکار کرنے کی ہر کسی کو تاب نہ رہے۔

اور تمام دنیا کے بت پرست یا غیر خداے واحد کے دوسرے خیزون او کی مخلوق کی پرستش کرنے والے نادیل کر کے خداے واحد کے ماننے والے اور پرستش کرنے والے نہو گئے ہوں۔ اور ملت ابراہیمؑ کے بزمانہ جاہلیت جو امور متغیر اور خراب ہو گئے تھے ان کی اصلاح اور جو امور ٹھیک طور پر قائم تھے ان کو برقرار اور جو امور مبہم تھے ان کی تصریح کر کے طریقے شریعت کے وضع اور نشان دین کے قائم حکمت سے ایسے نہ کر دئے ہوں جو مافوق طاقت بشری حیرت انگیز ہو اور جنہیں قیامت تک جب تک کہ دنیا قائم ہے کسی اور امر کی ضرورت نہ ہو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ابتدائی زمانہ میں جو مصیبت اور اذیت قوم سے پہنچی اور جن مصائب اور اذیتوں کا ان کو برداشت کرنا پڑا ہے جنہیں سے حرار میں جانا اور رہنا اور مکہ سے نکل جانا (ہجرت) اور قوم کا دشمن ہو جانا بھی ہے۔ ان کی



زید کی مساوات پیغمبر  
سے اور اس کی حقیقت

لعینہ مساوات زید ابن عمرو کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ساتھ دکھانا اور لوگوں کے دلوں میں کہ جو  
شان نبوت اور نبی سے کامل آگاہی نہ رکھتے

ہوں شک پیدا کرنا ہی جبکہ وہ ایک یورپین مصنف کے اس مقولہ پر نظر کریں جہاں  
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کے وقت لکھا ہے کہ "دنیا میں بہت گرم خوش لوگ پیدا ہوتے  
ہیں مگر انکو موقع اظہار لیاقت کا نہیں ملتا اور انکو زمانہ ٹھنڈا کر دیتا ہے۔"  
جب تحریر ذی علم مصنف اور تقریر یورپین مصنف کی یکجا کر کے دیکھی جائے تو اس کا  
ضروریہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گرم خوش پیدا ہوئے تھے ویسے ہی

آنحضرت کی نبوت میں  
شک مصنف

اوی زمانہ میں حضرت زید پیدا ہوئے تھے  
لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع اظہار لیاقت کا مل گیا  
اور حضرت زید کو ایسا موقع نہ ملا اور زمانہ نے

انکو ٹھنڈا کر دیا۔ ورنہ دراصل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی وجہ تفوق اور فضیلت کی نہیں ہے۔  
ایسا اعتقاد قائم ہو جانے سے مسلمان جان سکتے ہیں کہ ایسے مسلمان کچھ  
مسلمان رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

حضرت عمر کی دانائی  
یورپین مصنفین کی زبانی

جن بعض یورپین مورخین نے حضرت عمر کی دانائی  
ظاہر کی ہے۔ اس نوعیت سے کہ فضائل پیغمبر  
کے مسلمانوں کی نگاہ میں کم وقعت ہو جائیں

جس سے وہ دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھنے والے ہوں۔ انہیں کی تائید اور  
تقدیر ذی علم مصنف نے اس موقع پر کی ہے کہ واقعات زید چچا زاد بھائی حضرت عمر



اس حیثیت سے بیان کئے ہیں کہ جس سے نسبتاً فضیلت حضرت عمر کی بقا  
 علی مرتضیٰ کے مسلم ہو کر خود زید کی فضیلت ہم رتبہ پیغمبر خدا کے قرار پا کر پیغمبر  
 اپنی فضیلت سے تنزل میں اگر مساوی زید کے ہو جائیں اور مسلمان جس دائرہ  
 میں چاہیں چلے جائیں۔

ذی علم مصنف نے زید کے حالات جن واقعات سے بیان کئے ہیں چاہئے  
 عدم ذکر روایات متعلق زید | تھا کہ اون روایتوں کو ذرا نقل کرتے تاکہ ان  
 واقعات کو ہر مسلمان دیکھ کر غور کرتا کہ وہ

روایتیں کہانتاں صحیح ہیں اور وہ واقعات کیا نوعیت رکھتے ہیں۔ اور مصنف  
 نے ان واقعات میں اسباب و علل پیدا کرنے کی کہانتاں کوشش کی ہے  
 اور واقعات کو اپنے اجتہاد کے قالب میں کہانتاں ڈھالا ہے۔ ورنہ غائر نظر  
 رکھنے والے مسلمانوں کی نگاہ میں صحت ایسے واقعات کی مشکل سے سمجھتی ہے  
 کہ جن سے یہ امر پیدا ہوتا ہو کہ پیغمبر نے اپنے ابتدائی زمانہ میں بعینہ اسی طریقہ  
 پر قدم رکھا ہے کہ جس طریقہ پر حضرت زید چلے ہیں۔ اور پیغمبر نے حضرت زید  
 کے اجتہاد کی ان موقعوں پر تقلید کی ہے۔

میرا خیال تو یہ ہے کہ ایسی روایتوں پر ایک سچا اور سچا مسلمان غور کر کے بچا  
 اٹھے گا کہ پیغمبر کی حالت واقعات کو دیکھ کر جبکہ وہ امور واقع ہو چکے ہیں حضرت  
 عمر کی فضیلت اور عزت افزائی خاندانی کے لئے وہ روایتیں وضع کی گئی ہیں اور  
 اونہیں اونہیں واقعات کو جو پیغمبر پر گزرتے تھے زید کی طرف بھی منسوب کر دیا  
 ہے۔

افسوس ہے کہ زید نے رسول اللہ کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بہت  
 پرستی کو ترک کیا اور موصوفے اور رسوم جاہلیت کو برا علانیہ کہا اور لوگوں کو



دین ابراہیمی کی ترغیب دی جس پر لوگ اوسکے دشمن ہو گئے، مگر خطاب چچا زید نے  
 زید کی حمایت حضرت عمر  
 اور اوسکے باپ نے نہ کی

اور حضرت عمر چچا زاد بھائی نے زید کی نہ کچھ  
 حمایت کی نہ اوسکے سخن پر ایمان لائے جیسے  
 کہ حضرت محمدؐ کی اوسکے چچا ابوطالب، یا امیر حمزہؓ  
 یا اوسکے چچا زاد بھائی جعفر طیار اور علی مرتضیٰ نے حمایت کی اور باتیں اوسکے  
 مسئلہ توحید کو مان کر بت پرستی اور دیگر رسوم جاہلیت کے دشمن ہو گئے۔ بلکہ  
 زید کے دشمنوں میں حضرت عمر کے والد خطاب (زید کے چچا) سب سے زیادہ سرگرم  
 تھے کہ اوسکے دشمنوں نے (خطاب) نے اس قدر اوسکو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ  
 معظمہ سے نکلا گئے اور حرامین جا رہے اور کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے  
 تھے۔

اگر خطاب چچا اور حضرت عمر چچا زاد بھائی زید کی حمایت کرتے اور اوسکے سخن پر  
 ایمان لائے تو ضرور زید کو اور اوسکے خاندان کو وہ عزت اور فخر حاصل ہو جاتا جو  
 حضرت محمدؐ اور اوسکے خاندان کو حاصل ہوا۔ بلکہ یہ عزت اور فخر پھر حضرت محمدؐ  
 اور اوسکے خاندان کو حاصل ہی نہ ہو سکتی۔

حضرت عمر اور خطاب  
 کی غلطی

خطاب اور حضرت عمر نے بڑی غلطی کی کہ اوسکے  
 اور فخر نبوت کو جو خدا نے اوسکے گھر میں نازل  
 کیا تھا اپنے خاندان میں قائم نہ ہونے دیا اور  
 ایسی بزرگ عزت اور فخر کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ اور خطاب نے ایسی شدید لعنت  
 زید کی کی جیسے ابولہب نے آنحضرتؐ کی کی، اور اپنا نام بمقابلہ زید کے اوس  
 فہرست میں اول نمبر پر لکھا نام منظور کیا جہاں ابولہب کا نام بمقابلہ حضرت محمدؐ کے  
 لکھا گیا۔



واقعہ مخالفت شدید خطاب کا زید موصد کے ساتھ لازمی نتیجہ پیدا کرتا ہے  
 کہ خطاب کو بت پرستی اور رسوم جاہلیت نہایت غریب تھے اور اوی کا اثر  
 حضرت محمد کے شانہ زید | نہایت جنگی کے ساتھ حضرت عمرؓ تھا  
 اور اوی بچہ اثر نے اونکو برا گنہ گار کیا کہ

” اول جب اسلام کی صدا اونکے قانون  
 تک پہنچی تو سخت برہم ہوئے اور جو لوگ اسلام لائے تھے اونکے دشمن بن گئے  
 اور لبنیہ کنیز اپنے خاندان کو جسے اسلام قبول کر لیا تھا مارتے مارتے تھک  
 جلتے تھے آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ خود بانی اسلام (حضرت محمد) کا قصہ پاک کر دیں  
 تو اگر کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے ” جیسا کہ یہ واقعہ خود ذی علم  
 مصنف نے بھی لکھا ہے۔ (صفحہ ۳۲)

خود زید کی غلطی | زید کی حمایت کرنے اور اونکے سنج توحید  
 کو نہ ماننے میں خطاب اون کے چچا اور حضرت عمرؓ چچا زاد بھائی کا صرف قصور نہیں  
 ہے بلکہ حضرت زید کی لیاقت کا یہی بڑا قصور ہے کہ اونہوں نے مثل  
 حضرت محمد کے موقع پایا تھا کہ اپنے چچا اور چچا زاد بھائی سے اور پھر دوسرے  
 لوگوں سے توحید کو قبول کراتے اور ترک بت پرستی اور رسوم جاہلیت اور اس  
 کے مذہب جاننے میں اپنا شریک اور اپنا متفق اور اپنا رفیق بناتے اور بعد  
 ہجرت مکہ کے تو اونکو اپنی لیاقت کے اظہار کا موقع بہت کچھ ہونا چاہیے  
 تھا جیسا کہ حضرت محمدؐ نے حیرت انگیز اپنی دانائی اور لیاقت دکھائی۔

دنیا میں گرم جوشوں کو جو دود و عدم کی حقیقت | یہ خیال کہ ”دنیا میں بہت گرم جوش لوگ پیدا  
 ہوئے ہیں اور اونکو موقع اظہار لیاقت کا نہیں ملتا اور زمانہ اوسکو ٹھنڈا کر دیتا ہے  
 غیر صحیح اور خلاف علم طبیعیات کے ہے۔ ہر شے کا دل و دماغ قانون قدرت



سفاوت اور جداگانہ مدارج کا وضع کرنا ہے اور جو بزرگ تمام جہات کے اعتبار سے فرد اکمل پیدا ہوتا ہے وہ اپنی اعلیٰ قوت سے اظہار اپنی لیاقت کے لئے خود بخود موقع پیدا کر لیتا ہے اور اپنی احسن تدبیر سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ کسی امر حزبی میں کسی کو کیسے امر کلی کے مقابلہ میں پیش کرنا سخت غلطی ہے اور پھر امر حزبیہ کے اعتبار سے امر کلیہ کے ساتھ مساوات یا ترجیح کا فقدان در خطا ہے۔

**بنی عدی کا بنی سہم کی پناہ میں جانا** | حضرت عمر کے خاندانی حالت کے ذکر پر حضرت عمر کے باپ اور اون کے تمام خاندان بنی عدی کا بنو سہم کے دامن میں پناہ لینا ذی علم مصنف یوں بیان کرتے ہیں کہ ”قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اس لئے غلبہ اونہیں کو رہتا تھا۔ عدی کے تمام خاندان نے جمیع خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی۔ عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفا، میں سکونت رکھتا تھا جب اونہوں نے بنی سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی اونہیں کے ہاتھ بیٹھ گئے، جس سے یہ ظاہر ہے کہ خطاب حضرت عمر کے باپ اور عدی کے تمام خاندان نے مکہ معظمہ کی سکونت اور بود و باش کو ترک کر دیا تھا لیکن مصنف نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ بنو سہم کی سکونت کہاں تھی؟ جنکی پناہ میں خطاب اور خاندان عدی نے پناہ لی تھی یا خطاب اور تمام خاندان بنی عدی کس جگہ اپنی بود و باش اختیار کر کے بنو سہم کی پناہ میں آ گئے تھے۔ اوس مقام کے معلوم ہونے سے حضرت عمر کی تسلیم و ترتیب کا اندازہ بخوبی ہو سکتا تھا۔ کہ مقامی سکونت کا اثر تعلیم و ترتیب پر اون اشخاص کی پڑتا ہے جہاں وہ سکونت گزین ہو ہیں۔



## ضجنان کے جنگل میں جھرت

ذی علم مصنف نے عنقریب صفحہ (۲۸)

میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ۱۲ حضرت عمر

عمر پر شہداید

سن رشتہ کو پہونچکر خطاب اونکے باپ نے اونکو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانہ تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا بیرجمی کے ساتھ اون سے سلوک کرتے تھے تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے تھے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اوسکا نام ضجنان تھا جو کہ مکہ معظمہ سے قریب مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر کا اودہر گزر ہوا تو اونکو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں ندے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا،

حضرت عمر کا اندازہ تسلیم اس تقریر ذی علم مصنف سے ظاہر و ترتیب ہے کہ خاندان عدی نے جس میں خطاب

بھی شامل تھے بنو سہم کے دامن میں پناہ لینے کے وقت اپنی بود و باش ایک گاؤں میں مثل بادیہ نشینان عرب کے اختیار کی کہ یہ بھی شعار قوم عرب کا تھا جسکو اعراب کہتے تھے۔ اور اوسے سے خواہ رخصت خطاب اور تسلیم و ترتیب حضرت عمر کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔

سخت بیرجمی کا برتاؤ خطاب جو اپنے فرزند نو جوان حضرت عمر سے کرتے تھے ایسا برتاؤ شرفار کہ کے خاندان میں کبھی نہیں پایا گیا۔

قوم عرب میں اونٹوں کے چرانے کا شعار تھا مگر انہیں اعراب میں جو سکونت



خدمت یا شغل معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن شرفارا اور سردار مکہ کے  
خاندان میں نہ ایسی خدمت کسی نے انجام دی نہ کیسے سن رشد کو ہو چنے  
ہوے اپنے فرزند کے ساتھ ایسی بیرحمی کا سلوک کیا کہ غدے کا کرتہ پہنا کر  
تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیا ہوا اور جب کبھی وہ تھک کر دم لینا چاہے  
تو اس کو خوب اپنے ہاتھ سے پیٹا ہو۔

اونٹ چرانے کا شعار عرب میں فخر کی شان دیکھا جاتا تھا یا نفرت۔ حارث ابن ہمام کے  
شعار سے جو ابن زیادہ کو لکھے ہیں ظاہر ہوتا ہے جب کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ اسے زیادہ  
کے بیٹے اگر تو مجھ سے ملے تو میں اونٹوں میں جو اپنے مالکوں سے دور ہوں  
نہیں ملونگا (یعنی میں شتر چرانے والا نہیں ہوں) اور گھوڑوں اور سواروں  
میں ملونگا اور تو مجھ کو ایسے وقت میں ملیگا کہ گھوڑا مثل اپنے سوار کے بلند  
و فراخ سینہ مجھے تیز لئے جاتا ہو۔

ذی علم مصنف نے اس واقعہ خاندانی حضرت عمر کے بیان میں کہ بنو سہم کے  
واس میں عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے پناہ  
لی علت یہ ظاہر کی ہے کہ

قبیلہ عدی اور عبد الشمس	اور قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں بد
کی عداوت	سے عداوت چلی آتی تھی اور بنو عبد الشمس

کا خاندان بڑا تھا اسلئے غلبہ او نہیں کورہتا تھا۔

عبد الشمس سگے بہائی حضرت ہاشم فرزند عبد مناف کے تھے اور حضرت محمد  
علی مرتضیٰ حضرت ہاشم کی نسل میں ہیں۔ عبد الشمس اور ہاشم میں نہایت



سعید تھے اور انکو علم مرتضیٰ سے اتنا تھا اور وہ علی مرتضیٰ کے تابع رہے اور  
حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی۔

عبدالشمس کا دوسرا بیٹا امیہ کہلاتا تھا جسکی نسبت بحث ہو کہ وہ کس قسم کا  
بیٹا تھا اور نام کے معنی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جس قسم کا بیٹا تھا۔

امیہ بنو عبدالشمس سے عدم عداوت | امیہ اور اونکی اولاد سے حضرت ہاشم  
بنو عدی کے دلائل | اور اونکی اولاد سے برابر دشمنی رہی ہی

اور حضرت عمر اور اونکے خاندان سے ان بنو عبدالشمس سے عداوت نہیں تھی  
بلکہ دوستی تھی یہاں تک کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت معاویہ  
کو گورنر شام مقرر کیا اور بڑا رکن اپنی خلافت کا اور بڑا پایہ اپنے منصوبہ کا  
کہ خلافت خاندان حضرت محمد بنو ہاشم میں جانے نہ پائے قرار دیا۔

ذی علم صنف نے جو یہ ظاہر کیا ہے کہ بنو عبدالشمس کا خاندان بڑا تھا  
ایسے اونہیں کو غلبہ رہتا تھا اور اس خاندان عبدالشمس سے مراد عاص و  
معاص اور اونکی اولاد اور ہاشم اور اونکی اولاد سمجھنا چاہئے جنکو عدی کے  
خاندان سے عداوت تھی۔ اور عبدالشمس کے بیٹے امیہ کو اس میں داخل  
نہ سمجھنا چاہئی جسکو خاندان ہاشم سے عداوت اور خاندان عدی سے دوستی تھی  
بعد وفات پیغمبر جو حضرت عمر نے ایسی فکر و تدبیر کی کہ خلافت خاندان بنی ہاشم

میں نہ رہی اور علی مرتضیٰ خلیفہ نہ قبول کئے جائیں بہت فرین قیاس ہو کہ یہ اثر  
اوسی عداوت دیرینہ کا تھا کہ جو اس خاندان سے خطاب حضرت عمر کے باپ کو  
تھی۔ اور حضرت عمر ضرور مصداق۔ الولد سرکابسیہ کے تھے۔ اور یہی

بھید تھا کہ حضرت عمر نے اپنی کمر قتل حضرت محمد پر چیت باندھی تھی۔ لیکن جب  
اونہوں نے اپنی بہن اور بہنوئی سعید کو جو بیٹے اوسے زید بن حارثہ اور بہائی کے



مسلمان پایا تو اس وقت اسلام قبول کرنیکی پالیسی اختیار کی۔ جو ایک دانا دور رس  
کو اختیار کرنی لازم تھی کہ کفر کی تائید کو لئے اونکے قریب خاندان کے ممبروں کی  
نقد اکم ہو گئی تھی اور عبد مناف کے فرزندون عبد الشمس اور حضرت ہاشم کی  
قوت اور غلبہ کا گمنا دوسرے وقت پر موقوف رکھ کر اپنے غلبہ کے لئے منتظر  
وقت رہے بمقابلہ بدلے اور اس غلبہ کے جو اون کے خاندان پر بنو عبد الشمس  
کا اور ہاشم کے خاندان کا رہا کرتا تھا اور سبکی وجہ سے اونکے خاندان نے سبھ  
کے خاندان میں پناہ لی تھی۔

حضرت عمر کا اپنی اور اپنی قدیم دوستوں کی  
دشمنوں سے بدلہ لینا

جب حضرت عمر کو بعد وفات پیغمبر ایسا  
وقت ملا کہ عبد الشمس اور ہاشم کے  
خاندان کے غلبہ کو زیر کرین تب اپنے انتظار وقت سے فائدہ پہونچایا اور  
ایسا ہی فائدہ پہونچنے کا اُمیہ کے خاندان اپنے قدیم دوستوں کو بمقابلہ او  
اور اپنے قدیم دشمنوں خاندان بنی ہاشم کے موقع دیا اور اصل سیرت جو عرب  
کی تھی جسکی پیغمبر خدا نے بہت کچھ اصلاح کی تھی اسکا عود اور ظہور ہوا۔ فاعقب  
یا اولی الابصار۔

ذی علم مصنف حضرت عمر کی ولادت اور بچپن کے حالات تحریر کرتے وقت  
بول کرتے ہیں کہ انکی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔

حضرت عمر کے بچپن کے حالات  
لا معلوم

سچ ہے جب حضرت عمر کے باپ مکہ سے  
فاصلہ پر گاؤن میں بادیہ نشین ہو چکے  
تھے تو جیسے کہ اعراب کے بچوں کی پیدائش اور بچپن کی حالت ہوتی ہے ویسی ہی  
حضرت عمر کی حالت ضرور ہوئی ہوگی۔ وہ گاؤن میں یا صحرا میں پیدا ہو سہوں  
گے اور جنگل میں اور اعراب کے لونڈوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے ہونگے۔



مصنف باوصف قبول اس بات کے کہ حضرت عمر کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں " عمرو عاص کی زبانی یہ نقل کرتے ہیں کہ " وہ چند احباب کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتاً ایک غل اوٹھا دریا سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا " اس پر مصنف یہ قیاس کرتے ہیں کہ " حضرت عمر کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی "۔

حضرت عمر کی ولادت پر شور و غلغلہ اذی علم مصنف نے یہ ظاہر نہیں کیا

کی روایت کہ عمرو بن عاص کمان جلسہ احباب میں بیٹھے ہوئے تھے اور کس جگہ سے غل پیدائش کا اونکے کان میں پہونچا تاکہ بہت کچھ موقع اس روایت کی صحت کی جانچ کا ملتا۔

عمر بن عاص وزیر اور مشیر حضرت معاویہ کے تھے اور علی مرتضیٰ سے ناامید اور ناخوش ہو کر حضرت معاویہ کے پاس چلے گئے تھے اور اونہیں کی تدبیروں سے علی مرتضیٰ کا مقابلہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ جنگ صفین میں جب حضرت معاویہ کے مغلوب ہونے کی نوبت پہونچی تو اونہیں بزرگ عمرو بن عاص کی فکر اور تدبیر سے قرآن نیزوں پر پانہ کر دیا گئے تھے کہ جس سے علی مرتضیٰ کے لشکر میں تفرقہ پڑ گیا اور جنگ اسوقت موقوف ہو گئی اور علی مرتضیٰ کی فتح مندی سے بجا مل گئی۔ بمقابلہ علی مرتضیٰ کے حضرت معاویہ خلافت کی وہی جگہ حاصل کرنا چاہتے تھے کہ جب حضرت عمر نے قدم رکھا تھا اور خاندان پیغمبر سے منصب خلافت کے کالو کی بنیاد ڈالی تھی۔

عمر بن عاص اونکے وزیر یا تدبیر کے شایان ہی تھا کہ وہ ایک مضمون شاعرانہ غزل پیدائش حضرت عمر کا بیان کریں کہ جو بنیاد شان حضرت عمر کے لئے ہوا اور جس پر



کی گئی تھی، اور مقابلہ اون صحیح روایتوں کا ہو کہ جنہیں سید الشیخ حضرت محمد اور علی رضی  
 اور اونکے بچپن کے حالات منقول ہیں جسے شہرہ آفاق ہونا اونکا اخذ کیا جاتا ہے۔  
 سن رشد کے حالات کے کم معلوم | ذی علم مصنف حضرت عمر کے سن رشد  
 ہونے کے وجوہ کے حالات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بہت

کم معلوم ہیں اور کم معلوم ہونے کی وجہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس وقت کس کو  
 خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے؟

یہ سچ ہے کہ حضرت عمر اس درجہ کے خاندان سرداروں اور مغزین  
 سے نہیں تھے جنکو نوجوانوں کے حالات اسی زمانہ میں لوگوں کو معلوم ہوتے  
 رہتے ہیں اور ہر کہ و سہ کی نگاہ اونکے حالات پر پڑتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہوئی  
 ہے کہ حضرت عمر کے ایسے حالات سن رشد کہ جس سے اونکی فضیلت کو  
 تائید ہو بالکل معلوم نہیں ہوتے اور معلوم کہاں سے ہوتے کہ درحقیقت  
 اونکا وجود ہی نہ تھا۔ ذی علم مصنف نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عمر فاروق  
 اعظم کیونکر ہو گئے یہ لقب اونکو کس نے دیا اور کیونکر حاصل ہوا؟ ہکو تو کتب  
 سیہ و احادیث یہ بتاتی ہیں کہ آنحضرت نے علی مرتضیٰ سے فرمایا تھا کہ تم حق باطل  
 میں فرق کرو گی، اصحاب کو آنحضرت نے یہ بھی فرمائی تھی کہ عنقریب میری امت  
 میں فتنہ برپا ہوگا جب وہ وقت اسے تو تم ملازمت علی کی اختیار کرنا کیونکہ وہی  
 حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہے کہ یہ لقب  
 آنحضرت نے علی مرتضیٰ کو دیا تھا پیغمبر نے حضرت عمر کو یہ لقب نہیں دیا۔



صاحب روضۃ الاجاب بحوالہ واقعہ و علامہ جریر طبری قبول کرتے ہیں کہ حضرت عمر کو اہل کتاب فاروق کے لقب سے پکارتے تھے اور مسلمانوں نے بھی انہیں کا اتباع کیا اور حکو پیغمبر سے اس بارہ میں کچھ نہیں پہنچا جس سے صریح ظاہر ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے عمر کو خلیفہ بنایا اور عہد حضرت معاویہ کا آیا تب بتقابلہ علی رضی اللہ عنہ فاروق کے عہد معاویہ کے مسلمانوں نے حضرت عمر کو فاروق اعظم کے لقب سے پکارنا شروع کیا ہے پس ذیل علم مصنف کو یہ کہنا تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر عہد حضرت معاویہ میں فاروق اعظم ہونیوالا ہے۔

سن رشد کے کچھ حالات کا ملنا | ذیل علم مصنف نے بہت تفحص اور تلاش اور اس سے پتہ تعلیم و تربیت سے کچھ حالات بہم پہنچائے ہیں اور

پہلے وہی روایت لکھی ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ وہ خطاب نے اونٹ چرانے کی خدمت حضرت عمر کے سپرد کی تھی اور وہ صحبان کے جنگل میں ندے کا گرتہ پہنے اونٹ چراتے پھرتے تھے اور ان کے باپ سخت بیرحمی سے پیش آتے تھے کہ جب وہ تھک کر دم لینا چاہتے تو والد بزرگوار کے ہاتھ سے پیٹے جاتے تھے۔ یہ واقعہ سچ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر نے اسکی تصدیق کی ہے اور اسکی صداقت پر وہ واقعہ یقین دلاتا ہے جو تحقیقی ہے کہ فائدان عدی نے جہین خطا شامل تھی بنو عبد الشمس کی عداوت کی وجہ سے بنو سہم کے دامن میں پناہ لی تھی اور مکہ کے اپنے مکانات بیچ ڈالے تھے۔ مگر اس روایت سے حضرت عمر اور ان کے باپ کی سیرت اور تعلیم و تربیت انھیں اعراب کی سی ظاہر ہوتی ہے کہ جو لوگ عرب کے دیہات میں سکونت گزین یا بادین نشین تھے جنکو عرب

صحرائی بھی کہتے ہیں مگر حضرت عمر کے تشریفانہ مشغولوں کی کیفیت جو عرب میں معمول ہے تھی | ذی علم مصنف بر خلاف اسکے حضرت عمر کا



ان سرہیاء۔ مکتوب میں رہا و عطا پائے ہیں۔ سرکارِ عرب کو  
اور لازمہ شرافت ظاہر کرتے ہیں اور ان شریفانہ مشغولوں کو۔ نسب انہی  
سپہبازی، پہلوانی اور مقرری پر محدود کرتے ہیں اور انھیں چیزوں میں  
حضرت عمر کی تعلیم و تربیت بیان کی ہے۔

افسوس ہے کہ اخلاقی تعلیم و تربیت کا ذکر جو دراصل لازمہ شرافت  
ہی ذیل علم مصنف نے متروک کیا ہے۔

ہر ملک میں ہر زمانہ میں تین طبعتوں کے لوگ ہوتے رہے ہیں۔  
اعلیٰ۔ متوسط اور ادنیٰ۔ اور یہی حالت ملک عرب کی تھی۔ اور ہر طبقہ  
کے لئے وہ مشاغل محدود وہ عرب میں نہ معمول بہ تھے نہ لازمہ شرافت  
ان پر محدود تھا البتہ اخلاقی تعلیم و تربیت ہر طبقہ کے لئے ضروری تھی  
اور وہی لازمہ شرافت تھا۔ الشرافت بالعلم والادب لا بالمال والنسب۔  
جیسا کہ علی مرتضیٰ نے فرمایا ہے۔ اور اسی تعلیم و تربیت کا رواج اعلیٰ درجہ کے  
خاندان عرب میں تھا۔ جس سے سیرت انسانی ٹھیک ہو جاتی تھی۔ اور  
یہی چیز اعراب میں نہیں تھی بلکہ اسکے خلاف تھی جیسا کہ خدا سیرت اعراب  
کی خبر دیتا ہے۔ الاعراب اشد کفر و نفاقاً، لیکن علم و ادب و شجاعت و فصاحت  
و بلاغت کے اوصاف اسی کسی شخص کے برتر و اعلیٰ ہوتے ہیں جسکی طبیعت  
اسکے لئے موزون ہو اور قانون قدرت نے جسکا دل و دماغ ان اوصاف  
کے لئے وضع کیا ہو اور ویسا ہی مادہ اسکی طبیعت اور فطرت میں دیتا  
کیا ہو۔

یہ اوصاف کسی قدر کسب ذریعہ سے حاصل ہو جاتے ہیں مگر قدرتی  
شان کے مقابلہ میں کسی شان کے اوصاف ہمیشہ ہم آغوش عجز ہوتے



تھے اور کبھی رتبہٴ افضلیت اور اعلیٰیت کا نہیں پاتے تھے۔

اگر حضرت عمرؓ ان مشاغل محدودہ میں کامیاب بھی ہو گئے تو محض ان اسباب سے وہ درجہٴ افضلیت اور اعلیٰیت کا اپنے ہم عصرون پر نہ پاسکتے تھے اور نہ پایا۔ خود انھیں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے لئے ابو بکر کو افضل قبول کیا۔ وہ حضرت ابو بکرؓ جنھوں نے علانیہ لوگوں کے سامنے فرمایا کہ ”مجھے اقالہ بیعت کا کرو جبکہ درمیان تمھارے تمھارا بہتر علی موجود ہے“ جبکہ نتیجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے مقبولہٴ افضل نے علیؓ رضی کو افضل الناس بعد رسولؐ کہا اور خود حضرت عمرؓ نے (جبکہ علیؓ رضی ان کو راہ صواب دکھاتے تھے اور خطا سے بچاتے تھے) ستر و بردایت بہتر مرتبہ فرمایا کہ ”لو لا علی لہامک عمر“ اگر علیؓ نہ ہوتے تو ہلاک ہو جاتا عمرؓ۔

### حضرت عمر اور فن نسب دانی کا فن اگر حضرت عمرؓ کے

خاندان میں موروثی چلا آتا تھا اور حضرت عمرؓ نے بھی وہ فن بذریعہ ارشاد کے پایا تو یہ بات کسی فخر اور تفوق کی نہیں ہو سکتی تھی۔ عرب میں اکثر خاندان ایسے تھے جو اس فن میں پوری مہارت رکھتے تھے۔

ذیل علم مصنف نے حضرت عمرؓ کے فن نسب دانی کو بہت ڈھونڈ ڈھونڈ کر ظاہر کیا ہے جسکی مسلمانوں میں عموماً شہرت نہیں ہے۔ خاندان بنی ہاشم میں اسی زمانہ میں عقیل بن ابی طالب ماہر انساب عرب ایسا نامور گذرا ہے جسکی شہرت ہزاروں مسلمانوں میں اسوقت تک زبان زد ہے۔ اور عرب میں نسب کا خیال ایسا متخیل تھا کہ انسانوں سے گذر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے چنانچہ ذیل علم مصنف نے خود صفحہ (۳۱) میں لکھا ہے کہ ”بچہ بچہ اپنا با واجداد کے نام اور ان کے رشتے ناتے



گھڑوں اور اونٹوں کے نسب نامہ محفوظ رکھے جاتے تھے۔

ایسی حالتیں ملک عرب میں نسب کے فن میں مہارت کا پیدا ہونا باعث اسکا نہیں ہو سکتا کہ اسکا ذکر فخر کے ساتھ کیا جائے جبکہ ہر اعلیٰ و ادنیٰ ملک عرب کا اس فن کا شوق رکھتا تھا جسکا انجام یہ ہوا کہ یہ فن خدمت کی شان سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے ہاتھ میں رہ گیا۔

**ہندوستان میں خدمت** | جب عرب کی نسلیں خصوصاً سادات  
**نسب دانی** | بنی فاطمہ اصل سرداران قوم عرب

ہندوستان میں آئے تو انھوں نے اس خدمت کو نہایت کم درجہ لوگوں کے ذمہ کر دیا جسکا نشان اس وقت تک ہندوستان میں مثل سادات بارہا و قصبہ احمدیہ و سرسی ضلع مراد آباد کے موجود ہے۔ یعنی نسب دانی کی خدمت سیراثیوں اور بھاٹوں کے سپرد کر دی گئی جن کو نساب کہتے ہیں۔

اگر فن نسب دانی کوئی فخر کے قابل بات ہوتی تو سادات قوم عرب اس فن کو ایسے کم درجہ لوگوں کے سپرد نہ کرتے۔ پہلوانی اور کشتی کے فن میں ذی علم مصنف نے حضرت عمر کی نسبت بیان کیا ہے کہ ”عکاظ کے ذنگل میں معرکہ کی کشتیاں لڑتے تھے“ اور قیاس کیا ہے کہ ”حضرت عمر نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔“

**فن پہلوانی** | ہم حضرت عمر کی پہلوانی اور کشتی کے فن میں کمال حاصل کرنے اور انکی شہسوار کی بابت جسکی نسبت ذی علم مصنف نے کہا کہ ”انکا کمال عموماً

مسلم ہے“ صرف اسقدر کہنا چاہتے ہیں کہ ان فنون میں حضرت عمر کا کمال



جہان جہان بڑی بڑی معرکہ آرا نیاں اور جنگ و جدلی واقع ہوئی وہاں حضرت  
 عمرؓ نے ہمیشہ میدان جنگ کو چھوڑ دیا اور میدان سے جدا ہو جانے کو ذریعہ  
 جان کی حفاظت کا لے کر دانا جسر تمام تاریخین اسلام کی بالاتفاق گواہی دے  
 رہی ہیں۔

بر خلاف اسکے علیؓ رضی کی حالت اور شان ظاہر ہوئی ہے کہ سیکڑوں  
 شجاعان عرب کو جنھوں نے قتل کیا اور خود بھی معرکوں میں زخم کھائی کوئی  
 قبیلہ عرب میں باقی نہ تھا جس کا نام اور ممبران کے ہاتھ سے مقابلہ میں قتل نہ ہوا ہو  
 اور میدان جنگ میں ہمیشہ جمے رہے جسکی مثال خدا نے قرآن میں دی ہے۔  
 جیسے سیسہ پلائی ہوئی بنیاد "کافہم بنیان مرصوص"

اگر پھلوانی اور کشتی اور شہسواروں میں جیسا ذی علم مصنف قیاس کرے  
 ہیں حضرت عمرؓ کو کمال تھا تو انھوں نے عہد پیغمبرؐ میں کسی موقع پر یا اپنے زمانہ خلافت  
 میں اپنی ذات سے وہ کمال کیوں نہیں دکھایا یا ان ایسی حالت میں یہ قیاس  
 کیا جاسکتا ہے کہ وہ محبت اسلام و انس پیغمبرؐ سے اپنی جان کی حفاظت مقدم  
 سمجھتے تھے نہ ہر جاے مرکب تو ان تاختن کہ جا با سپر باید انداختن  
**خندق میں حضرت عمرؓ کی**  
**پہلوانی**  
 غزوہ خندق میں بیس چکیں روز مسلمان  
 محصور تھے اور دشمنوں کو یہ جوش و خروش تھا

کہ عمر بن عبدود دھڑا اگدا کر آیا اور چند بار مبارز طلب کیا۔ تو پیغمبرؐ نے چند بار اپنے اصحاب  
 کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ "کوئی ایسا ہے جو اسکے شر سے بچاؤ" کسی نے کچھ جواب  
 نہ دیا اور ایسی حالت تھی کہ جیسے ان کے سروں پر جانور بیٹھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے  
 یہ بولی کہ ایک مرتبہ ہم اس شخص کے ساتھ قافلہ میں تھے کہ ایک ہزار قرآنوں کی قافلہ پر حملہ کیا اس شخص



ہمارے دلون میں بھیجی ہوئی ہو مگر علی مرتضیٰ ہر مرتبہ پیغمبر کے اس فرمانے پر آمادہ حرب ہوتے تھے لیکن پیغمبر ان کو روکتے تھے۔ آخر کار جب کوئی عمر ابن عبدود سے مقابلہ کے لئے نہ نکلا تو علی کو پیغمبر نے اجازت دی اور علی مرتضیٰ نے اس کے ہاتھ سے زخمی ہو کر اسکو قتل کیا۔

اگر حضرت عمر کو سپہگری پہلوانی اور شہسواری میں کمال تھا تو کیا وجہ ہے کہ نہ تو اسوقت عمر ابن عبدود کے مقابلہ کے لئے نکلے حالانکہ علی مرتضیٰ کو دیکھ کر اسنے خود حضرت عمر کو خاصتہ کہا تھا کہ وہ حضرت کیون جنگ کو نہیں آتی اور نہ جسوقت کہ قزاقون نے حملہ کیا تھا اسوقت انھون نے قزاقون کا مقابلہ کیا۔ اور عمر عبدود کی طرح اسوقت اور علی مرتضیٰ کی طرح اسوقت سپہگری پہلوانی اور شہسواری کے کچھ جوہر نہ دکھائے۔ !!

ضرار ابن خطاب کے مقابلہ میں  
حضرت عمر ابن الخطاب کی سپہگری

یا جسوقت کہ علی مرتضیٰ نے ابن عبدود کو قتل کر کے اس کے ساتھیوں کی طرح رنج کیا ہو اور بھانے والون میں ضرار ابن خطاب کے قتل کے لئے خود حضرت عمر اس کے پیچھے ہوئے تھے جیسا کہ صاحب تاریخ خمیس و صاحب زوالہ الخفا و دیگر مورخین اسلام نے لکھا ہو تو کیون اس کے نیزہ کا چرکہ کھا کر اور بقول اُس کے وہ نیزہ کا گھاؤ ہمیشہ کے لئے ایک نعمت خوشگوار اسکی طرف سے یادگار لیکر گرد جھکائے واپس چل آئے اور کیون اپنے فن پہلوانی اور شتی اور سپہگری کی ایسے شخص کے مقابلہ میں بھی جیتی نہ دکھائی۔

عکاظ کے دن گل میں  
قواعد

عکاظ کے دن گل یا کسی تسلیم گاہ عرب کی تسلیم کا فخر اسی وقت شایان ہو سکتا ہے

روضة الصفا

مطبوعہ دارالحدیث لاہور



سیوف ظاہر ہوا ہو۔ قوم عرب کی طبیعت میں مفاخرت اور منافرت تھی۔ جو کوئی جس کسی ونگل یا تعلیم گاہ میں شریک ہوتا تھا دوسرے لوگ مفاخرت اور منافرت کا لحاظ رکھ کر اُس پر نظر ڈالتے تھے کہ یہ کس درجہ کا ہے۔ اور اُسکے ساتھ اُسی درجہ کا لحاظ رکھتے تھے جس درجہ کا وہ ہوتا تھا۔

**خولہ بنت حکیم کا حضرت عمر سے مکالمہ**

حضرت عمرؓ جس زمانہ میں مسند آراے خلافت تھے اُس زمانہ میں ایک مرتبہ

خولہ بنت حکیم حضرت عمرؓ کو ملی۔ حضرت عمرؓ نے خود اُسکو سلام کیا۔ اُس نے جواب میں کہا کہ ای عمر کچھ اور کہہ میں تجھے پہچانتی ہوں۔ میرا نام عکاظ کے بازار میں عمیر تھا اور تھوڑے دنوں بعد تجھے عمر کہنے لگے اور اب بہت عرصہ نہیں ہوا کہ تو امیر المومنین کہلانے لگا۔

خولہ بنت حکیم مشاطہ گری کا پیشہ رکھتی تھی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ عربی النسل تھی مگر ایسے پیشہ ورون کو ہر ایک کے حسب نسب اور شرف و منزلت سے آگاہ ہونا بلحاظ فرائض پیشہ کے ضروری امر ہوتا تھا۔ جیسے وہ حضرت عمرؓ کو پہچانتی تھی ویسے ہی حضرت عمرؓ کو پہچانتے تھے اور اُس کا یہ ادب کیا کہ سبقت سلام کی اُس پر کی اس خوف سے کہ خود نہ بول اُٹھے لیکن تو بھی وہ جواب دینے سے نہ چوکی اور آہستہ آہستہ جو انکی تعظیم نام اور لقب ہوئی اُسکو ظاہر ہی کر دیا۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ جو زمانہ حضرت عمرؓ کے ابتداء میں کا تھا جبکہ وہ عکاظ کے ونگل میں گشتی لڑا کرتے تھے اُس زمانہ میں حضرت عمرؓ کا نام عمیر صبیغہ تحقیر سے ضرور لیا جاتا تھا کہ جو آخر کار بازار عکاظ میں آشکارا ہوا۔ اور جس سے بخوبی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت عمرؓ کس درجہ



مفاخرت اور منافرت سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت عمر کے فن مقررۃ اور  
منصب سفارت کی حقیقت

بہان فن مقررۃ کے وقت حضرت عمر کی نسبت ذی علم مصنف قبول کرتے ہیں کہ قوت تقریر کی نسبت کوئی مصرح شہادت موجود نہیں ہے مگر ذی علم مصنف یہ قیاس کرتے ہیں کہ قریش نے ان کو سفارت کا منصب یا تھا اور یہ منصب اس شخص کو مل سکتا تھا کہ جو تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

ذی علم مصنف سے اس قیاس میں سخت غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے منصب سفارت کو ذریعہ قوت تقریر کا گردانا ہے حالانکہ قوت تقریر جس کسی کے لئے قوم اس کے عہد میں قبول کر لے اس کو منصب خطابت کا دیا جانا قبول ہو سکتا ہے اس لئے کہ خطیب وہ ہو سکتا ہے جو اپنے دل اور دماغ سے تقریر کو پیدا کرے اور اس کے لئے ضرور ہے کہ صانع حقیقی نے دل اور دماغ اس قسم کا دماغ کیا ہو اور اس شخص نے ہر طرح کے علوم میں دستگاہی پیدا کی ہو۔

منصب سفارت کی شان اس کے خلاف ہے۔ سفیر کا کام صرف یہ ہے کہ جو معاملہ بطور پیغام پہنچانے کے سپرد کیا جائے اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا کر دے جو اس کو بتائے گئے ہوں۔

سفارت کا منصب کسی کو حاصل ہونے سے یہ قیاس ضرور کیا جائیگا کہ وہ گونا گونا گوں ہے۔ ہمیشہ زمانہ نے تجربہ سے یہ دکھا دیا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں قوت تحریر اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے مگر قوت تقریر نہیں ہوتی۔

بعض دل اور دماغ ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں قوت تحریر و قوت تقریر دونوں اعلیٰ درجہ



کی ہوتی ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں نہ قوت تحریر ہوتی ہے نہ قوت  
تقریر۔ اور ایسی قوتوں کے وجود میں وضع و مانع کا بہت اثر ہوتا ہے۔  
ایسی حالتیں حضرت عمر کی نسبت محض منصب ساریت کی وجہ سے وصف  
قوت تقریر کا قیاس صحیح نہیں ہے جبکہ یہ قبول ہے کہ وہ قوت تقریر کی واسطے  
کوئی شہادت موجود نہیں ہے اگر یہ وصف بھی او نہیں ہوتا تو جس طرح بیان  
منصب سفارت کا صحیح یا غیر صحیح یا بہ تبدیل نوعیت کیا گیا اور انکی قوت  
تقریر کا زمانہ قابل ہوتا۔ جیسا کہ زمانہ نے اوسے عہد میں مان لیا تھا اور  
مانتا چلا آتا ہے کہ علم مرتضیٰ سے زیادہ کوئی نصیح و بلیغ اور تقریر کرنے  
کرنے والا نہیں تھا۔

حضرت عمر کے مذاق شاعرانہ | ذی علم مصنف نے جہاں عکاظ کو  
کی حقیقت کشتی کا دنگل بیان کیا ہے وہاں  
یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ۔ عکاظ کے سالانہ میلے میں تمام اہل فن جمع ہو کر انہی  
کلمات کے جوہر دکھلاتے تھے اور چار شاعروں کا نام لیکر بتاتے  
ہیں کہ وہ اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے جنکو شاعری اور ملکہ تقریر میں  
تمام عرب مانتا تھا اور پھر حضرت عمر کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ نہایت  
عمدہ مذاق شاعری رکھتے تھے اور مشہور شعراء کے چیدہ اشعار یاد تھے اور یہ قیاس کرتے ہیں کہ وہ یہ مذاق اونہوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ  
کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہوگا۔ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال  
میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی پسند ان پسند کرتے  
تھے



سے اونہوں نے کوئی فائدہ معتد بہ حاصل کیا ہوتا تو اونکی جی اس مذاق اور  
 فن میں ایسی ہی شہرت ہوتی جیسی دوسرے شعرا کی ذی علم مصنف نے تخصیص کی ہے۔ اور  
 درجہ پر آیام جاہلیت میں شاعر کا کلام جو سب سے معلقہ کے نام سے مشہور ہے اور ان  
 تھا ویسے ہی جاہلیت میں حضرت عمر کا کلام بھی غانہ کعبہ درواری پر لٹکا ہوا یا وہ بھی منجملہ  
 ان شعرا کے ایک تھی جن کا کلام سب سے معلقہ کے نام سے آؤ زبان ہوا تھا اور نہ اسلام لائے بعد  
 اشغال مذہبی میں اس درجہ محو ہو جانا پایا جاتا ہے کہ وہ شاعرانہ چرچے ناپسند کرتے ہوں  
 ۔ نہ مذہب اسلام میں محویت مانع اس قسم کے چرچوں کی تھی نہ ہو سکتی تھی  
 اشغال مذہبی غم پیغمبر میں دو ہی قسم کے تھے ایک رواج مذہب اسلام  
 میں پیغمبر کا ناصر و مدین ہونا ۔ دوسرے عبادت خدا سے واحد میں زیادہ وقت  
 صرف کرنا ۔ سوا انہیں دونوں امر میں نہ تاریخی واقعات ایسے موجود ہیں  
 نہ قرآن ایسی شہادت دیتا ہے جن کا یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ حضرت عمر کو اشغال  
 مذہبی میں کس درجہ محویت ہو گئی تھی ۔

ہاں تاریخی واقعات اور قرآن علی مرتضیٰ کی نسبت بے شک گواہی دیتی  
 ہیں کہ وہ اشغال مذہبی میں کیا نصرت پیغمبر رواج دین اسلام میں اور کیا عباد  
 خدا سے واحد میں محو ہو گئے تھے اور کوئی بنفس زندگی انکا انہیں اشغال سے  
 خالی نہیں ہوتا تھا ۔ اور تمام اوقات اون کی عمر کے انہیں مشاغل میں صرف  
 ہوئے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ۔

حضرت عمر کا عکاظ کی یونیورسٹی میں بتسلیم پانا کو کسی حیثیت اور نوعیت

سے تسلیم کرنا حاد ہے وہ رتہ فخر کا بمقابلہ اس کسی کے سیطرہ میں نہیں کہہ سکتا



جس نے پیغمبر کی گود اور پیغمبر کے گھر میں جو گھر قدیم سے امرار قریش کا تھا تسلیم اور  
 تربیت پائی ہو اور ایسی تعلیم و تربیت سے جس سے یکونفر حاصل ہوا ہو۔ اور  
 اس تسلیم و تربیت کا فخر مسلمان کے دل پر نقش ہو۔ اور اس کے مقابلہ میں کچھ  
 روایتوں سے جنگی قطعی صحت نہ تو تعلیم و تربیت حضرت عمر کا عکاس کے ذمہ  
 اور تسلیم گاہ سے قیاسی فخر پیدا کر کے اس زمانہ کے مسلمانوں کے سامنے پیش  
 کرنا نقش بر آبی ہے۔

حضرت عمر کی تجارتی معاش | ذی علم مصنف حضرت عمر کا فنون سے

فارغ ہو کر فکر معاش میں مصروفیت کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ ”عرب میں معاش  
 کا ذریعہ زیادہ تر تجارت کا تھا اور انہوں نے یہی شغل اختیار کیا اور یہی  
 شغل ان کی بڑی ترقیوں کا سبب ہوا۔ تجارت کی عرض سے دور دور ملکوں  
 میں جاتے تھے۔ بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے۔ خود داری، طلبہ  
 حوصلگی تجربہ کاری معاملہ دانی کے اوصاف اسلام لانے سے قبل پیدا ہو  
 تھے۔ ان سفروں کے حالات نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہو گئے۔ لیکن  
 کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی۔ علامہ مسعودی نے مروج الذهب  
 میں لکھا ہے کہ عمر بن خطاب نے عراق و شام میں سفر کئے عرب و رجم کے  
 بادشاہوں سے ملے۔ اس کے متعلق واقعات کتاب اخبار الزمان اور  
 کتاب الاوسط میں لکھے ہیں، مگر خود ہی ذی علم مصنف یہ کہتے ہیں کہ ”  
 وہ کتابیں ناپید ہو چکی ہیں۔“ قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چہاں مارے  
 لیکن کچھ کامیابی نہ ملی۔ محدث بن عساکر نے تاریخ دمشق میں حضرت عمر کے  
 سفر کے کچھ واقعات لکھے ہیں میری نگاہ سے گزرے اور ان میں کوئی دوسری  
 نہیں ہے۔“



اس امر پر کہ حضرت عمرؓ نے ذاتی حیثیت سے تجارت اختیار کی تھی یا وہ اپنی ذاتی تجارت کی غرض سے سفر کرتے تھے یقین یا اطمینان ہونا بہت دشوار ہے۔

صاحب حیاۃ الحيوان و تمیزی لکھتے ہیں کہ ۱۰ ابو بکر صدیقؓ اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ بناز تھے اور حضرت عمرؓ دلال تھے درمیان بائع اور مشتری کے کوشش کرتے تھے۔

دلالی کا پیشہ درمیان بائع اور مشتری کے جن کا تعلق دوکانداروں اور خریداروں سے ہوتا ہی معیوب اور ادنیٰ درجہ کا سمجھا گیا ہی اسی دلالی کو تقریر کی تعلی سے تجارت قرار دیا گیا ہے۔

مین ذی علم مصنف کے اس قیاس سے بھی متفق نہیں ہو سکتا کہ ۱۰ حضرت عمرؓ کے سفر دن کے حالات نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہونگے ۱۰ ذی علم مصنف خود قبول کرتے ہیں کہ ۱۰ مورخون نے آپؓ کو جہہ نہیں کی ۱۰ جس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ مورخین نے آنکو دلچسپ و نتیجہ خیز نہ سمجھا قابل تو جہہ کے نہ جانا علامہ سعودی نے مروج الذهب میں جن دو کتابوں میں حضرت عمرؓ کے واقعات کا ذکر کیا ہے اور جن کتابوں کی نسبت ذی علم مصنف کو خیال گذرا ہے کہ ۱۰ ان میں وہ دلچسپ و نتیجہ خیز حالات ہونگے ۱۰ یہ ذی علم مصنف کا صرف شبہہ ہی شبہہ ہے کہ جس شبہہ نے ان کو قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں کے چھان باری میں بہت تکلیف دی۔ ورنہ درحقیقت ان کتابوں میں بھی وہی سادہ واقعات ہونگے جو محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھے ہیں اور جو ذی علم مصنف کی نگاہ سے گزرے ہیں اور جسکی نسبت وہ یہ رائے دیتے ہیں کہ ۱۰ ان میں کوئی دلچسپی نہیں ۱۰ اور اس رائے سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان مورخوں نے

حکایت عمرؓ کی حقیقت



ہی (جن کی نسبت ذی علم مصنف یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے توجہ نہیں کی) [واصل اُن واقعات سفر پر توجہ کر کے اُنکو عمدہ ترک کر دیا ہے کہ وہ واقعات دلچسپ اور نتیجہ خیز نہیں تھے۔ بلکہ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اُن واقعات سے نقص کسی وصف حضرت عمر کا ہوتا تھا اس لئے اُن مؤرخین نے اُن کو عمدہ ترک کیا۔ اور ہمارے ان ذی علم مصنف نے بھی اپنے مذاق کے موافق اُن کو دلچسپ نہ سمجھ کر چھوڑا۔]

لیکن حضرت عمر کے مطلق سفر کرنے سے انکار نہیں ہو سکتا گو وہ کسی غرض سے ہو اور گو اُسکے حالات سے کسی قسم کا نتیجہ نکلتا ہو اور یہ امر تسلیم کر لینے کے قابل ہے کہ وہ عراق اور شام کے سفرون اور عرب و عجم کے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہونے سے تجربہ کار اور جہاں دیدہ ہو گئے تھے اور اُن کے دماغ نے ایسا مادہ اخذ کر لیا تھا کہ اپنی حفاظت اور یہودی اور ترقی کی گو وہ کوئی نوعیت رکھے تدبیرون میں کامیابی حاصل کرتے چلے جائیں۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے جیسا کہ ذی علم مصنف نے کہا ہے کہ ”یہی شغل اُن کی بڑی ترقیوں کا سبب ہوا“

بعد اوقات پیغمبرؐ کہ منور لاش پیغمبرؐ کی دفن نہیں ہوئی تھی سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچا اور موقع غیر حاضری علی مرتضیٰ کا پا کر کہ وہ تجہیز و تکفین پیغمبرؐ مصروف تھے قدیمی امارت اور بادشاہت کو خاندان پیغمبرؐ سے نکالا اور علی مرتضیٰ کو جانشین پیغمبرؐ کا رتبہ دیا اور ابتداءً خود خلافت کو قبول نکلیا اس اندیشہ سے کہ علی مرتضیٰ کی طرف سے نہ معلوم کیا آفت برپا ہو اور وہ حضرت ابو بکرؓ سے جدید خلیفہ کے سر پر رہے اور خود اس صدمہ و آفت سے محفوظ رہیں۔ اور یہ سمجھ لیا کہ حضرت ابو بکرؓ رسیہ ضعیف القوی شخص ہیں اُنکے ہمہ دین زمام حکومت



لئے اختلاف نہ کر سکیں گے اور احسان کی جزا احسان سے کرینگے۔

چنانچہ انھیں فکروں اور تدبیروں کا نتیجہ حضرت عمر کی کامیابی کے لئے  
ہوا اور ذیلم مصنف نے یہ سچ کہا ہی کہ وہ شغل انکی بہت بڑی ترقی کا سبب  
ہوا اور میں بھی حضرت عمر کی ان چالاک فکروں اور ہوشیار تدبیر کی داد دیتا ہوں۔  
حضرت عمر کا واقعہ قبول **اسلام** ذیلم مصنف حضرت عمر کے قبول اسلام  
کے قصہ لکھتے وقت قبول کرتے

ہیں کہ حضرت عمر کا ستائیسواں سال تھا کہ رسول صلعم مبعوث ہوئے اور اسلام  
کی صدا بلند ہوئی اور یہ بھی ذیلم مصنف تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر مسلمانوں  
کے دشمن ہو گئے اور جب انکی زد و ضرب سے (جس پر پوپایا) کوئی اسلام سے  
برگشتہ نہ ہوا تو خود بائی اسلام کا قصہ پاک کر دینے کے لئے تلوار کمر سے لگا کر سید  
رسول اللہ کی طرف چلے۔ راہ میں بہن اور بہنوئی کے مسلمان ہو جانے کی خبر پا کر  
ان کے گھر گئے اور بہن اور بہنوئی کو خوب مارا اور پیٹا تاکہ وہ اسلام پر قائم نہ رہیں  
لیکن جب انھوں نے کسی طرح اسلام سے برگشتہ ہونا قبول نہ کیا تب بعض آیات  
قرآنی سن کر مسلمان ہو گئے اور پیغمبر کے پاس پہنچ کر اپنا ایمان ظاہر کیا۔

ہم کو اس واقعہ سے کچھ اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اس تمام واقعہ سے حضرت  
عمر کی شجوبہ کاری اور ہوشمندی پر نظر رکھ کے جو قیاس صحیح پیدا ہوتا ہے اس کے ظاہر  
کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔

**حضرت عمر کے مسلمان ہونے کی حقیقت**

یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ حضرت کے دل  
میں شدت کفر اور دشمنی پیغمبر اور مسلمانوں

کی اس درجہ تہمتی کہ وہ خود پیغمبر کا تلوار سے قصہ فیصلہ کرنے پر راغب نہ ہو کہ حل



اور یہ بھی تسلیم ہو چکا ہے کہ خود داری اور بلند حوصلگی اور تجربہ کاری اور معاملہ فہمی  
سفر و تجارت کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ میں پیدا ہو چکی تھی۔

اسی خود داری اور بلند حوصلگی نے انکو صریح ہی کہ اس بات پر آمادہ کیا  
کہ امارت قریش کے سردار کا کہ جو کل قوم عرب کی اصلاح کا دعویٰ کرتا ہے اور  
جس کا نتیجہ کل پر امیر ہو جانے کا اور کل قوم کو بلکہ کل جہان کو اپنا مطیع بنانا چاہتا  
ہے۔ فیصلہ کر دوں تو قریش بھی کو امیر قبول کر لینگے کہ اس وقت سوائے چند  
مسلمانوں کے کل قوم قریش اور کل قوم عرب دشمن جانی پیغمبرؐ کی تھی اور  
جس خاندان امارت میں ایسا دشمن قوم عرب کا ہی اس کے قتل ہونے کے بعد قریش یا  
قوم عرب اس خاندان سے ہرگز کسی کو امیر عرش مانیں گے۔ بلکہ اس کے قاتل کو فخر  
اپنا امیر بنائیں گے۔ لیکن جیسا راہ میں ۱۱ واقعہ غیر متوقعہ ان کو نظر آیا کہ خود انکی  
غریز خاندان والے بھی ایسے پختہ مسلمان ہو گئے ہیں کہ وہ کسی حالت میں اسلام کو  
ترک نہ کر سکیں گے اور اسی سے انھوں نے سمجھ لیا کہ مذہب اسلام ایسی شے ہے کہ  
وہ ضرور افضلیت حاصل کر کے مسلمانوں کو اعلیٰ ترقی اور بہبودی پر پہنچا دیگا۔  
وہیں سے حضرت عمرؓ نے اپنی پالیسی پٹی کہ بجائے اس کے کہ بائی اسلام امیر قریش  
کو قتل کریں خود اپنا ان کے زیر فرمان اور ان کے ساتھ متفق ہونا پسند کیا تا کہ  
وہی ذریعہ اپنی ترقی کا ہو۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کی حالت اس ارشاد  
رسولؐ سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ جو آنحضرتؐ نے اس وقت فرمایا ہے جبکہ حضرت  
عمرؓ پیغمبرؐ کے سامنے گئے ہیں اور اس ارشاد پیغمبرؐ کو سن کر ہی حضرت عمرؓ نے کلمہ  
شہادت پڑھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب عمرؓ عمر آنحضرتؐ کے سامنے آئے تو حضرت  
نے فرمایا کہ ۱۲

انت بدنتہ یا عمر حتی یانزل اللہ مک نہیں ہی تو انتہا کیا گیا اسے عمر بیان تک



عن ابی ہریرۃ قال قال عمر شہدان لا الہ الا اللہ واناک عبد اللہ ورسولہ

کہ مارے کر کے اللہ میرے خوار کی  
رسوائی اور عقوبت سے جو کچھ کہ نازل کیا  
اللہ نے ولید بن المغیرہ کے لئے پس حضرت  
عمر نے کلمہ شہادت پڑھا،

اور مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے

ولا تطع کل خلافت مہین بہانہ مشام

متاع للخیر معتدا نیم۔ غتل بعد ذلک ز نیم  
ان کان ذامال ونباین۔

ترجمہ اطاعت مت کر کسی دروغ گو  
کھانیوالے خوار کی، عیب کر نیوالے اور  
سخن چینی کی طرف جانے والے کی، باز  
رکھنے والے کی خیر سے اور تعدی کر نیوالے  
بد کردار کی، درشت جفا کار، حرام زادہ کی  
اگرچہ وہ صاحب مال اور بیٹوں والا ہو۔

ارشاد پیغمبر کو سنکر جو حضرت عمر نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اس واقعہ سے زیادہ کوئی  
امر وجہ انکی حالت اسلام قبول کرنے کی ظاہر نہیں کر سکتا۔

حضرت عمر کی وجہ سے علانیم ذیل مصنف حضرت عمر کے اسلام قبول  
ادائے فرائض کی حقیقت کرنے کے بعد جسکو وہ سنہ نبوی کے

پچھٹے سال کا واقعہ ظاہر کرتے ہیں تاریخ اسلام میں نئے و در کا شروع ہونا  
ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لائے  
تھے عرب کے مشہور بہادر سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان  
اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل  
ناممکن تھا۔



جماعت کے ساتھ انھوں نے کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشام سے یہ روایت  
 لیٹے ہیں کہ جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز  
 پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔

یہ امر کہ پیغمبر یا مسلمان حضرت عمر کے اسلام لانے سے قبل علانیہ فرائض  
 مذہبی ادا نہیں کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا ناممکن تھا، صحیح نہیں ہے۔  
 کتب تواریخ و سیر سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پیغمبر نے خدا کی عبادت  
 کبھی چھپ کر نہیں کی۔ وہ شروع سے ہی خدا کی عبادت علانیہ کرتے رہے  
 اور سجدہ کی وقت اُن کو اذیتیں پہنچی ہیں کہ کسی نے حضرت کی پشت مبارک پر  
 اونٹ کا اونچا اور کھدیا اور کسی نے حضرت کے گلوے مبارک میں چادر ڈال کر  
 گھسیٹا۔

شروع زمانہ اسلام کے  
 متعلق ایک روایت  
 حضرت عباس کے ایک دوست نے  
 جس وقت جدید طریقہ نماز کو دیکھا وہ  
 وہ وقت تھا کہ پیغمبر آگے اور ایک عورت اور ایک لڑکا پیچھے نماز پڑھ رہے  
 تھے حضرت عباس نے جب ان کے دوست نے اُن سے پوچھا تو بتایا کہ یہ  
 اگلا شخص میرا بھتیجہ ہے جو دعویٰ پیغمبری کا کرتا ہے اور اُس کے پیچھے جو عورت ہے  
 وہ اُسکی زوجہ ہے اور وہ لڑکا میرے بھائی کا بیٹا ہے اور یہ ایک نئے دین  
 کی دعوت کرتے ہیں۔

یہ وقت بہت ہی ابتدائی زمانہ بعثت کا تھا جبکہ پیغمبر خدا کی عبادت  
 چھپ کر نہیں کرتے تھے اور اُس وقت سوائے اُن تین شخصوں کے کوئی اور عبادت



اور مقلد اس دین کا عالم میں نہیں تھا۔ اور کعبہ میں اظہار اسلام اور دعوت اسلام کا قصد اہل سیر و تاریخ اس طرح لکھتے ہیں کہ جب ۶۱۰ شخص اصحاب رسول کے ہو گئے تھے حضرت ابوبکر کے اصرار سے پیغمبر ظاہر ہوئے اور مسلمان نواحی مسجد میں تفرق ہو گئے۔ حضرت ابوبکر خطبہ پڑھتے تھے اور پیغمبر بیٹھے ہوئے تھے کہ مشرکین نے ابوبکر پر حملہ اور انکو بہت زد و کوب کیا (جس چیز سے کہ ان کو مارا اور حسب طرح مارا اسکی تفصیل کتب تواریخ میں درج ہے) حضرت ابوبکر اس دردناک واقعہ سے بیپوش ہو گئے اور انکی قوم انکو اٹھا کر لی گئی۔

**حضرت عمر سے نماز کے لئے کعبہ میں قتال کی مفصل حقیقت**

حضرت عمر سے کعبہ میں نماز کے لئے جو قتال کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ کسکو حضرت عمر نے قتل یا زخمی کیا؟

اور کوئی حضرت عمر کے زخم لگا؟ اور کون کون حضرت عمر کے مقابلہ میں آیا تھا؟ اگر حضرت عمر سے کوئی مقابلہ کفار مکہ سے ہوا ہو گا جسکا نشان کسی اور جگہ سے نہیں ملتا ہے تو وہ جنگ ایسی ہی ہوئی ہوگی جیسے حضرت ابوبکر سے ورنہ قتل و قتال کا حکم قبل ہجرت نہیں دیا گیا جس سے ظاہر ہے کہ یہ ایت مقابلہ عمر کی محض مصنوعی ہے اور اگر حضرت عمر نے خلاف حکم خدا و رسول قتال کیا تو اس سے فضیلت حضرت عمر کی وہی پیدا کر سکتے ہیں جو انکے فعل سے بھی مستحسن قرار دیتے ہیں۔



حضرت امیر حمزہ سید الشہداء کے مسلمان ہو جانے اور حضرت ابوطالب کے زیر حفاظت ہونے سے پیغمبر کو یہ نصرت پہنچ چکی تھی کہ کوئی کافر و مشرک پیغمبر کو اذیت نہیں پہنچا سکتا تھا البتہ یہ ضرور ہے کہ چون چون مسلمان زیادہ ہوتے جاتے تھے ویسے ہی تقویت مذہب اسلام کو اور پیغمبر کو ہوتی جاتی تھی۔

**حضرت عمر کے مسلمان ہونے** | ایسے ہی حضرت عمر کے اسلام میں سے نئے دور کی حقیقت شامل ہونے سے زیادہ تقویت

پیغمبر اور مذہب اسلام کو ہوئی۔ لیکن یہ امر کہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے نیا دور پیدا ہوا اور فرائض مذہبی علانیہ ادا ہونے لگے اور کعبہ میں نماز پڑھی جانے لگی۔ مسلم نہیں ہو سکتا۔

اگر حضرت عمر کے اسلام لانے سے یہ نیا دور پیدا ہو گیا تھا تو ہجرت حبشہ اُس وقت کیوں کی گئی جبکہ حضرت عمر کے اسلام لانے کے وقت سے تعداد مسلمانوں کی دگنی ہو گئی تھی اور پھر منہ کر کے سے ہجرت کرنے کی ضرورت کیوں ہوئی؟ اور حضرت عمر اور دیگر مسلمان پیغمبر سے پہلے مدینہ کو کیوں ہجرت کر کے چلے گئے؟

جب اداے فرائض مذہبی حضرت عمر کی وجہ سے علانیہ ہونے لگو تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا قائم ہو گیا تھا تو مکہ سے ہی مذہب اسلام تمام قوم عرب میں اور تمام ملکوں میں پھیلایا جاسکتا تھا حالانکہ تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور حمایت پیغمبر میں ضعف آگیا اور کفار اور مشرکین مکہ بالکل قتل پیغمبر پر آمادہ ہو گئے اُس وقت پیغمبر نے ہجرت کی ہے جیسا کہ مصنف نے بھی بیان ہجرت میں قبول کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر کی قوت سے نہ پیغمبر کی حفاظت ہو سکتی تھی اور نہ دین اسلام جاری ہو سکتا



تھا نہ قایم رہ سکتا تھا۔

حضرت عمر کے اسلام لانے سے اگر نیا دور شروع ہو گیا تھا تو افسوس ہے کہ وہ دور نہایت ضعیف تھا اور پیغمبر کی ہجرت سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔

**مدینہ میں حضرت عمر کا صیغہ اخوت**

ذیل مصنف نے بیان ہجرت میں حضرت عمر کی فضیلت کیلئے ایک

یہ امر بیان کیا ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر جو مہاجر جس جس رتبہ کا ہوتا

تھا اسی رتبہ کے انصاری کو اُس کا بھائی بناتے تھے۔ حضرت عمر کو جس کا بھائی

قرار دیا اُس کا نام عتبہ بن مالک تھا جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے اور خود

ہی ذیل مصنف حاشیہ چڑھاتے ہیں کہ ”حافظ بن حجر نے مقدمہ فتح الباری

میں عتبہ بن مالک کی بجائے اوس بن خوی کا نام لکھا ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے۔“

لیکن ذیل مصنف تعجب کرتے ہیں کہ ”خود علامہ موصوف نے اصحابہ میں ابن سعد

کے حوالہ سے عتبہ بن مالک کا نام لکھا ہے اور اوس بن خوی کا جہان نام لکھا ہے حضرت

عمر کی اخوت کا کچھ ذکر نہیں کیا۔“

**اصحابہ اور فتح الباری**

**اختلاف صیغہ اخوت**

لیکن مجھ کو ذیل مصنف کے تعجب پر تعجب ہے۔ انھوں نے خیال نہیں کیا

کہ حافظ بن حجر کی تصنیف اول فتح الباری ہی یا اصحابہ۔ اور قرینہ صاف یہ

چاہتا ہے کہ اول تصنیف حافظ بن حجر عسقلانی کی اصحابہ ہے جس میں انھوں نے

بلا کسی تحقیق کے ابن سعد کے حوالہ سے عتبہ بن مالک کا نام لکھا ہے۔ اور اوس بن

خوی کا جہان نام لکھا حضرت عمر کی اخوت کا کچھ ذکر نہیں کیا کہ اس وقت تک

انکی یہ تحقیق نہیں تھی کہ اوس بن خوی کے ساتھ حضرت عمر کی اخوت قرار دی گئی۔

جب علامہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری تصنیف کی اس وقت انکی

تحقیق یہ ہوئی کہ عتبہ بن مالک کے ساتھ حضرت عمر کی اخوت نہیں ہو سکتی۔



اوس بن خولی کے ساتھ پڑھا گیا اس لئے انھوں نے مقدمہ مستح الباری میں اپنی تحقیقی ظاہر کی ہے کہ حضرت عمر کا صیغہ اخوت اوس بن خولی کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ قرینہ اسی سے ظاہر ہے کہ ذیعلیم مصنف اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ دو حافظ بن حجر نے جو فتح الباری میں عتبان کے بجائے اوس بن خولی کا نام لکھا ہے اسی کی تصحیح کی ہے مگر ذیعلیم مصنف نے عمداً حافظ بن حجر پر اس عرض سے غلط نکتہ چینی کی ہے کہ اوس بن خولی کے ساتھ حضرت عمر کے لئے صیغہ اخوت پڑھنے سے کوئی فخر حاصل نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس رتبہ کا شخص نہیں تھا جس سے کا شخص عتبان بن مالک تھا۔

علی مرتضیٰ کا صیغہ اخوت | باین ہمہ اگر حضرت عمر کا صیغہ اخوت

عتبان سے بھی قبول کر لیا جاوے تو بھی صیغہ اخوت سے حضرت عمر یا کسی کو وہ عزت اور فخر حاصل نہیں ہو سکتا جو علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا ہے یعنی پیغمبر نے اس مرحلہ صیغہ اخوت کو کہ جو باہم مہاجر اور انصار کے قرار دیا گیا تھا یوں طے کیا ہے کہ پیغمبر نے صیغہ اخوت اپنا علی مرتضیٰ کے ساتھ پڑھا ہے جس سے ایک دوسرا شرف پیغمبر نے علی مرتضیٰ کے لئے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ علی مرتضیٰ کو پیغمبر صلعم صرف مہاجر نہیں جانتے بلکہ انصار اپنا نصرت کرنے والا بھی قبول کرتی ہیں جس سے علی مرتضیٰ میں ہجرت اور نصرت دونوں وصف ظاہر ہوئے۔

حضرت عمر کو شرف حضوری | ذیعلیم مصنف حضرت عمر کی نسبت قبول کرتے ہیں کہ دو حضرت عمر قبائلمین

رہے اور شرف صحبت پیغمبر حاصل کرنے کے لئے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دو حضرت عمر ایک دن ناغہ دیکر آنحضرت کے پاس جلتے اور دن بھر حاضر رہتے اور ناغہ کے دن برادر اسلام حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت سے لیتے



حضرت عمر سے جا کر روایت کرتے

## علی مرتضیٰ کو شرف حضور پیغمبر

لیکن یہ شرف بمقابلہ اُس شرف  
کے کہ جن صحابہ کو روزانہ صحبت

حضور پیغمبر کی رہتی تھی کم ہے۔ اور علی مرتضیٰ کو جو شرف صحبت پیغمبر حاصل  
ہوا ہے اُس کے مقابل میں تمام صحابہ کو جو شرف صحبت حاصل ہوا بیچ ہی۔ خود علی  
مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ ”گو دین رکھا مجھ کو پیغمبر نے در حالیکہ میں طفل تھا۔ اور  
اور چپٹا لیتے تھے مجھ کو اپنے سینہ سے۔ اور لے لیتے تھے مجھ کو اپنے بستر  
اور مس کرتے تھے مجھ کو اپنے بدن شریف سے۔ اور سنگھاتے تھے مجھ کو  
اپنے پسینہ کی بو۔ اور اپنے منہ میں چیز کو چبا کر مجھ کو لقمہ دیتے تھے۔ اور  
مجھے کوئی دروغ بات۔ گفتار میں پائی نہیں گئی۔ اور نہ کوئی خطا میرے  
کردار میں ہوئی۔“ بالتحقیق تو یہ کیا۔ خدا کے سبحانہ نے پیغمبر کا اس وقت  
سے کہ دودھ اُن کا چٹایا گیا بزرگ ترین فرشتہ ملائک سے جو چلا تھا  
پیغمبر کو مکارم اور محاسن اخلاق عالم پر شب و روز۔ اور میں اُس پیغمبر کی  
پیروی کرتا تھا جیسے کہ اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے جاتا ہے۔ اور بلند کرتی  
تھے آنحضرت ہر روز میرے لئے ایک نشان اپنے اخلاق سے اور حکم دیتی  
تھے مجھ کو اپنی پیروی کا۔ اور ہر آئینہ مجاورت کرتے تھے وہ حضرت ہر سال  
کوہ حراء کی۔ پس دیکھتا تھا میں اُن کو اور نہیں دیکھتا تھا اُن کو کوئی سوا میرے  
اور نہیں جمع کیا ایک گھر میں اُس دن اسلام میں غیر رسول اللہ اور خدیجہ کبریٰ  
کے اور میں تیسرا اُن کا تھا۔ دیکھتا تھا میں نور وحی کو۔ اور سونگھتا تھا میں  
بوسے نبوت کو۔ ہر آئینہ سنی میں نے آواز اندوہناک شیطان کی جس وقت ناز  
ہوئی وحی آنحضرت پر۔ پس عرض کیا میں نے کہ اے رسول اللہ۔ آواز اللہ کی ہے۔



کسی ہر پس فرمایا کہ یہ شیطان ہے تحقیق نا اُمید ہو گیا اپنی پرستش سے۔ اور تحقیق کہ مستنا ہے تو جو کچھ مستنا ہوں میں اور دیکھتا ہے تو جو کچھ کہ دیکھتا ہوں میں۔ لیکن تو نبی نہیں ہے لیکن تو وزیر ہے اور بیشک تو اوپر خیر کے ہے۔ اسکا نتیجہ ہر ایک کی سمجھ میں بہ آسانی آ سکتا ہے کہ ابتداء محبت پیغمبر سے علی مرتضیٰ نے سمجھ لیا تھا کہ زمانہ متغیر ہو گیا ہے اور اس کے شر کا رنگ خیر سے بدلنے والا ہے۔

علی مرتضیٰ نے جو اپنی مثال رسول خدا سے دی ہے کہ ”میں ایسا ہوں جیسے کہ ایک دو شاخہ درخت ایک بیج سے جما ہوا۔ اور جیسے ہاتھ بازو سے جس سے اندازہ قربت اور صحبت علی مرتضیٰ کا پیغمبر خدا سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جب علی مرتضیٰ پیغمبر کے ساتھ ایک گھر میں رہتے تھے اور پرورش علی مرتضیٰ کی پیغمبر کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں پیغمبر اپنی ذاتی اور اپنی قوت بازو کی کمائی جیسے اپنے اوپر صرف کرتے تھے ویسے ہی علی مرتضیٰ پر۔ اور اُس کمائی سے جیسے گوشت اور خون پیغمبر کا پیدا ہوتا تھا ویسے ہی علی مرتضیٰ کا۔ اور اسی واقعہ خاص نے علی مرتضیٰ کی نسبت پیغمبر سے کہلوا یا ہے کہ جو تیرا گوشت ہے وہ میرا گوشت ہے اور جو تیرا خون ہے وہ میرا خون ہے۔ اور جیسے کہ پیغمبر کے گوشت اور خون سے کوئی امر قبیح سرزد نہیں ہوا ویسے ہی علی مرتضیٰ کے گوشت اور خون سے بھی کوئی امر قبیح پیدا نہیں ہوا۔

علی مرتضیٰ مینہ منورہ میں بھی ایک گھر میں پیغمبر کے ساتھ رہے یا پیغمبر کے گھر کے برابر دوسرے گھر میں جبکہ دختر پیغمبر کے ساتھ ان کا نکاح ہو گیا۔

دونوں گھروں کے درمیان جو دیوار تھی اُس میں پیغمبر نے ایک کھانا



سے دیکھ لیتے تھے۔ اور مسجد نبوی کے محن میں پیغمبر کے بیٹے آپا دروازہ  
 کھلا رکھا دیکھ ہی علی کے گھر کا کہ یہ دونوں گھر داخل محن مسجد ہو گئے تھے۔  
 علی رضی کو اجازت تھی کہ جنب کی حالت میں بھی داخل مسجد ہوں جیسا کہ خود پیغمبر  
 اپنے لئے مجاز تھے۔

**پیغمبر اور علی کا خلیہ** | ہمیشہ پیغمبر رازداری کے مشورے تنہا  
 علیؑ مرتضیٰ سے کیا کرتے تھے اور صرف علیؑ مرتضیٰ ہی ایک ایسا شخص تھا  
 کہ جسکو تنہائی میں ایسا موقع اور مکان نصیب ہوتا تھا کہ پیغمبرؐ ان سے مشورہ  
 اور رازداری کریں یہاں تک کہ پیغمبرؐ کی بیسیاں اٹھا دیجاتی تھیں اور علیؑ مرتضیٰ  
 کی بی بی اور بچے نہیں اٹھائے جاتے تھے۔

شب و روز میں علیؑ مرتضیٰ کے لئے پیغمبرؐ کے ساتھ ایک ایسا وقت  
 خاص معین تھا جیسا کہ پیغمبرؐ کے لئے خدا کے ساتھ۔ بقابلہ ایسی صحبت  
 کے جو علیؑ مرتضیٰ کو حاصل تھی، حضرت عمرؓ کی وہ صحبت جسکو مصنف نے لکھا ہے  
 اہل نظر غور کر سکتے ہیں کہ کیا درجہ رکھ سکتی ہو۔

**طریقہ اذان ایجاد حضرت** | ذیل مصنف نماز کے اعلان کی طریقہ  
 کا انتظام یوں بیان کرتے ہیں کہ:-

یہودی اور عیسائیوں کے یہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق و ناقوس کا  
 رواج تھا اسلئے صحابہ نے یہی راے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ



خود آنحضرت کی تجویز تھی۔ بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے  
قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمرؓ آنگے اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی  
اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت  
حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔

ذی علم مصنف نے جس انداز سے مضمون طریقہ اعلان نماز کا بیان  
کیا ہے اور اس سے فخر حضرت عمرؓ کا دکھایا ہے بیشک قابلِ داد کے ہے  
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبیؐ کی ہوتی ہے کہ وجودِ پیغمبر سے پہلے نزولِ نبوت  
خاندان حضرت عمرؓ میں ہوا تھا۔

پیغمبرؐ کا وصف مبعوث ہو جانے کے اتنی قابلیت بھی نہیں رکھتی تھی  
کہ طریقہ اعلان عبادتِ خدا کے وحدہ لا شریک بہ طرزِ نو ایجاد کر سکیں  
اور بوق و ناقوس کو جو یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں نماز کو اعلان  
کے لئے تھا تجویز کریں۔ مگر حضرت عمرؓ کے نزدیک ایسے امورِ عظیمہ کی کچھ  
حقیقت نہیں تھی اور ان کے ناخو نہین ایسی باتیں پڑی ہوئی تھیں کہ  
رستہ چلتے ہوئے آگے اور طریقہ اعلان پیغمبرؐ کو بتا دیا گیا کہ حضرت عمرؓ پر  
پہلے ہی وحی نازل ہو چکی تھی۔ اور پیغمبرؐ طریقہ اعلان نماز کے تعین میں  
حیران و پریشان تھے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے بوق و ناقوس  
کے روانہ کو جو ان کے یہاں اعلان نماز کے لئے تھا تجویز کر رہی  
تھی ان کے پاس نہ کوئی وحی آ سکی تھی نہ اونچی قوتِ ملکوتیہ کچھ  
کام کر سکی تھی کہ حضرت عمرؓ نے ان کو راہِ صواب دکھا دی! لا حول ولا قوۃ الا  
باللہ العلیٰ العظیم

مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ پیغمبرؐ کی ایسی شان اور حضرت عمرؓ کا ویسا فخر



ظاہر کرنے سے مسلمانوں کے دلوں میں پھیلنے لگا۔  
 ہو سکتے ہیں اور وہ اعتقاد رسالت آنحضرت صلعم پر کہاں تک قائم رہ سکتے ہیں  
 روایات متعلق اہلسنت کے یہاں طریقہ نذر نماز کے بارہ میں  
 طریقہ اذان جو روایات مذکور ہوئی ہیں ان کا مضمون یہ ہے  
 ”روایت ابن عمر کے بیان سے۔ اہل اسلام جب مدینہ میں آئے  
 ہیں جمع ہوا کرتے تھے۔ تو نماز کے لئے اوقات مقرر کیا کرتے تھے  
 اور کوئی صورت ندا کی نہ تھی۔ ایک روز انہوں نے اس بارہ میں  
 چرچا کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ ایک ناقوس مثل ناقوس نصارے  
 کے بنا لو۔ اور بعضوں نے کہا کہ ایک بوق مثل قرنائے یہود بنا لو۔ عمرؓ  
 کہا کہ کسی ایسے شخص کو نہیں کہہ کر لے جو نماز کے واسطے ندا کرے۔  
 رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے بلال اوٹھ اور نماز کے واسطے ندا کر“  
 (صحیح بخاری کتاب الاذان صفحہ ۵۸ مطبوعہ دہلی)

”انس سے روایت ہے کہ لوگوں نے آتش و ناقوس کا ذکر  
 کیا اوس کے بعد ذکر کیا یہود و نصارے کا۔ پس حکم دیا بلال کو اذان میں  
 شفع اور اقامتہ میں وتر کا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۵۸ مطبوعہ دہلی)  
 (روایات منقول از فتح الباری جز ثالث صفحہ ۳۳۳ و ۳۳۴ مطبوعہ دہلی)  
 ”ابو معین نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کی ہے کہ جب حضرت آدمؑ  
 جنت سے تشریف لائے اوسوقت جبریلؑ نے اذان کہی تھی“

”غریب ترین حدیث جو کہ ابتداء اذان کے بارہ میں وارد ہوئی  
 ہے وہ وہ حدیث ہے جو ابوالشیخ نے عبد اللہ بن زبیر سے روایت  
 کیا ہے کہ نبیؐ نے اذان کے لئے گمراہ سے کہا اور اوس کے بعد



یہ ایسا بدلوں کا ہوا۔ واذن فی الناس بالبحر۔ الخ۔ او سوقت رسول خدا نے  
اذان کہی۔

”مسند حرث ابن ابی اسامہ میں یہ روایت ہے کہ اول جس شخص نے اذان  
کہی وہ حضرت جبریلؑ تھی آسمان و دنیا میں۔“

”طبرانی نے سالم ابن عبد اللہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ جب رسول خدا  
کو معراج ہوئی تو پروردگار عالم نے بذریعہ وحی طریقہ اذان تعلیم فرمایا۔ جب آپ  
تشریف لائے تو آپ نے حضرت بلال کو تعلیم فرمائی۔“

”دارقطنی نے اطراف میں انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے  
اذان کا حکم او سوقت دیا تھا جبکہ نماز فرض ہوئی تھی۔“

”ابن مردویہ نے بی بی عائشہ سے روایت کی ہے کہ رسالت مآبؐ فرماتے  
ہیں کہ جب مجھے معراج ہوئی تو حضرت جبریلؑ نے اذان کہی تو ملائکہ کو گمان  
ہوا کہ وہی نماز پڑھائیں گے۔ اوس کے بعد اونہوں نے مجھے نماز کیواسطے  
آگے بڑھایا پس میں نے نماز پڑھی۔“

”مسند بزاز وغیرہ میں حضرت علیؑ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب  
خدا نے چاہا کہ اپنے رسول کو اذان تعلیم کرے تو حضرت جبریلؑ ایک جالور  
جسے براق کہتے ہیں لیکر تشریف لائے اور جناب رسول خداؐ اوپر سوار ہوئے  
اور وہی حدیث اذان جبریلؑ کی ذکر ہوئی ہے اور اوس میں یہ بھی مضمون ہے  
کہ ناگاہ ایک فرشتہ پس پردہ سے نکلا اور اوسنے کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر  
اور اوس کے آخر میں یہ بھی مضمون ہے کہ اوس فرشتہ نے جناب رسالت  
مآبؐ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت نے اہل سموات کو نماز پڑھوائی۔“

مشکوٰۃ المصابیح فصل ثالث صفحہ ۵ مطبوعہ دہلی میں عبد اللہ بن زید



بن عبد ربہ سے مروی ہے کہ "جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس سجا میکا حکم دیا ماز کے  
 واسطے۔ میں سوتا تھا۔ کہ ایک شخص (کو دیکھا) اپنی ہاتھ میں ناقوس لے کر  
 گھومنے لگا۔ میں نے (اوس سے) کہا اے بندہ خدا کیا ناقوس بیچتا ہے؟  
 اوس نے کہا تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا ماز کیواسطے لوگوں کو بلاؤں گے۔  
 اوس نے کہا کہ میں تم کو نہ بتا دوں وہ بات جو اس سے بہتر ہے؟ میں نے  
 کہا ہاں۔ اوس نے کہا۔ کہو۔ اللہ اکبر۔ الخ۔ اور اسی طرح اقامتہ پس جب صبح  
 ہوئی تو میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے خبر دی اذکو اوس سے  
 جو کچھ کہ میں نے دیکھا تھا حضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ روپائے صادق  
 ہی۔ تم بلال کے ساتھ کہڑے ہو۔ اور بیان کرو اوس سے جو کچھ کہ تم نے دیکھا ہی  
 تاکہ وہ اوس کے موافق اذان دین۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ خوش آواز ہیں  
 پس میں بلال کے ساتھ کہڑا ہو گیا۔ اور میں اذکو بتاتا گیا اور وہ اذان دیتی  
 گئے۔ اوس کا بیان ہی کہ عمر بن الخطاب نے یہ مضمون اپنے گھر میں منالہ  
 وہ گھر سے نکل آئے اور ردا اذکی زمین پر گھسٹی جانی تھی۔ کہنے لگے یا رسول اللہ  
 قسم بخدا جس نے آپ کو بحق مبعوث کیا ہے۔ میں نے ہی ایسا ہی خواب دیکھا ہی  
 جیسا کہ اوس نے دیکھا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ الحمد للہ اس روایت کو  
 ابو داؤد اور وارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ مگر اس میں اقامتہ کا ذکر نہیں  
 ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس میں تصریح قصہ ناقوس  
 کی نہیں ہے۔

صاحب فتح الباری شارح صحیح بخاری (جز و ثالث صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ دہلی)  
 لکھتے ہیں کہ "غزالی نے وسط۔ میں نقل کیا ہے کہ تقریباً ۸-۹-آدمیوں نے  
 اذان کی نسبت خواب دیکھا اور جبلی نے شرح تہذیب میں ۱۲-آدمیوں کی



خواب دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ اور غلطائی نے نقل کیا ہے کہ بعض کتب فقہاء میں  
یہ ذکر ہے کہ آدمیوں نے خواب دیکھا۔

شراح فتح الباری نے یہ بھی کہا ہے کہ "وارد ہوئی ہیں حدیثیں اس پر تحقیق  
اذان شروع ہوئی کہ میں قبل ہجرت کے۔ اور حزم کیا لڑوسی نے تحقیق کہ نبی  
نے اذان دی ایک مرتبہ سفر میں اور غلبہ دیا اوسکو ترمذی نے اور قوی کہا ہے  
اوسکو۔"

(عن الباری مطبوعہ بیوپال جلد اول صفحہ ۲۷۹ باب بذا الاذان)  
شیعوں کے یہاں یہ روایت ہے کہ "جبریل نے اذان و اقامت خدمت  
رسالت میں حاضر ہو کر کہی۔ جناب امیر اس وقت موجود تھے۔ انحضرت نے  
فرمایا کہ منے پاؤ کر لی۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا بلال کو بلا کر تعلیم کر دو جناب امیر نے  
بلال کو بلا کر طریقہ اذان و اقامت تعلیم فرمایا۔"

ان روایات پر جب غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ذی علم  
مصنف نے سرسری طور پر وہ مضمون اذان کے متعلق اختیار کیا ہے کہ جس میں  
حضرت عمر کے لئے فخر پیدا ہو سکے۔

روایات متعلق سب سے پہلے ذی علم مصنف کو یہ امر طے کرنا تھا کہ اذان  
نداء للصلوة پر رائج کہاں اور کس زمانہ میں شروع ہوئی۔ شراح فتح الباری نے  
اگرچہ ان احادیث کو جس نے کہ میں قبل ہجرت اذان کا شروع ہونا ظاہر ہوتا ہے  
اپنی نزدیک غیر صحیح کہہ دیا ہے لیکن ادنیٰ قیاس کے خلاف صریح قرینہ موجود ہے  
جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد یہ قوت مسلمانوں کو  
ہو گئی تھی کہ وہ خانہ کعبہ میں علانیہ نماز پڑھتے تھے تو ضرور ہے کہ اذان ہی اسی  
وقت شروع ہوئی اور لڑوسی نے یہاں تک حزم کیا ہے کہ پیغمبر نے ایک مرتبہ



بغیر کسی بحث کے بذریعہ نداء انسانی شروع ہی سے قرار پایا تھا۔

شیعوں کے یہاں کی روایت اہلسنت کے یہاں کی جن روایتوں سے متفق ہے ان کا مفاد یہ ہے کہ یہ تعلیم جبریل پیغمبرؑ نے طریقہ اذان کا بذریعہ نداء انسانی مقرر فرمایا۔ اوسے پر نظر کر کے مسلمانوں کو یہی سمجھ لینا چاہئے کہ خود پیغمبرؑ نے بذریعہ وحی کے نداء صلوٰۃ کا بذریعہ انسان کے طریقہ قرار دیا ہے اور مخصوص اپنی قوت فکری اور ملکوتی سے اوس طریقہ کے رواج کی ابتداء کی ہے۔

ایک روایت پر بغیر کسی قیاس و ثبوتی کے ذی علم مصنف کا صرف اس قدر کہہ دینا کہ ”حضرت عمرؓ آنکھ لے اور اونہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے“ اور اوس سے فخر حضرت عمرؓ کے لئے ظاہر کرنا۔ اور اوس واقعہ سے جو منافی فخر حضرت عمرؓ کا ہے گریز کرنا کہ ابن عبد ربہ کی خواب کا مضمون حضرت عمرؓ نے اپنے گھر میں سنا اور گھر سے نکل کے پیغمبرؑ سے آکر کہہ دیا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے (جس کو ابن عمرؓ نے یوں ظاہر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کسی شخص کو ندا کے لئے کیوں نہیں کہرا کر دیتے) اور اسی مضمون کو یوں ادا کرنا کہ ”حضرت عمرؓ آنکھ لے اور اونہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے“ سخت معیوب ہے۔

اون روایتوں سے اگر فخر ہو سکتا ہے تو ابن عبد ربہ یا دیگر اشخاص کو کہ جن کو خواب دیکھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کیلئے اگر فخر ہو سکتا ہے تو یہی فخر ہو سکتا ہے کہ اونہوں نے ابن عبد ربہ کی سنی سنائی بات پیغمبرؑ سے ظاہر کر دی یا اپنی آپ کو یہی خواب بکھنوا والو نہیں شامل کر لیا۔

شیخ ابوالکرام عیسیٰ بن علی مرثضیٰ یہ امر ظاہر اور شائع



پلئے ہوئے ہیں جیسے عمل فکر سے اور فکر عمل سے جدا نہیں ہو سکتے ویسے ہی  
اون کی سوانح عمری ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ سے وفات رسول تک ذی علم مصنف ۱۔ سے وفات رسول  
حضرت عمر کے واقعات عمری تک غزوات و دیگر حالات کے بیان  
اجزاء ۱۔ سیرۃ بنوی صلعم شروع کرنے کے وقت یہ ظاہر کرنے

ہیں کہ ۱۔ سے آنحضرت کی وفات تک حضرت عمر کے واقعات اور حالات  
درحقیقت سیرۃ بنوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت کو جو لڑائیاں پیش آئیں  
غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے۔ وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کئی  
گئے۔ اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں۔ انہیں سے ایک  
واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر کی شرکت بغیر انجام پایا ہو۔

نبی و علی کا توحد سوانح عمری واقعات تاریخی پر جب نظر کجائی ہے  
تو روز پیدائش علی مرتضیٰ سے دفن پیغمبر تک حالات اور واقعات سوانح  
عمری ان دونوں بزرگواروں کے ایسے متفق اور شامل ہیں کہ جب کسی موقع کا ذکر  
کیا جائے تو چارہ نہیں ہی کہ بغیر ذکر ایک کے دوسرے کا ذکر ہو سکے۔

پیغمبر کے ساتھ اتفاق اور اتحاد سوانح عمری کا اطلاق سوائے علی مرتضیٰ  
کے کسی دوسرے پر صادق آنا بالکل غیر ممکن ہے۔

ذی علم مصنف ۱۔ سے پہلے حضرت عمر کے واقعات اور حالات کو سیرۃ  
بنوی کے اجزاء ہونیکا یا کار پیغمبری میں اون کی شرکت کا دعویٰ نہیں کر سکی  
اور ۱۔ سے جو ادھون لئے ایسا دعویٰ کیا ہے اوسکے ثابت کرنے کے  
میدان میں قدم رکھنے سے پہلے۔ اوس دشواری کے مان پر جو اون کو



پیش نظر ہی مجبور ہو کر اس پر ایسا کرنا ہے۔ یہ ہرگز درست نہیں۔  
پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جاوین تو کتاب کا یہ حصہ سیرت نبوی سے بدل  
جاتا ہی۔ حضرت عمر کے کارنامہ رسول اللہ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اونکو  
جب علیحدہ کیا جاوے گا تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ کا نام نامی قرار  
پاویگا۔

حضرت عمر کے کارنامے ذات  
آنحضرت سے وابستہ ہیں  
ایسے پہلو سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت عمر  
کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرت  
نبوی کے اجزاء نہیں ہیں۔ اور نہ کارپینمبری میں اونکی ایسی شرکت ہو سکتی ہے  
کہ بغیر اونکی شرکت کے انجام نہ ہو سکے۔

اگر حضرت عمر کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرت نبوی کے اجزاء ہوتے  
یا حضرت عمر کی شرکت کے بغیر کارپینمبری انجام نہ پاتا تو تمام واقعات تفصیلی لکھی  
جانے کی حالت میں سیرت نبوی سے نہ بدل جاتے اور نہ تمام واقعات کا عنوان  
رسول اللہ کا نام نامی قرار پاسکتا۔

حضرت عمر کے واقعات اور حالات سیرت نبوی کے اجزاء یا اونکی شرکت کار  
پینمبری میں اوسوقت سمجھی جاسکتی تھی کہ بغیر اون کو سیرت نبوی کا اتمام اور کار  
پینمبری کا انجام نہ ہو سکتا۔

معیار اسکا کہ کس کے واقعات اور حالات سیرت نبوی کے اجزاء ہیں اور  
بغیر شرکت کس کے کارپینمبری انجام نہیں پاسکتا تھا یہ ہے کہ اگر وقت ہجرت  
پینمبری سے ولادت یا دفن پینمبری تک حضرت عمر کے کارنامے تاریخ اسلام سے  
نکال دے جائیں۔ اور پہرہ دیکھا جائے کہ مذہب اسلام کے قائم اور شائع ہونے میں  
کسا جنہ باقی رہی جاتی ہے۔



ذی علم مصنف کے اسی سلسلے میں لکھ کر ہے ”بجہ رائیہ طریقہ اختیار کیا کہ جن واقعات میں حضرت عمر کا خاص تعلق ہے ان کو لکھا جائے“ مگر اس طریقہ سے ہی وہ حضرت عمر کے واقعات اور حالات سیرت نبویؐ کو اجزاء اور بغیر شرکت ان کے کار پیغمبرؐ ہی کے انجام نہ پانے کے ثابت کر رہے ہیں کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

تذکرہ محسوس خصوصیات | ذی علم مصنف نے زمانہ ہجرت میں کوئی عمر می جنگ بدر میں۔ کار نمایان حضرت عمر کا بیان نہیں کیا

بلکہ یہ بیان کیا ہی کہ ”ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا“ ۲۷۔ میں بدر کی واقعہ کا بیان کر کے اسی پر بحف کی ہی کہ ”وجہ اس واقعہ کی کیا اور کیونکر ہوئی“ اور پھر حضرت عمر کے نسبت یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ”حضرت عمر اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر و جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے“ ان کی شرکت کے محسوس خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔

بدر میں حضرت عمر کی جانبازی | لیکن ذی علم مصنف کا یہ ظاہر کرنا و پامردی و رائے و تدبیر کی کہ ”حضرت عمر اس معرکہ میں رائے و تدبیر و جانبازی و پامردی کے مفصل حقیقت۔

لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے“ محض ذاتی اظہار ہے ورنہ زمانہ نے جیسا کہ ذی علم مصنف نے دعویٰ کیا ہے قبول نہیں کیا ہے اور نہ صفحہ روزگار پر اس کے نشان پائے جاتے ہیں۔ نہ ذی علم مصنف تاریخی واقعات سے یہ بتا سکے ہیں کہ حضرت عمر نے اس معرکہ میں پیغمبرؐ کو کس موقع پر کیا رائے دی اور کیا تدبیر کی۔ اور اونگی



رسول اللہ کے سمجھے جاسکیں۔

ذی علم مصنف نے واقعہ بدر کی وجہ بیان کرنے کے وقت اسی قبول کیا ہے۔ اور آیت قرآنی سے سند لائے ہیں کہ "جب تمام مکہ یہ خبر سنکر اُٹھ آیا۔ کہ مسلمان ابوسفیان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں جو تجارت کا مال لیکر شام سے واپس آ رہا تھا اور پیغمبرؐ تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے (ترجمہ آیت) انہیں ایک گروہ مسلمانوں کا ناخوش تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکی جاتی ہیں۔" آیت کا رہین جنگ ایسی حالت میں بلحاظ مضمون آیت ذی علم مصنف کو بدر کے بارہ میں۔ بہت ضرورت ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی رائے و تدبیر اور

جانبازی و پامردی ایک ایک شمار کر کے بتاتے اور نہایت دلوق سہی دکھاتی کہ حضرت عمرؓ اس گروہ میں شامل نہیں ہیں نہ اس گروہ کے اجزاء سے ہیں جس گروہ کی نسبت آیت قرآنی میں ذکر ہے کہ "مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں" حالانکہ واقعات تاریخی ہمسکو دکھا رہے ہیں کہ۔

پیغمبرؐ کا پدر میں جنگ کے لئے جب کفار قریش جو حمایت قافلہ کیلئے اصحاب سے رائے طلب کرنا نکلے تھے متوجہ پیغمبرؐ کے ہوئے تب پیغمبرؐ

لئے اصحاب سے فرمایا کہ مجھ کو خدا نے حکم کیا ہے کہ میں ان کے ساتھ جہاد کروں اور اصحاب کا خوف دیکھ کر ہر ایک کی رائے کو دریافت کیا حضرت ابو بکرؓ اوٹھے اور کہا کہ "وہ قریش میں سواروں اور گروہ سمیت۔ اور تکبر کہتے ہیں۔

جس روز سے کہ غزت پالی ہی ذلیل نہیں ہوئے ہیں۔ اور ہم جنگ کے ارادہ ہی



خوش نہ آیا اور فرمایا کہ بیٹھو۔

حضرت عمرؓ ابوبکرؓ کی اس پیچ | پہر اصحاب سے فرمایا کہ کیا کرنا چاہئے۔ پس  
حضرت عمرؓ اوٹھو اور وہی کہا جو حضرت ابوبکرؓ نے کہا تھا۔ اوتنے ہی فرمایا کہ  
بیٹھو۔

حضرت مقدادؓ کی تقریر | پہر حضرت مقدادؓ اوٹھو اور کہا: اے رسول اللہؐ

یہ گروہ قریش سواروں اور تکبر کے ساتھ آیا ہے۔ اور ہم ایمان لائے  
ہیں تجھ پر اور قصد بق تیری کی ہے کہ جو کچھ تو خدا کی طرف سے لایا ہے  
حق ہی۔ اگر تو فرماوے تو ہم آگ میں کود پڑیں اور کچھ پرواہ نہ کریں اور  
ہم وہ نہ کہیں گے جو کچھ کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

(ترجمہ آیت) "جا لو اور پروردگار تیرا اور لے دو تم دونوں تحقیق کہ ہم اسی  
جگہ بیٹھے ہوئے ہیں" لیکن ہم کہتے ہیں کہ جا لو اور پروردگار تیرا پس جنگ  
کرو تم اور ہم تمہارے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ پس حضرت نے او کو دغا  
خیس کی۔ اور

پہر اصحاب سے فرمایا کہ کہو جو کچھ رائے تمہاری ہی اور غرض آنحضرت  
کی یہ تھی کہ انصار میں سے لوگ بولیں کہ عقبہ میں جو اونہوں نے بیعت  
کی تھی تو کہا تھا کہ جب تک مدینہ میں نہ آؤ ہم آپ کی حمایت نہیں کر سکتے اور  
جب مدینہ میں آؤ تو ہماری امان میں ہو۔ حضرت کو یہ اندیشہ تھا کہ انصار  
شاید یہ گمان کریں کہ حمایت اونہرا وقت لازم ہے کہ دشمن مدینہ میں آوے  
پر حملہ کریں نہ مدینہ کے باہر۔

سعد بن معاذ انصاری کی تقریر | پس سعد بن معاذ انصاری اوٹھے  
اور کہا کہ: میرے مان باب آب سے قداموں بار بار دریافت کرنے سے



شاید غرض آپ کی ہم سے ہے ؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں۔

سعد نے کہا کہ شاید ہم یہ گمان رکھتی ہیں کہ مدینہ کے باہر تو اور کام کے لئے آئے تھے اور اب اور کام پر مامور کئے جاتے ہیں ؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں سعد نے کہا کہ اے رسول خدا ہم ایمان لائے ہیں آپ پر اور تصدیق کی ہے ہم نے آپ کی۔ اور گواہی دی ہے کہ جو کچھ خدا کی طرف سے آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ جو کچھ آپ حکم کریں اسکی اطاعت کریں گے ہم۔ اور ہمارے مال سے جو چاہو لے لو اور جو چاہو چھوڑ دو۔ اور اگر آپ حکم کریں ہم کو دریا میں چلے جانے کے لئے تو ہم کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ اور ہم مدینہ میں چند گروہ چھوڑ آئے ہیں۔ کہ جہاد ہمارا ان سے زیادہ نہیں ہے اور اعتقاد ان کا ہم سے کم نہیں ہے۔ اگر وہ جانتے کہ جنگ پیش آئے گی تو وہ تخلف نہ کرتے۔ اور اس وقت ہم آپکی سواری کے لئے اونٹ بھیا کرتے ہیں اور مقابل دشمن کے ہم جاتے ہیں در حالیکہ صبر کرنے والے ہیں ملاقات دشمنوں پر اور شجاع و دلیر ہیں انکی کارزار پر۔ اور امیدوار ہیں کہ خدا آپکو ہم سے شاد کرے اگر فتح اور نصرت ہوئی تو زہے سعادت ہماری۔ اور اگر ہم مغلوب اور کشتہ ہو گئے تو آپ ان اونٹوں پر سوار ہو کر ہماری قوم میں چلے جائے کہ وہ آپکی یاری کریں گے بعد ہمارے ۛ

حضرت اونکی اس تقریر سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ خدا نے مجھکو وعدہ نصرت کا دیا ہے۔ اور اسوقت وہ آیت نازل ہوئی جس میں ذکر ہے کہ ایک گروہ مسلمانوں کا ناخوش تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانپتے جاتے ہیں ۛ



اوس گروہ مسلمانوں کے تابندہ اختر تھے کہ جو بدر میں کفار قریش سے  
جنگ کرنے میں ناخوش تھا اور وہ گروہ سمجھتا تھا کہ ہم موت کی طرف ہاتھ  
جاتے ہیں۔ اور اسی واقعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس معرکہ  
میں رائے تدبیر جانبازی و پامردی کے لحاظ سے رسول اللہ کے کس درجہ  
دست و بازو تھے؟ اور ذی علم مصنف کی حضرت عمرؓ کی نسبت ایسی رائے  
کھانتا کچھ صحیح ہی؟

ذی علم مصنف کی اس معرکہ بدر میں جیسی کہ وہ عام رائے حضرت عمرؓ کی  
نسبت بے بنیاد ہی ویسی ہی اوہنوں لئے جو محسوس خصوصیات حضرت عمرؓ کی  
اس معرکہ میں نکالی ہیں وہ فضائل حضرت عمرؓ کے لئے محسوس خصوصیات کا ترجمہ  
کچھ ہی نہیں رکھ سکتی ہیں۔

محسوس پہلی خصوصیت رعب و ابکاثر پہلی خصوصیت یہ ظاہر کی جاتی ہے کہ قریش  
کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنی عدی میں حضرت عمرؓ کے قبیلہ سے  
ایک تنفس ہی شریک جنگ نہیں ہوا۔

اس پر ذی علم مصنف یہ قیاس کرتے ہیں کہ یہ امر صرف حضرت عمرؓ کو رعب  
و اب کا اثر تھا۔

یہ واقعہ کہ حضرت عمرؓ کے قبیلہ کا ایک تنفس ہی شریک جنگ نہیں ہوا۔  
مشکل سے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

خود ذی علم مصنف نے تخصیص چہارم میں حضرت عمرؓ کے امون کا حضرت  
عمرؓ کے ہاتھ سے مارا جانا ظاہر کیا ہے۔ اور جہان اسیران بدر کی نسبت حضرت  
عمرؓ کی رائے ظاہر کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی عزیز کو آپ قتل کر دے۔



کام میں تمام کر دوں " اور ایک شخص قبیلہ بنی عدی کا نوفل بن خویلد نام علی رضی  
کے ہاتھ سے جنگ بدر میں قتل ہوا ہی۔ (واقعی ابن ہشام وحمیس)

بیان ان ہر واقعات سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے عزیز اور کنبی کو لوگ کفار  
قریش کے شریک ہو کر آئے تھے۔ اور ذی علم مصنف کا یہ قیاس کہ حضرت عمر کی  
کنبہ کا ایک متنفس ہی اون کو رعب و داب کے اثر سے شریک جنگ نہیں ہوا قطعی  
غلط ہے۔ اگر اون کو رعب و داب کا یہ اثر تھا تو اون کے مامون اور اون کا دوسرا  
اور تیسرا عزیز شریک کفار قریش ہو کر کیوں آئے اور اوپر حضرت عمر کو رعب و داب  
کا اثر کیوں نہوا۔ ۹

ہمارے عندیہ میں حضرت عمر کے قبیلہ کا کوئی اور شخص ایسا کہ یا لواح کہ میں  
باقی ہی نہیں رہا تھا کہ جو کفار قریش کے ساتھ ہو کر جنگ کے لئے آنا یا جس پر  
حضرت عمر کے رعب و داب کا کچھ اثر ہوتا۔

محسوس خصوصیت دوم میں خود ذی علم مصنف نے بارہ آدمی حضرت عمر کو ساتھ  
اون کو قبیلے اور حلفاء سے شریک جنگ شمار کر کے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے  
کہ قبیلے اور حلفاء حضرت عمر پہلے ہی مسلمان ہو کر کہ و لواح کہ ہیں نہیں رہی تھی۔  
اور واقعہ ۱۰ میں زیادہ تصریح سے ذی علم مصنف نے قول حضرت عمر کا  
(کہ میں اون کے خاندان میں کسی کا اون کا حامی موجود نہ ہونا) نقل کیا ہے کہ جب  
آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور ذوالحلیفہ میں  
پہنچ کر تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے  
کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ حضرت  
عمر کو بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں ہے اوہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھے



کمان کے سر پر دافا رب و ہین ہین اس لئے اذلو ہینا مناسب ہوگا۔ پیغمبرؐ کی حضرت  
عثمان کو مکہ بھیجا (الفاروق کا صفحہ ۵۱۵)۔

اس مضمون سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے کئے قبیلے کا کوئی ایسا  
شخص وہاں موجود نہیں تھا۔ کہ جس پر حضرت عمرؓ کے رعب و داب کا اثر ہو۔ حضرت  
عمرؓ اس خوف سے کہ اون کے خاندان میں اون کے زیر اثر رعب و داب کو  
کوئی وہاں موجود نہ تھا تعمیل ارشاد پیغمبرؐ نہیں کر سکے اون کی بے حمایتی کی خیال  
لئے اون کی جرات و شجاعت کے انداز کو نمایان کر دیا۔

نتائج ان واقعات کے صاف دکھا رہے ہیں کہ ذی علم مصنف کا یہ قبائل  
کہ کوئی متنفس قبیلہ حضرت عمرؓ کا اون کے رعب و داب کے اثر سے شریک  
جنگ نہیں ہوا بالکل غلط ہے۔

دوسرے محسوس خصوصیت ذی علم مصنف حضرت عمرؓ کی وہی ظاہر کرتی  
ہیں کہ اون کے ساتھ اون کے قبیلے اور خلفاء کے بارہ آؤمی شریک  
جنگ تھے۔

دوسری محسوس خصوصیت کی حقیقت لیکن یہ کوئی وجہ محسوس خصوصیت حضرت عمرؓ کے  
لئے نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ کے قبیلے اور خلفاء کے  
جو شخص تھے وہ پیغمبرؐ پر ایمان لا کر مسلمان ہوئے تھے جیسا کہ خود حضرت عمرؓ  
اور کچھ ایسے تھے کہ جو حضرت عمرؓ سے پہلے ایمان لائے تھے جو باعث حضرت  
عمرؓ کے مسلمان ہونے کے ہوئے۔ اور ہر ایک شخص درحقیقت پیغمبرؐ کے  
ساتھ تھا۔ جیسے کہ حضرت عمرؓ اور جو شرف پیغمبرؐ کے ساتھ ہونیکا حضرت عمرؓ کو  
حاصل ہو سکتا تھا۔ وہی شرف ہر ایک مسلمان کو ہو سکتا تھا۔ گو وہ اون کی  
قبیلے اور خلفاء سے ہو۔



اور پیغمبر کے ساتھ ہونے سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ نہ اون کے شرف میں  
کچھ کمی ہو سکتی ہے اگر اون کے کہنے اور خلفاء سے کافر ہے اور پیغمبر سے  
جنگ کے لئے میدان میں آئے۔

پیغمبر کے ساتھ جو (۳۰۰) آدمی معرکہ بدر میں تھے اوس میں ہر قسم کے  
لوگ تھے۔ بعض ایسے تھے کہ اپنی قبیلہ و قوم میں سے فراڈے فراڈے تھے  
اور بعض ایسے تھے کہ جو معہ اپنی قوم و قبیلہ کے تھے۔

جو لوگ ایسے تھے کہ معہ اپنے عزیز و اقارب کے بھی تھے اور کو عموماً  
وہ شرف بھی حاصل تھا کہ جو خاص شرف حضرت عمر کے لئے نکالا جاتا ہے  
حالانکہ اوس کی تخصیص صرف حضرت عمر کے لئے نہیں تھی۔ ہاں حضرت عمر  
اپنی ساری بیویوں کے اوس گروہ میں شمار کئے جاتے ہیں جو گروہ مسلمانوں کا  
جنگ سے ناخوش تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔

اس لئے حضرت عمرؓ کے لئے یہ محسوس خصوصیت بے شک پیدا ہوتی تھی  
تیسری خصوصیت غلام | تیسری خصوصیت ذی علم مصنف حضرت عمر کی  
عمر کی شہادت سے | یہ ظاہر کرنے ہیں کہ "سب سے پہلے جو شخص اس

معرکہ میں شہید ہوا وہ اس کا غلام تھا" لیکن اس کی صحیحیت کا تسلیم ہونا  
و شوارہ ہے کیا باعتبار صحیحیت واقعہ کے۔ اور کیا باعتبار قابل فخر ہونے کے؟

کتب معازمی اور سیر اسلام میں جنگ بدر کے حالات بہت تفصیل  
سے لکھے ہیں کہ کون کون کفار قریش سے آیا تھا اور ان کی تعداد کیا تھی؟

اور کون کون پیغمبر کے ساتھ تھا اور ان کی تعداد کیا تھی اور کون کون اصحاب  
پیغمبر سے غم حاضر رہا اور پیغمبر اور کفار نے اسے اسے لشکر و ان کا وصف مندی



س طرح کی اور کون کس سے لڑا اور کس نے کس کو قتل اور زخمی کیا اور یہ کہ  
کون کس قبیلہ سے تھا۔ اور حضرت عمر کے غلام کا نام مقتولین میں اور اوس کے  
قاتل عامر بن خضریٰ کا نام و برج کیفیت جنگ ہی۔ مگر شروع اوس جنگ کی  
یون ہوئی ہی کہ عقبہ۔ اور شیبہ اوسکا بھائی۔ اور ولید اوسکا بیٹا۔ لشکر کفار سی پہلو  
نکلے۔ عتو۔ معوذ۔ اور عوف۔ انصار سے پہلے اون کے مقابل میں گئے۔

بدر میں جنگ کی ابت۔ اگر ادھون نے اپنا کفو چاہا۔ تب عبیدہ بن حارث  
چچا زاد بھائی پیغمبر کے جنگی عمر ۴۰ برس کی تھی۔ اور حضرت حمزہ چچا پیغمبر کے۔ اور  
علی مرتضیٰ اون کے مقابلہ کے لئے گئے۔

عبیدہ نے عقبہ سے حمزہ نے شیبہ سے۔ علی مرتضیٰ نے ولید بن  
عقبہ سے مقابلہ کیا۔ حضرت عبیدہ نے عقبہ کے ایسی تلوار لگائی کہ سر اوس کا  
دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور عقبہ نے اپنی ضربت سے دو لون پاؤں حضرت عبیدہ  
کے جدا کر دیے۔ اور حضرت عبیدہ اور عقبہ دو لون زمین پر گر پڑے۔

افسوس ہی کہ ذی علم مصنف خبر واحد سے بجائے عبیدہ برادر چچا زاد پیغمبر کی  
ہمچ غلام حضرت عمر کو شہید اول قرار دین اور اوس دستور اور غیرت عرب  
بہلادین کہ ابتدا جنگ اشراف اور سرداران قوم سے ہوتی تھی اور وہ پکار  
پکار کر اپنی کفو سے مقابل ہوتے تھے۔

فخر شہادت شہید ہی کو ملتا ہے | اگر یہ امر ان ہی لیا جائے کہ غلام حضرت

عمر کا شہید اول ہی تو اوس سی کوئی محسوس خصوصیت حضرت عمر کے لئے پیدا نہیں  
ہو سکتی۔ شہید اول ہونے کا شرف اون کو غلام کو بیشک ہو سکتا ہی نہ اونکو۔ مگر

یہ شرف اوس وقت میں حاصل ہوتا کہ جب بجائے غلام کے وہ خود ہوتے۔ اور یہ

شرف اوس ہی وقت میں وہ حاصل کرنے والے ہو سکتے تھے کہ جب جنگ اور



کسی لفار اوسے دل میں سل غلام کے ہوا۔

اوس غلام نے اگر وہ شہید اول ہے تو صرف شرف شہید اول ہونے کا  
حاصل نہیں کیا بلکہ اپنی وفاداری ہی اپنی افاق کے ساتھ ثابت کی جس سے کوئی  
شرف حضرت عمر کی ذات کو نہیں ہو سکتا ہی بلکہ غلام کو ہو سکتا ہی۔ البتہ حضرت  
عمر کے لئے یہ محسوس خصوصیت ہو سکتی ہی کہ اونہوں نے اپنے بدلہ غلام کی قبر ملی  
کرادی اور اپنی جان کی حفاظت کر لی۔

چونہی خصوصیت مامون	چونہی خصوصیت ذی علم مصنف حضرت عمر کی۔
عاص کا قتل۔	اون کے مامون عاص کا قتل۔ اون کے ہاتھ

سے ظاہر کر کے یہ فخر اون کے لئے پیدا کر لئے ہیں کہ اسلام کے معاملات میں  
قرابت اور محبت کا اثر اون پر کہی غالب نہیں آ سکتا تھا چنانچہ یہ واقعہ اوس کی  
پہلی مثال ہے۔

لیکن یہ واقعہ کہ حضرت عمر نے اپنے مامون کو قتل کیا قابل اعتبار کے نہیں  
ہے اور اگر اونہوں نے ایسا کیا تو اسکا ایسا کرنا خلافت سیرۃ بنوئی اور اخلاق  
محمدی کے تھا۔ جس سے اون کے واقعات اجزاء سیرۃ بنوئی قرار نہیں پا سکتے۔  
کتب مغازی و سیر میں تذکرہ | کتب مغازی اور سیر مذہب اسلام میں  
قتل عاص بدست عمر نہیں ہے | جنگ بدر کی پوری کیفیت تفصیل کے

ساتھ جیسا کہ میں ابھی بیان کر آیا ہوں درج ہے۔ لیکن اوس میں یہ ذکر نہیں ہے  
کہ مامون حضرت عمر کے کسوفت اور کس کے بعد مبارز طلب ہوئے اور حضرت  
عمر نے اون سے مقابلہ کیا اور اون کے مقابلہ کی کیا کیفیت ہوئی جیسا کہ علی  
مر لفظے اور امیر حمزہ اور دیگر مہاجر و انصار کا ذکر کیا ہے کہ یکے بعد دیگرے کون کس سے  
لڑا اور کس طرح کسکو قتل کیا۔ حالانکہ حضرت عمر کو اکابر صحابہ میں سمجھا جاتا ہے اونکی



شجاعت کا اندازہ کرنے کے لئے ایسی تفصیل جس سے اونکی نام آوری ہوتی  
نہایت ضروری تھی۔

حضرت عمر کے مامون اور لوگوں میں ہی شمار نہیں کئے گئے ہیں کہ جو پیغمبر  
جنگ کرنے کے لئے آئے تھے۔

وہ روایت جس سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے مامون کو جنگ  
بدر میں قتل کیا سب سے پہلے واقف می لئے اس طرح منقول کیا ہے کہ "۔  
حضرت عمر کہا کرتے تھے سعید بن عاص سے (عاص بن سعید بن عاص بنی امیہ  
ایک مشرک تھا جو یوم بدر جنگ مقابلہ میں علی مرتضیٰ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔  
پہل روایت قتل عاص |

میں  
دیکھتا ہوں تم کو اپنی طرف سے رنجیدہ بلکہ اس بات کے کہ میں قاتل ہوں تمہارا  
باپ عاص کا بدر میں۔ اور قتل کیا ہے میں نے اپنی ہاتھوں سے اپنے مامون  
عاص بن ہشام بن مغیرہ کو نہ تمہارے عاص کو "۔

اگرچہ یہ روایت خبر احاد سے ہے مگر اس میں بھی حکایت حضرت عمر کے  
مامون کے قتل کا بیان ہے۔ حالت مقتل کی شہادت نہیں ہے۔ ان  
اوس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اور لوگوں کے ورثا و کوجو علی  
مرتضیٰ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے۔ علی مرتضیٰ کی دشمنی اور اپنی دوستی پر  
برائیکھتہ کرتے تھے جسکی حضرت عمر کو بہت ضرورت تھی۔ اسی پالیسی نے بیشک  
حضرت عمر سے اپنے مامون کا قتل اپنی ہاتھ سے ظاہر کرایا ہے۔

اگر درحقیقت حضرت عمر نے جنگ بدر میں اپنی مامون کو اپنے ہاتھ سے قتل  
کیا ہے تو ایسا واقعہ اور ان کے لئے بے شک ایسی مثال ہے کہ جو تاریخ اسلام  
میں نہیں مل سکتی۔



فرار ہون کے لئے  
کے لئے پیغمبر کا فتویٰ

یارس اسلام میں ایسی جگہوں میں سے ہے کہ  
مذہب اسلام کسی مسلمان کو اپنی قرابت دار کے

قتل کی اجازت نہیں دیتا ہی۔ اسی غزوہ بدر میں پیغمبر نے اپنے قرابت داروں  
کے لئے قتل سے منع کا حکم دیدیا تھا جو کفار کے ساتھ شامل ہو کر آئے تھے۔ اور  
اسی غزوہ بدر میں پیغمبر کے جو قرابت دار اور دیگر کفار گرفتار ہو کر آئے تھے وہ  
فدیہ لیکر رہا کر دئے گئے۔ باوجود اس کے کہ حضرت عمر اور ان مشکین بندہ ہوؤں  
کی نسبت اپنی شجاعت و جرات دکھانے کے لئے یہ فرماتے رہے کہ "حمزہ اپنی  
بہائی عباس کو۔ علی اپنی بہائی عقیل کو۔ اور میں اپنے فلان عزیز کا سراوڑاؤں  
لیکن پیغمبر نے ایسی رائے پسند نہیں فرمائی۔

جب عقبہ قتال کے لئے لشکر کفار سے ٹکرا میداں میں آیا تو اوس کے  
مقابلہ کے واسطے ابو حذیفہ اوس کے بیٹے نے جانا جا ہا مگر پیغمبر نے ابو حذیفہ کو  
اوس کے مقابلہ سے روکا اور منع کیا اور خود حضرت ابوبکر کو پیغمبر نے اوس کا  
ہے جبکہ وہ اپنی بیٹی عبد الرحمن کے مقابلہ کے لئے اوٹھ کر چلے تھے۔

علی مرتضیٰ نے جو قدم بقدم رسول کے چلتے تھے جنگ صفین میں ایسی  
ہی نظر دکھائی ہے جو مطابق سیرت پیغمبری کے تھی۔

پیغمبر سے علی کی اسنۃ | زیاد کا مدداری بہائی معاویہ بن عمر عقیلی لشکر شام  
پیغمبر می فتویٰ پر عمل سہی | میں تھا ہنگام جنگ زیاد کے مقابل ہوا زیاد نے

ایک وار اوپر کیا جس کے صدمہ سے عقیلی زمین پر گر پڑا۔ زیاد گھوڑے سے اونتر کر  
بار اوہ فوج جلد اوس کے سینہ پر چڑھا لیکن نقاب اوٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ  
اوس کا بہائی ہے۔ ہاتھ کو نہام لیا۔ کہنے لگا کہ اسے مار باؤقتل و شہرہ کس لئے



ایسا ہے تو چھوڑ دے۔ کہا یہ بھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت مرتضیٰ سے اسکی اجازت نہ ہو یہ خبر حضرت امیر المومنینؑ کو پہنچی تو فرمایا کہ جلد جاؤ اور اسکو قتل برادر سے مانع آؤ۔

اپنے کسی عزیز کا اپنے ہاتھ سے قتل کرنا یا قتل کرانا جب تک کہ دوسری تدبیر اسکی اطاعت و فرمانبرداری کی عمل میں نہ لائی جاوے تب تک ایک امر نہایت بے درومی اور قطع رحم کا ہے۔

اگر حضرت عمرؓ نے اپنے مامون کو قتل کیا تو اس اخلاق کی جو پیغمبرؐ کی سیرۃ نہی۔ پر چہا میں یہی مطلق حضرت عمرؓ کے دلپر نہ سمجھی جائیگی۔ بلکہ یہ مثال حضرت عمرؓ کی انہیں مثالوں میں قرار پائیگی کہ جو حضرت عمرؓ کی غلطت اور شرارت قلب طبع۔ خلاف سیرت اور منشاء نبوی اور مخالف اجازت اصول مذہب اسلام کی تیار نسخ اسلام میں موجود ہے۔

اسیران بدر کے حق میں جنگ بدر میں جو لوگ گرفتار ہوئے تھے۔ اور پیغمبرؐ می فیصلہ فدیہ لیکر چھوڑ دے گئے ان کی نسبت یہ آیت

نازل ہوئی ہے:-

”ماکان للبنی ان یکون له اسرے حتیٰ“ [نہیں منراوار ہی واسطے کسی بنی کی تیخن فی الارض۔ تزیدون عرض الدنیا] یہ کہ ہوں واسطے اس کے قیدی۔ والدیرید الاخرۃ والدعزیز حکیم“ [یہاں تک کہ خونریزی کرے زمین میں چارتے ہو تم سامان دنیا کو۔ اور الدچاہتا ہے آخرت کو اور الدغالب حکمت والا ہے“]

اسیران بدر کے متعلق اسیران بدر کی نسبت مورخین اور علماء اہلسنت کا مورخین کی رائیں۔ یہ بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کی رائی



دی تھی۔ اور حضرت ابو بکر نے فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی۔ اور پیغمبرؐ نے حضرت  
ابو بکر کی رائے کو پسند کر کے فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔ مگر خدا نے فدیہ یعنی کونا پسند  
کیا اور حضرت عمر کی رائے قتل کو پسند فرمایا۔

سر سید کی تفسیر اسرید یہ تفسیر کرتے ہیں کہ قریش مکہ کے تمام لشکر  
لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک گروہ سے جو لڑنے نکلا تھا۔ جسکو شکست  
ہوئی۔ اور تمام لشکر پریشان ہو گیا اور کسیکو مقابلہ کی جرات نہ ہوئی اور  
مسلمانوں نے اونکا تعاقب ہی نہیں کیا اور فدیہ لینے پر خدا نے اپنی  
ناراضی ظاہر کی کہ وہ لوگ بغیر لڑنے کے پکڑے گئے تھے اور لڑائی کو  
قیدی نہیں تھی کہ جنسے فدیہ لیا جاتا۔

مورخین اور علماء اہلسنت نے آیت کے معنی یہ سمجھے کہ خدا فدیہ  
لیکر چھوڑ دینے کو پسند کرتا ہے جو حضرت ابو بکر کی رائے تھی۔ جسکو  
پیغمبرؐ کا پسند کر لینا ظاہر کیا جاتا ہے اور اوس کے خلاف پر یہ سمجھ  
لیا کہ حضرت عمر کی رائے قتل کو خدا نے پسند فرمایا۔

سر سید نے یہ تاویل کی کہ جو لوگ گرفتار ہوئے تھے وہ لڑائی کو  
قیدی نہیں تھے کہ جنسے فدیہ لیا جاتا فدیہ لینے پر خدا نے اپنی ناراضی  
ظاہر فرمائی وہ لوگ بغیر لڑنے کے پکڑے گئے تھے۔

النظر السموق فی سيرة الفاروق میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے اوسکا  
حاصل یہ ہے کہ سر سید کی تاویل خلاف واقع ہے۔ جو لوگ گرفتار ہوئے تھے  
کوئی وجہ نہیں کہ وہ لڑنے والے نہ سمجھے جائیں۔ جسقدر لشکر قریش مکہ سے  
مسلمانوں پر حملہ کرنے آیا تھا و حقیقت وہ لڑنے والا تھا۔ جو لوگ کہ فرار کر گئی  
تھے اونکا تعاقب مسلمانوں نے نہیں کیا اور فدیہ لینے پر خدا نے اپنی ناراضی



موجود تھے بعد خونریزی کے وہی لوگ گرفتار ہوئے ہیں جن کو مقابلہ  
میں جنگ ہوئی تھی۔

غلط فہمی مراد آیت کی وجہ | مورخین اور علماء اہلسنت اور نیز سرسید  
نے جو یہ بیان کیا ہے کہ "فدیہ لیکر پیغمبر کے چھوڑ دینے پر خدا نے  
ناخوشی ظاہر فرمائی ہے" وہ غلط فہمی معنی آیت کے باعث ہے جس سے  
پیغمبر پر الزام ناخوشی خدا کا لگتا ہے۔ ورنہ اساراے بدر کے بارے  
میں جو مرضی خدا کی تھی وہی مرضی رسول کی ہوئی ہے۔

مرضی رسول اللہ کی یہی تھی کہ اسیران بدر کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے  
اور آیت میں خدا نے اسکو ناپسند نہیں کیا ہے بلکہ قیدی بنالینے اور  
خونریزی یعنی قیدیوں کے قتل کرنے کو ناپسند فرمایا ہے اور یہ دونوں  
رائیں صحابہ کی تھیں۔

آیت میں جو یہ الفاظ ہیں "تریدون عرض الدنيا" چاہتے ہو تم  
سامان (بٹھاؤ) دنیا کو "تو عرض الدنيا" کی مراد سیم و زر لینے سے غلط  
لیگتی ہے۔ عرض دنیا کے معنی ہیں "پہن اور متاع کے سوا سیم و زر  
کے" البتہ اموال و متاع دنیا کو سیم و زر شامل ہے۔

اگر خدا اس آیت میں اموال اور متاع دنیا کا لفظ ارشاد فرماتا۔ تو  
فدیہ سیم و زر لینے پر ناپسندیدگی خدا کی سمجھی جاتی۔ مگر خدا نے عرض دنیا  
کا لفظ فرمایا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا سامان و اسباب دنیا کو  
سوائے سیم و زر کے ناپسند کرتا ہے۔ اور فدیہ میں سیم و زر لیا گیا تھا  
جس سے ناخوشی خدا کی قبول نہیں ہو سکتی وہ بمنزلہ خرچہ جنگ سمجھی۔  
عرض دنیا سے مقصود ہے حشم و خدم کا بڑبانا (دنیاوی بٹھاٹ)



تھا اور اسی کو خدا و رسول نے ناپسند کیا ہی جیسا کہ صاحب مارج النبوتہ اور دیگر  
 اہل سیر نے لکھا ہے کہ "یہ شوق اصحاب نے واسطے رغبت اسیروں کو اختیار  
 کی تھی۔ اور پہر آئندہ صاحب تاریخ طبری نے احد کی ہزیمت کے سلسلہ میں چند  
 روایتیں بدین مضمون لکھی ہیں کہ "اصحاب بنی مین ایک گروہ محض طالبان دنیا  
 کا تھا جسکا خدا نے آیت "منکم من یرید الدنیا الذین ارادوا النعمۃ" الخ میں ذکر فرمایا  
 ہی۔ بلکہ ابن مسعود یہ کہتے ہیں کہ "مجھ کو گمان اصحاب بنی مین ایسے لوگوں کا نہ تھا  
 مگر روزِ احد مجھ کو یقین ہو گیا کہ اصحاب بنی کی ایک قسم محض طالبان دنیا و مال دنیا  
 کی ہی ہے۔"

صحابہ پیغمبر کی بیشک بہرہ رائے تھی کہ کوئی قیدیوں کا قتل ہونا چاہتا تھا۔ اور  
 کوئی اونکا غلام بنالینا۔ لیکن پیغمبر نے نہ قیدی کرنا یعنی غلام بنالینا پسند کیا نہ قتل  
 کرنا۔ فدیہ سیم وزر لیکر چھوڑ دینا پسند کیا جو خالص رائے خدا و رسول کی تھی۔

بدر کے اسیروں کی نسبت | فدیہ سیم وزر لیکر چھوڑ دینے پر خدا کی ناراضی اس  
 خالص رائے خدا و پیغمبر ہی آیت سے کسی طرح نہیں سمجھی جاسکتی۔ کہ خدا دوسری

جگہ صاف فرماتا ہے "پس حیوٰت کہ بہر جاؤ تم اون لوگوں سے کہ کافر ہوئے ہیں  
 پس مارو گردنیں یہاں تک کہ زخمون سے چور کر دو تم اون کو (جب وہ مغلوب ہو جائیں  
 پہر مضبوط کر دو تم بندش (یعنی گرفتار کر کے) مشکین جگہ کے باندہ لو) پہر یا احسان کرنا  
 ہے بعد کو یا فدیہ لینا ہے یہاں تک کہ رکھ دے اڑائی ہتیار اپنے۔"

اس آیت کا حکم صریح احسان کر کے چھوڑ دینے کا ہے یا فدیہ لیکر جو مخالف  
 اس کے ہے کہ قیدی قتل کئے جائیں یا غلام بنائے جائیں۔



فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہئے انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔

مصنف نے کیوں اپنی رائے | غنیمت ہے کہ ذی علم مصنف نے ان سب کو قید یا ان بدر کی نسبت نہیں دی

راوی نقل پر خدا نے اپنی خوشنودی ظاہر کی اور نہ بد ظاہر کیا کہ پیغمبرؐ کی فدیہ لیکر چھوڑ دینی پر خدا نے اپنی ناراضگی ظاہر فرمائی۔ اوہوں نے یہ خیال کیا کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ کی رائے کوئی فخر حضرت عمرؓ کیلئے مطلق پیدا نہیں ہوتا ہی۔ اگر پیغمبرؐ پر فدیہ لیکر چھوڑ دینے سے ناراضی خدا کی مثل اپنی پیش گوئی کو قبول کی جائیگی تو حضرت ابو بکرؓ کیلئے ہی کوئی فخر پیدا نہیں ہو گا جن کو فخر کیلئے یہ ظاہر کیا ہی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی اصلی رائے انہیں کی تھی۔ لیکن ذی علم مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ آت میں جو یہ مضمون ہے کہ ”تم عرض دینا چاہتے ہو اور خدا چاہتا ہے آخرت کو“

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس موقع پر خدا عرض دینا کیونکر فرماتا ہے۔ وہ عرض دینا کیا چیز ہے؟ اور فدیہ سیم و زر لینا اوس میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر اس میں داخل ہے تو حضرت ابو بکرؓ کی رائے اور پیغمبرؐ کے عمل کی مذمت ہوئی یا نہیں؟ اور اگر عرض دینا۔ میں فدیہ سیم و زر داخل نہیں ہے اور غلام بنالینا عرض دینا۔ میں داخل ہے تو غلام بنالینے کی رائے کس کی تھی؟ مگر ذی علم مصنف کے سکوت سے صاف ظاہر ہے کہ غلام بنالینے کی رائے دراصل حضرت ابو بکرؓ کی تھی جسکی خدا نے مذمت کی ہی اور سیم و زر کا فدیہ لیکر چھوڑ دینا رائے پیغمبرؐ کی ہوئی جو مطابق مرضی خدا کی تھی قصہ بدر کے بعد ذی علم مصنف نے مدینہ کے یہودیوں کی عہد شکنی اور آنحضرتؐ کی اون پر چڑھائی اور اون کا گرفتار ہو کر مدینہ سے جلا وطن کرونا بیان کیا، لیکن حضرت عمرؓ کا کوئی کارنامہ بیان اوس واقعہ میں کچھ ظاہر نہیں کیا۔



پر متعین کیا کہ او دہر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں اور زہرے اپنی رکاب کی فوج  
 کو لیکر قریش کے مہمنہ کو شکست دی۔ حضرت حمزہ۔ حضرت علی۔ ابو دجانہ۔ سہم  
 کی فوج میں گہس گئے اور ان کی صفیں الٹ دیں۔ فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ  
 پڑے۔ ذی علم مصنف نے حضرت عمر کی حالت خاموشی دکھائی ہے۔ یعنی سمجھ  
 ظاہر نہیں کیا کہ انہوں نے کوئی حرکت کی؟ یا لشکر مخالف پر کوئی حملہ کیا؟ یا کسی  
 سے مقابلہ یا مقاتلہ کیا؟ اگر کسی کو قتل یا زخمی نہیں کیا تو خود ہی زخمی ہوئے؟  
 جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کے لشکر میں امن کی جگہ جنگ کا ماشہ دیکھتے رہے  
 اور کسی قسم کی مدد انہوں نے فتح میں نہیں دی۔ یہ مصنف نے اس فتح کو بعد کا  
 واقعہ بیان کیا ہے کہ "لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیر انداز بھی لوٹنے میں  
 مصروف ہوئے۔ خالد نے عقب سے حملہ کیا مسلمان اس ناگہانی مرد کو نہ روک  
 سکے کفار نے رسول اللہ پر تیرون اور پتھروں کی بوچھاڑ کی آپ کے دندان  
 مبارک شہید ہوئے (شیعہ روایت ائمہ اہلبیت سے اس بات کے قایل ہیں  
 کہ دندان مبارک میں درز آگئی تھی) پیشانی پر زخم آیا۔ رخسار و نین مغضری کٹ گیا  
 چہچہ گئیں۔ ایک گٹر ہے میں گر پڑے لوگوں کی نظر سے چھپ گئے۔ غل پڑ گیا  
 رسول اللہ مارے گئے۔"

پیغمبر کی خبر شہادت | اس واقعہ کے بعد ذی علم مصنف نے اہل صحابہ کی  
 تعداد میں اختلاف ظاہر کیا ہے کہ آنحضرت کو ساتھ  
 اخیر وقت تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے۔ لیکن اہل صحابہ میں ذی علم مصنف  
 نے حضرت عمر کا نام نہیں لیا۔ گویا ظاہر کرتے ہیں کہ "تمام رواتوں پر نظر ڈالو  
 سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ



لوگ تو ایسے سراپیمہ ہوئے کہ اونہوں نے مدینہ سے ادھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے بالوس ہو کر سپردالدی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمر اس تبصرے گروہ میں تھے، افسوس ہے کہ ذی علم مصنف حضرت عمر کی تربیت کے ذکر میں ابھی یہ رائے دیکھ چکے ہیں کہ ”حضرت عمر نے پہلوانی اور کشتی اور شہسوار کے فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا اور جب موقع آزمائش کا آیا تو ذی علم مصنف نے اونکی نسبت یہ رائے دی ہے کہ وہ اوں گروہ میں نہی کہ جنہوں نے سپردالدی جھکنا بہت تعجب ہے کہ ایک موقع پر تو وہ کمال مصنف حضرت عمر کا ظاہر کرنا اور دوسرے موقع پر خلاف اسکے اوس کمال کی ضد پر اونکا قلم اٹھا۔ مگر ضرورت وقت جب کسی بادشاہ کی مدح کا وقت ہوتا ہے تو اس کے اظہار مدح کے لئی زبان کھلوانی ہے اور واقعات زمانہ جب قدح کمال کرنے میں تو اوسی مصنف سے مجبوراً اہل حقیقت کھلواتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ نہ تھے مصنف کے اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حضرت عمرؓ بنی تمیم کے ساتھ نہ رہے نہ اون کو دست و بازو اور تیسرا گروہ جو بجائے گروہ قرار ہوں کے ذی علم مصنف نے بنایا ہے اور جس میں حضرت عمرؓ کو شمار کیا ہے اوسکی حقیقت بھی کھلی جاتی ہے۔

انس بن نضر کی حضرت عمرؓ سے ملاقات۔

کہ ”انس بن نضر نے حضرت عمرؓ اور طلحہ اور چند ہاجرین اور انصار کو بیٹھا دیکھا کہ پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو؟ اونہوں نے کہا رسول اللہؐ نے تو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہؐ کے بعد زندہ رہ کر کیا کر دے لڑکر مر جاؤ۔ انس یہ کہہ کر



دوسری روایت قاضی ابوالوسف سے خود حضرت علی زبالی اس بن صر  
واقعہ نقل کیا ہے۔ اوسمین انس کا اخیر جواب یہ مذکور ہے کہ "رسول اللہ  
شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے" جس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے  
کہ حضرت عمر کا ایمان خدا اور رسول پر حضرت انس کا سا نہیں تھا بلکہ ان کا  
ایمان پیغمبر کی زندگی تک تھا جس کا نشان دیگر روایات اور آیت قرآنی سے  
ملتا ہے:-

طلحہ سے زیادہ ثابت | ذی علم مصنف یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ "طبری  
قدیمی کی حقیقت" | کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہی کہ حضرت  
عمر کے ساتھیوں میں طلحہ کا نام ہی ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ اس معرکہ میں انس  
زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا۔

ہم کو اس سے بحث نہیں کہ طبری کی روایت کو ذی علم مصنف جہاں چاہیں  
سند میں لائیں اور جہاں چاہیں اوسکی روایت کو باطل ٹھہرائیں۔ لیکن طلحہ کی  
نسبت یہ کہنا اذکا کہ "اس معرکہ میں اونسے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں  
رہا تھا" صحیح نہیں ہے۔

طلحہ کی نسبت اگر یہ قبول کر لیا جائے کہ وہ آنحضرت کے ساتھ اخیر وقت تک  
رہے "تو بھی ان لوگوں کی ثابت قدمی زیادہ سمجھی جائیگی۔ (کہ باوصف پیغمبر کی  
وہ حالت ہو جانے کے جو بیان ہوئی) جنہوں نے کفار قریش کے مقابلہ میں  
ساتھ نہیں روکا اور کفار کے حملوں کو دفع کر کے پیغمبر کی حفاظت کی اور یہاں تک  
کہ اگر شہید ہو گئے۔ جسے حضرت امیر حمزہ باز بھی ہو ہو کر گھوڑے سے گری



اور پہر ٹھوڑے پر سوار ہو کر لٹھار پر حملہ اور اور اون کے دفع اور مسل میں  
بھی مصروف رہے اور پیغمبر کی خبر بھی لے لے جاتے تھے جیسے علی مرتضیٰ اور  
جن کے مقابلہ سے پہر دشمن پسپا ہوئے۔

جو کوئی اس معرکہ میں پیغمبر کے پاس رہا اور اسکی ثابت قدمی ہی بیشک  
قابل تعریف کے ہے لیکن جنہوں نے کہ اپنی ثابت قدمی اس درجہ پر دکھائی  
کہ کفار پر حملہ اور اون کے حملہ کو دفع اور قتل و قتال اون سے یہاں تک کیا کہ  
دشمنوں کو تاب مقابلہ نہ رہی اور پیغمبر کی ہی خبر لیتے رہے بمقابلہ اون کے یہ کہنا  
بھی صحیح نہیں ہوگا کہ "ساتھ رہنے والے سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا"  
جن لوگوں نے کہ کفار پر حملہ کیا اور کفار کے حملہ کو دفع کیا اون لوگوں نے  
درحقیقت حفاظت پیغمبر کی ہی کی اور اس کسی کی ہی جو پیغمبر کے ساتھ تھا۔

**حضرت عمر کی ثابت قدمی کی حقیقت** ذی علم مصنف اس واقعہ مغلوبی مسلمانوں اور  
حضرت عمر کے متعلق روایات کے بیان کے بعد

بالآخر حضرت عمر کی نسبت یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ "برابری کی حالت میں  
بھی حضرت عمر میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور جب آنحضرت کا زندہ ہونا  
معلوم ہوا تو فوراً خدمت اقدس میں پہنچے" اور اس کے لئے ایک اور روایت  
سے بھی سند لاتے ہیں "پہر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت  
کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لیکر پیٹھ کے ذرہ پر چڑھ گئے۔ اس وقت آپ کے  
ساتھ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ طلحہ بن عبد اللہؓ زبیر بن العوامؓ  
اور حارث بن صمۃؓ تھے"

لیکن خود انہیں روایتوں سے نتیجہ خلاف اس کے پیدا ہوتا ہے جو ذیل علم  
مصنف نے اپنی رائے نسبت حضرت عمر کے قائم کی ہے اور خود انہیں روایتوں



تینجین اوسوقت پیغمبر کے پاس پہنچے ہیں جبکہ دشمنوں کا حملہ جو پیغمبر پر ہو رہا تھا  
 اوس حملہ کو دفع کرنے والوں نے دفع کر کے میدان جنگ کو دشمنوں سے  
 خالی کر دیا تھا اور دشمن جو درمیان اوس مقام کے حایل تھے جہاں حضرت  
 عمر معہ اپنے ہمراہیوں کے علیحدہ بیٹھے ہوئے تھے اور اوس مقام گڈھی کو  
 جہاں پیغمبر معہ اپنے نہایت قلیل ہمراہیوں کے تھے اپنے مقام سے ہٹ  
 گئے تھے۔

ذی عالم مصنف نے جو یہ ظاہر کیا ہے کہ "حضرت عمر میدان جنگ سے نہیں  
 ہٹے" اور یہ بھی قبول کیا ہے کہ "سپر ڈالکر ایک مقام پر معہ اپنے چند ساتھیوں  
 کے بیٹھے ہوئے تھے" "اس میں یہ امر قابل غور کے ہے کہ" میدان جنگ کسکو  
 کہتے ہیں؟ "اور میدان جنگ اوس مقام سے جہاں حضرت عمر بیٹھے ہوئے  
 تھے جدا تھا یا نہیں؟

یہ امر صریح ہے کہ میدان جنگ اوس کو کہیں گے جہاں باہم فریقین کی  
 قتل و قتل ہوتا ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر معہ اپنے ہمراہیوں کے جس  
 مقام پر سپر ڈالکر بیٹھے ہوئے تھے وہاں باہم فریقین کے کسی قسم کا قتل و قتل  
 نہیں ہوتا تھا۔

میدان جنگ۔ وہ مقام جہاں حضرت عمر بیٹھے ہوئے تھے اوسوقت تسلیم  
 ہو سکتا تھا کہ جب حضرت عمر معہ اپنے ہمراہیوں کے متعدد جنگ اور دشمنوں سے  
 برسر مقابلہ ہوتے اور انکا معہ ہمراہیوں کے سپر ڈالکر جدا مقام پر بیٹھا ہوا ہونا خود  
 ولالت کرنا ہو کہ انہوں نے میدان جنگ کو چھوڑ دیا تھا اور اپنی حفاظت کی واسطی



اون پر حملہ آور نہوسکیں گے۔

سپر ڈالکر کسی دوسری جگہ چلا جانا اور وہاں باطمینان بیٹھنا بکار کر کہہ رہا ہے کہ "میدان جنگ سے حضرت عمر ہٹ گئے تھے"۔

جسوقت حضرت عمر سپر ڈالکر ایک جگہ معہ اپنے ہمراہیوں کے بیٹھے ہوئے تھے اسوقت میدان جنگ صریح وہی مقام تھا کہ جہاں پیغمبر کی حمایت اور نصرت کرنے والوں سے تلوار چل رہی تھی اور جہاں بازار کارزار گرم تھا۔ انس بن نضر کی روایت سے ظاہر ہے کہ اسنے حضرت عمر کو جس جگہ بیٹھو ہوئے دیکھا اور حضرت عمر کو ہدایت کی کہ تم کو چلکر اڑنا مرننا چاہئے یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اور اگر پیغمبر مر گئے تو خدا تو زندہ ہی۔ حضرت عمر نے گواہی لے لی۔ پر عمل نہیں کیا اور اس سے ایسے کلمے کہے کہ جس سے وہ بھی میدان جنگ میں نہ جائے۔ لیکن وہ حضرت عمر کے ارشاد کو قبول نہ کر کے اپنے ارادہ اور ایمان پر قائم رہ کر میدان جنگ میں آیا اور دشمنوں پر حملہ آور ہوا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ میدان جنگ اور مقام تھا۔ اور حضرت عمر میدان جنگ سے علیحدہ دوسرے مقام پر تھے اور اسکی نصیحت پر بھی میدان جنگ میں نہیں آئے۔

ایسی حالت میں حضرت عمر کی نسبت یہ کہنا کہ "وہ میدان جنگ میں نہیں ہٹے" قطعاً غلط ہے۔ جبکہ یہ بھی قبول کیا جائے کہ سپر ڈالکر ایک مقام پر معہ ہمراہیوں کے بیٹھے ہوئے تھے۔

اگر حضرت عمر معہ اپنے ہمراہیوں کے مثل انس بن نضر دشمنوں پر حملہ آور ہوتے تو دین خدا اور پیغمبر کو کس قدر نصرت پہنچ سکتی تھی۔ ایسی حالت میں صرف یہی کہنا کافی نہیں ہوگا کہ حضرت عمر میدان جنگ سے ہٹ گئے تھے۔



ان مور پر غور کرنے سے آسانی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب علی مرتضیٰ اور دیگر  
 جانبازوں نے جنگی تشریح تاریخ اسلام میں موجود دوسرے دشمنوں کو میدان سے  
 ہٹا دیا اور پیغمبر علی مرتضیٰ کے ساتھ معہ چن در قفا کے گڑھے سے نکل کر  
 بلندی پہاڑ پر نمودار ہوئے اور سوقت حضرت ابو بکر و عمر لوٹ لوٹ کر پیغمبر  
 کے پاس پہنچے ہیں چنانچہ خود حضرت ابو بکر فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے  
 واپس آنے والوں میں میں ہوں جنہوں نے اس شرف مقدم سے  
 حضرت عمر کو محروم رکھا۔

جب بلندی پہاڑ پر پیغمبر گڑھے سے نکل کر چڑھے اور مسلمان آپ کی  
 پاس پہنچے اور سوقت راوی نے جو لوگ پیغمبر کے پاس شروع سے تھے  
 اور جو لوگ بعد کو پہنچے سب کو یکجا کر کے بیان کیا ہے۔ ورنہ جو لوگ پہلے  
 ڈال کر چلے گئے تھے جب تک دشمن جو درمیان پیغمبر اور واپس آئے والوں کی  
 حائل تھا دفع نہ ہو جاوے وہ پیغمبر کے پاس پہنچ نہیں سکتے تھے۔ کوئی  
 روایت ایسی نہیں ہے کہ پیغمبر کے پاس پہنچنے والے دشمن بھی  
 خالی کر کے پیغمبر کے پاس پہنچے ہیں۔

بلاذوری کی تحقیق فرار عمر کی ذی علم مصنف کے ذہن میں یہ امر ضرور  
 بابت معہ روایت استدلی کا تھا کہ اونچی اس رائے کے خلاف کہ

حضرت عمر میدان جنگ سے نہیں ہٹے متعدد روایتوں سے حضرت  
 عمر کا میدان جنگ سے فرار کرنا ظاہر ہے جس سے ذی علم مصنف کی



کرتے ہیں کہ "حضرت عمر اور ان لوگوں میں تھے جو اُحد کے دن بھاگ گئے تھے  
 لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا" اور علامہ موصوف نے جو ایک روایت  
 نقل کی ہے اس کا خلاصہ ذی علم مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ "حضرت  
 عمر نے جب اپنی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو  
 ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ اتنے زیادہ مستحق  
 آپ کے فرزند عبد اللہ ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا ہنیں اس کا باپ اُحد کی  
 لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبد اللہ کا باپ (یعنی خود عمر) ہنیں  
 رہا تھا"

علامہ کی استدلال کی روایت میں | ذی علم مصنف علامہ بلاذری کے  
 قدح رواقہ کی حقیقت | قول فیصل اور رائے محقق کی نسبت

جو علامہ نے بعد تحقیق قائم کی ہے کچھ چون و چرا ہنیں کرتے ہیں لیکن روایت  
 کی نسبت یہ کہہ نہیں سکتے کہ "یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایت غلط ہے۔  
 کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علامہ  
 تسلیم ہی نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی اہم اوسپر  
 اعتبار ہنیں کر سکتے ہیں۔ علامہ موصوف نے جن روایت کی سند سے یہ  
 روایت بیان کی ہے ان میں عباس بن عبد المدا اور عیض بن اسحاق  
 ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں  
 اس کے خلاف ہیں۔

ذی علم مصنف نے راویوں کو جو غیر معتد قرار دیا ہے یہ اور ان کا  
 اور ان کے یہاں کے علماء کا ایک امر اختیار ہی ہے کہ جہاں جس روایت



روایت کہے جتنے ہیں اور جہاں ہیں روایت اور جہاں روایت کو لیا گیا  
 مقصود ہوتا ہی وہاں اون راویوں کی قدح ظاہر کر دیتے ہیں۔ ایسے  
 نشانات دکھانے سے ہم اجتنباب کرتے ہیں کہ بحث کو طوالت ہوتی ہے  
 لیکن اس روایت کو درایت جو غلط ہونا ذی علم مصنف قرار دیتے ہیں  
 اوہیں صرف اونکی ہی غلطی نہیں ہی کہ جس امر کو اونہوں نے روایت قرار  
 دیا ہی وہ روایت نہیں ہی اور قیاس کی  
 روایت کو درایت مصنف کی  
 غلط ظاہر کرنے کی حقیقت  
 بلکہ حضرت عمر پر ایک سخت عیب لگایا  
 ہے یعنی امر واقعہ کا جھپٹنا ذی علم مصنف حضرت عمر پر امر لازمی قرار دیتی  
 ہیں۔

اگر روز بنے کے مقرر کرنے کے وقت حضرت عمر استخفاق اور غیر  
 استخفاق پر (جبکی بنا سپر نہی کہ کون بہاگا اور کون ثابت قدم رہا) لحاظ  
 نہ کرتے اور بجائے ثابت قدمی کے فرار کو موجب استخفاق پاسداری سہی  
 قرار دیتے تو واقعہ کار و نہی نگہ میں کہ اسوقت سیکڑوں مسلمان ثابت  
 قدمی اور فرار سے آگاہ تھے حقارت ہوتی اور طرفداری ناحق کا عیب  
 ہر ایک کے دل میں مرکز ہو جاتا۔

اسوقت میں ہزاروں مسلمان حضرت عمر کے اہل کے دن کے  
 فرار سے آگاہ تھے کہ واقعہ ہی یوں تھا اور یہی روایت تھی۔ حضرت عمر کا  
 اسوقت علانیہ ایسے واقعہ کو جو روایت نہ تھا ظاہر نہ کرنا ایک اور نظر امر صریح  
 سے گزرنے کا مدعا کہ انہی جسک ذی علم مصنف قیاس سے مائل کرنا چاہتی ہیں



تمام روایتیں اس واقعہ فرار کے خلاف ہونگی جیسا کہ ذی علم مصنف ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن ذی علم مصنف اگر انکو تحریر کرتے تو معلوم ہوتا کہ ذی علم مصنف نے ان کے مقصود کو اپنی ذہن میں غلط قرار نہیں دے لیا ہے جیسا کہ حضرت عمر کے میں ان جنگ سے ہٹنے کو دو روایتوں اپنی منقولہ سے غلط قرار دیا ہے۔ مگر درحقیقت ایسی روایات ہیں نہیں ورنہ مصنف ضرور انکو اس موقع پر دکھائے۔

حضرت عمر کے فرار یوم احد کے متعلق کسبہ را اور روایتیں جو میری نظر سے گذری ہیں انکو پیش کرتا ہوں۔

روایات متعلق فرار عمرؓ حضرت عمرؓ نے ایک دن جمعہ کا خطبہ پڑھا۔

اور سورہ آل عمران کی جب اس آیت پر پہنچا۔ ان الذین لو اسلم یوم النقی الجحمان تحقیق کہ میں لوگوں نے منہ پیر دیا تم میں سے جس دن کہ بہر گنیں دو جہانیں۔ تو کہا کہ جس وقت کہ تھا دن احد کا ہزیمت پائی ہم نے اور بہاگامین یہاں تک کہ چڑھ گیا میں پہاڑ پر۔ ہر آمینہ اچکنا تھا۔ گویا میں برکتی تھا۔ اور اس وقت لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ محمد صلعم قتل ہو گئے۔

(تفسیر درمنثور سیوطی و شرح ابن ابی الحدید۔ اگرچہ معتزلی ہے مگر روایات کتب اہلسنت سے لیتا ہے۔)

”خود حضرت عمر کہتے ہیں جبکہ چلا یا شیطان کہ قتل ہو گئے آنحضرت صلعم

تو پیش آگیا مجھکو کہ میں جڑ مہنا تھا پہاڑ پر گویا میں بزرگوں ہی تھا۔“ (واقعی)

”تحقیق کہ شخصیں بہاگے دو لون دن احد کے اور پہرے عمر بلوچتے

آلتوا اپنے اور مانگتے تھے علیؓ سے معافی۔ پس کہا علیؓ نے آیا نہیں تھو تم

نداکر نے واسے کہ قتل ہو گئے محمد صلعم۔ پس پلٹ جاؤ طرف دینوں اپنی کے۔



پس کہا کرتے اور کہا کرتے ہیں کہ جو لوگ پلٹ گئے تم میں سے دن ملنے دو جماعت کے۔ بیشک ڈگادیا اون کو  
شیطان نے۔ (مسند احمد ج ۱)

”تحقیق کہ عمر نے بخشش دی ایک مرد کو چار ہزار درہم اور زیادہ کئے  
اوس کو ہزار۔ کیسے کہا کہ اپنے بیٹے کو نہیں زیادہ کرتے ہو جیسا کہ اوس کو زیادہ  
کیا۔ پس فرمایا ادھون نے تحقیق کہ یہ وہ شخص ہی کہ ثابت رہا باپ اوس کا  
دن احد کے اور نہیں ثابت رہا باپ اس کا۔ (ربیع الا برار از مخشری باب ۵۲  
عدل والصفاء)

”ایک عورت حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں روماء نگئے آئی منجملہ اون  
رواؤن کے کہ جو اون کے آگے تھیں۔ اور خود اون کی (حضرت عمرؓ) لڑکی  
بھی اوس کے ساتھ آئی جو روماء نگئی تھی۔ پس دی ادھون نے روماء اوس  
عورت کو۔ کیسے ابارہ میں کچھ کہا تو فرمایا کہ اوس کا باپ ثابت قدم رہا۔  
دن احد کے اور نہیں بہا گا اور تحقیق کہ باپ اس (دختر) کا بہا گا دن احد کے  
اور نہیں ثابت قدم رہا۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید)

”تفسیر کبیر اور تفسیر نیشاپوری میں تحت اوس آیت کے جس کا ذکر اوپر ہوا  
لکھا ہے کہ ”ہزیمت پالنے والوں میں عمرؓ تھے مگر اہل ہزیمت پانہوا لو نہیں  
نہیں تھے اور دور نہیں چلے گئے بلکہ پہاڑ پر جم رہے تھے یہاں تک کہ  
چڑھے نبی صلعم“

ہزیمت شکست پا کر بہا گئے کو کہتے ہیں۔ اگرچہ صاحب تفسیر کبیر و تفسیر  
نیشاپوری نے حضرت عمرؓ کو ہزیمت پالنے والوں میں قرار نہیں



کہ جو ایسے مقام دور دراز کو چلے گئے تھے جو مین روز کے بعد واپس آئے لیکن  
اوس اندازہ فرار سے حقیقت فرار مین کوئی فرق نہیں آتا۔

ان تمام روایات سے جنگا ذکر ذی علم مصنف نے متروک کیا ہے اور جنہر  
جرح او کو نہایت دشواری نہی حضرت عمر کا فرار میدان جنگ سے صریح ظاہر  
ہے اور علامہ بلاذری کی رائے نسبت فرار عمر کے محققانہ فرار پانی ہی مقابلہ  
اوس کے رائے ذی علم مصنف کی ایسی ٹہرتی ہے کہ جس کے پیر نہوں۔ جو  
روایتین ذی علم مصنف نے انس بن لفر کی لکھی ہیں اور جو روایتین کہتے  
پیش کیں اون کو مضامین کی خبر آیات قرآنی مین موجود ہے۔

”وَقَدْ كُنْتُمْ مَعَهُ الْمَوْتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَآيْتُمْ وَاسْمِعْتُمْ  
تَنْظُرُونَ“

”اور البتہ تحقیق تہی تم کہ ارز و کرتے تھے تم موت کی (وقت جہاد) قبل اسکو کہ  
ملاقات کر دتم اوس موت کو پس تحقیق دیکھا تم نے اوس موت کو (ہنگامہ  
موت کو) اور تم دیکھ رہے تھے“ (کہ مومنین کس طرح لڑ رہے ہیں۔ اور  
مر رہے ہیں)“

”ان الذين تولوا منكم يوم التقى الجمعان“ تحقیق کہ جن لوگوں نے مومنہ پیہر لیا  
انما استزلتهم الشيطان“ [تم مین سے دن ملنے دو جماعتوں کے  
بیشک ڈکا دیا اون کو شیطان نے]“

”وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسول“ اور یہی محمد مگر رسول تحقیق کہ گذری  
افان بات او قتل القلبتہ علی اعقابکم الخ [ہین پہلے اس سے رسول کیا پس  
اگر مر جائے یا قتل ہو جائے۔ پہر جاؤ گے تم او پر ایڑوں اپنی کے۔ اور جو کوئی  
کہ پہر جائے او بر دو لون ایڑوں اپنی کے پس ہرگز ضرر نہ دیگا وہ خدا کو کچھ]“



”اذلھن و ن ولا لھن و ن“ جسوقت کہ چپے جائے ہے ہم اور ہن لڑے ہو  
احد الرسول یدعوکم فی آخر کلم ” تم کسی پر اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہاری بھی  
نتیجہ روایات و آیات کا ذی علم مصنف نے جو امور کہ حضرت عمرؓ کی نسبت

قبول کئے اور جو امور دوسری روایتوں سے حضرت عمرؓ کی نسبت ظاہر میں  
اہل نظر دیکھ لیں کہ وہی مضامین آیات قرآنی میں ہیں یا نہیں؟ اور ان  
امور کی خدا نے مذمت کی ہے کہ یا نہیں؟ اور آیا یہ آیات شانیں حضرت  
عمرؓ کی سمجھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے بعد خود اہل نظر سمجھ لیں گے کہ ذی علم  
مصنف نے جو رائے حضرت عمرؓ کی نسبت ظاہر کی ہے وہ خلاف مضامین  
آیت قرآنی کے ہے یا نہیں اور کہاں تک ایسی رائے کی وقعت لوگوں کی  
نگاہ میں ہو سکتی ہے؟ یہ سچ ہے جیسا کہ مصنف بحوالہ علامہ بلاذری لکھتے ہیں  
کہ جنگ احد کے فراریوں کو خدا نے معافی دیدی۔ لیکن جنگ حنین میں جو  
لوگ بہاگے جنہیں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اوسکی معافی خدا نے نہیں دی  
اور صرف یہ فرمایا کہ ”ثم ولتم مدبرین“

حضرت عمرؓ کے خالد کو حملہ ذی علم مصنف ایک یہ واقعہ بھی ظاہر کرنے  
کر کو مٹا دینے کی حقیقت میں کہ ”خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ

آنحضرتؐ کی طرف بڑھے رسول اللہ اسوقت تیس صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر  
تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھا فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے  
پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا  
اور انکو مٹا دیا۔

اگرچہ اس واقعہ کی نسبت ہم اپنے رسالہ روشنی کی پانچویں جلد (صفحہ ۱۱)



اس واقعہ کی نسبت مورخین اہلسنت نے مختلف طور سے روایتیں نقل کی ہیں ایک تو یہی ہے کہ "پیغمبر پہاڑ پر معہ چند مسالون کے چڑھ گئے تھے اور کفار کو آتے ہوئے دیکھ کر پیغمبر نے فرمایا کہ "خدا یا یہ لوگ یہاں تک نہ آتے پائین۔ اور حضرت عمر نے معہ چند مہاجر اور انصار کے اونکو مٹا دیا جیسا کہ ذی عام مصنف فی سیرۃ بن ہشام اور طبری سے لیا ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ "پیغمبر کہانی پہاڑ میں معہ چند اصحاب کے تھے کہ قریش پہاڑ پر چڑھ گئے اور پیغمبر نے فرمایا کہ اے اللہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ہم پر چڑھ آئیں۔ اوسوقت عمر بن خطاب اور ایک جماعت مہاجرین فی قتال کیا تب وہ پہاڑ سے اترے۔" جیسا کہ ازالۃ الخفاء میں جو انہ ابن اسحاق لیا گیا ہے۔

ایک صورت اقدسی میں خود حضرت عمر سے یہ مروی ہے کہ "جب پکارا شیطان نے یہ کہ قتل ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو چڑھا میں پہاڑ پر مانند بز کو ہی کے اور پہونچا میں پاس آنحضرت کے کہ آپ فرماتے تھے (آیت قرآن) نہیں محمد مگر رسول بیشک گذر گئے ہیں اوس سے پہلے بہت رسول۔ پس اگر مر جا یا قتل ہو جائے پہر جاؤ گے تم اولٹے پاؤں۔ اور جو کوئی پہر جاویگا۔ اولٹے پاؤں نہ بگاڑیگا اللہ کا کچھ۔ اور قریب ہے کہ جزا دے اللہ شکر کرنے والوں کو اور تھے ابوسفیان نیچے پہاڑ کے فرمایا آنحضرت نے۔ اے اللہ نہیں ہونا چاہئے یہ کہ وہ چڑھ آویں ہم پر کہ شکست کہانی اوہوں نے۔"

اس روایت میں جو خود حضرت عمر سے منقول ہے شیطان کا پکارنا کہ محمد قتل ہو گئے۔ اور حضرت عمر کا پہاڑ پر کو ہی ہز کی مانند چڑھ جانا۔ اور پہونچنا اوکا پیغمبر کے پاس اور پیغمبر سے مضمون آیت سننا کہ اگر محمد مر جائے یا قتل ہو جائے



صلعم کا فرمانا کہ اے اللہ نہیں ہونا چاہئے یہ کہ وہ چڑھ آئیں ہم پر اور ان لوگوں کا شکست کھانا سب کچھ موجود ہے۔ مگر

حضرت عمر کا چند مہاجر و انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کرنا اور ان لوگوں کو ہٹا دینا۔ مذکور نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ حضرت عمر کا حملہ کر کے کفار کو ہٹا دینا جن روایتوں میں مذکور ہوا ہے وہ مضمون ان کا غلط اور وضعی ہی۔

درحقیقت یہ روایت دو حصوں پر مشتمل ہی ایک حصہ اسکا وہ ہے کہ جس میں حضرت عمر نے اپنی سرگزشت بیان کی ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے کہ جب وہ حضرت پیغمبر کے پاس پہنچے ہیں تو اس وقت انہوں نے وہاں ان ہی سنا ہے اور معلوم کیا ہے۔

جو حصہ کہ حضرت عمر کی سرگزشت کا ہے وہ یہ ہے کہ جب پکارا شیطان نے کہ آنحضرت صلعم قتل ہوئے تو میں پہاڑی بڑ کی طرح پہاڑ پر چڑھا اور آنحضرت صلعم کے پاس پہنچا جو اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ نہیں ہے محمد مگر رسول۔ بیشک گذر گئے ہیں اس سے پہلے بہت رسول۔ پس اگر مر جائے یا قتل ہو جائے۔ پہر جاؤ گے تم اولٹے پاؤں؟ اور جو کوئی پہر جاؤ گا اولٹے پاؤں وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑیگا۔

اس حصہ میں جو حضرت عمر کا پہاڑ پر شل بن کر وہی چڑھ جانا اور پہر پیغمبر کے پاس پہنچنا مذکور ہے یہ دو واقعہ جدا گانہ ہیں انکو یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بلا وقفہ واقع ہوئے ہیں:-

پہر پہر کا پہاڑی بڑ کی طرح پہاڑ پر چڑھ جانا اس وقت کا ہی



صلعم قتل ہو گئے اور حضرت عمر پہاڑ پر چڑھ کے اسکی کہانی میں سپردِ اال کے مع اپنے ساتھیوں کے جا بیٹھے ہیں۔

اور حضرت عمر کے پیغمبر کے پاس پہنچنے اور پیغمبر سے مضمون آیت سننے کا وہ وقت ہے کہ بعد ہزیمت کے بقیہ مسلمانوں نے جب یہ کفار کو ہزیمت دی ہے اور پیغمبر بلندی پہاڑ پر چڑھ گئے ہیں۔

ان دونوں واقعوں جداگانہ میں وقفہ کے ہونیسے کسبکار نہیں ہو سکتا۔ دوسرا وہ حصہ روایت کا کہ "جب حضرت عمر پیغمبر کے پاس پہنچے ہیں اور انکو وہاں معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ" ہے ابوسفیان نیچے پہاڑ کے فرمایا انحضرت صلعم نے اے اللہ نہیں ہونا چاہئے یہ کہ وہ چڑھ آوین ہمپر سوشکت کہانی اور نہوں نے۔

یہ واقعہ حضرت عمر کا چشمہ دید نہیں تھا۔ بلکہ جب وہ پیغمبر کے پاس پہنچے ہیں تب انکو اس واقعہ کا علم ہوا ہے۔

اس واقعہ میں جو یہ ذکر ہے کہ ابوسفیان نے شکست کہانی یہ واقعہ اوسی وقت کا ہے کہ ابوسفیان نیچے پہاڑ کے تھے اور پیغمبر بھی زخمی ہو کر گڑھ میں گر چکے تھے اور کفار پیغمبر پر حملہ کرتے چلے آتے تھے اوسوقت پیغمبر نے فرمایا کہ اے اللہ نہیں ہونا چاہئے یہ کہ وہ ہمپر چڑھ آئیں یعنی ہم تک آنے نہ پائیں کہ علی مرتضیٰ اور چند دیگر مہاجر و انصار نے حاکم کفار کو دفع کیا اور انکو ہزیمت دی اور پیغمبر کی دعا کو خدا نے مستجاب کیا۔

صریح ہے کہ ابوسفیان کے اسوقت شکست کہانے کے وقت حضرت عمر



جس سانحہ کا کہ اذکو علم ہوا کجا بیان کیا ہے اور جسکی تفریق خود روایتوں اہلسنت  
بخوبی ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کا پہاڑ کے نیچے ہوتا بیان کیا ہے اور یہ نہیں  
بیان کیا ہے کہ اسوقت پیغمبرؐ کہاں تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے بیان میں ابوسفیان  
کا شکست کہانا موجود ہی تو خواہ مخواہ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ پیغمبرؐ بھی گہاٹی پہاڑ میں  
جہاں گھر گئے تھے موجود تھے۔

تمام مورخ متفق ہیں کہ گڑھے سے پیغمبرؐ جب نکلے ہیں اور پہاڑ پر چڑھے  
ہیں تو علیؓ مرتضیٰ ان کے ساتھ تھے۔ اگر قبل ہزیمت کفار کے پیغمبرؐ پہاڑ پر  
چڑھتے اور علیؓ مرتضیٰ ان کے ساتھ نہ ہوتے تو کفار کو پیغمبرؐ کے پاس تک نہ  
آنے دینے کے لئے روکنے والا کون ہو سکتا ہے۔

یہ ہزیمت کفار کی حضرت عمرؓ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی ہے جسکا ذکر حضرت  
عمرؓ نے کیا ہے وہ اسوقت گہاٹی پہاڑ میں سپردا لے ہوئے بیٹھے تھے۔  
ہم کو یہ دیکھنا بھی چاہئے کہ جو صورت واقعہ ذی علم مصنف نے ظاہر کی ہے  
مگر کہ احد میں کوئی وقت ایسا ہو سکتا ہے کہ جسوقت وہ واقعہ حضرت عمرؓ ظہور میں  
لائے ہوں۔

جس واقعہ کا بیان ذی علم مصنف نے کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ  
اسوقت تک دوبارہ دشمنوں کو ہزیمت نہیں ہوئی تھی اور دشمن میدان جنگ میں  
موجود تھے کہ ایک دستہ فوج کا خالہ لیکر اسحضرت کی طرف کو بڑھتا ہے۔ یہ وقت  
ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ پیغمبرؐ کے پاس بلندی پہاڑ پر پہنچے ہوں۔ اسکی



اوسکے بعد حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے ہیں جیسے کہ اور بہانے والے آگے بھی  
پیغمبرؐ کے پاس آگئے ہیں۔

پس یہ واقعہ کہ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین و انصار کے ساتھ خالد اور  
دستہ فوج پر آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا کسی طرح صحیح تسلیم  
نہیں ہو سکتا۔

جبوقت کہ خالد مع دیگر دشمنوں کے میدان جنگ میں موجود تھے اوسوقت  
حضرت عمرؓ چند مسلمانوں کے ایک درہ کوہ میں بیٹھے ہوئے تھے جسکا ذکر روایات  
انس بن نضر میں ہے اور خود حضرت خالد سے روایت ہے کہ جبوقت لوگ ہٹی  
احد میں تو حضرت عمرؓ کو خود میدان لے گہالی میں جانے ہوئے دیکھا جس سے ظاہر ہے  
کہ وقت غلبہ کفار کے حضرت عمرؓ گہالی میں چلے گئے تھے اور وہ گہالی سے اوسوقت  
نکلے ہیں جب کفار کو علی مرتضیٰ کی بے نظیر شجاعت سے ہزیمت ہو گئی ہے اور  
پیغمبرؐ بہاڑ پر چڑھ گئے ہیں پس حضرت عمرؓ کا خالد اور اوسکے دستہ فوج کو حملہ کر کے  
ہٹا دینا قطعی و ضعی ہی۔

حضرت عمرؓ کی ابوسفیان کو ذی علم مصنف اخیر میں معرکہ احد کے متعلق ایک  
لکھارنے کی حقیقت یہ واقعہ بھی حضرت عمرؓ کی نسبت ظاہر کرتی ہیں کہ

”ابوسفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں  
یا نہیں؟ آنحضرت نے اشارہ دیا کہ اے ابوسفیان نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت  
ابوبکرؓ کا نام لیکر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے  
کچھ جواب نہ دیا تو ابولہ کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا پکار کر کہا



تھا) یعنی اہل بلد ہو۔ رسول اللہ نے حضرت عمر سے فرمایا جواب دو۔ اللہ اعلیٰ  
واجل۔ یعنی خدا بلند و بڑا ہے۔

اس موقع پر حضرت عمر کا موجود ہونا مشکل سے قبول کیا جاسکتا ہے۔  
واقعات تاریخی دکھا رہے ہیں کہ جب کفار کو ہزیمت ہو چکی ہے تب حضرت  
عمر پیغمبر کے پاس پہنچے ہیں اور اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کفار کو ہزیمت  
نہیں ہوئی تھی اور حضرت عمر پیغمبر کے پاس موجود تھے۔

ذی علم مصنف نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ ابوسفیان درہ کے قریب کس وقت  
آن کر پکارتا تھا۔ آیا اس وقت کہ ابوسفیان کو شکست ہو گئی تھی یا نہیں؟ اگر شکست  
ہو گئی تھی تو پہر شکستہ دل اور شکست یافتہ لوگوں کی عادت اس امر کو قبول  
کرنے نہیں دیتی کہ وہ اپنی دشمنوں کے قریب آکر کوئی ایسا امر اونی دریافت  
کریں کہ جس سے پہر مقابلہ شروع ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور

اگر ابوسفیان کو اس وقت ہزیمت نہیں ہو چکی تھی اور اس وقت غلبہ پانیوالی  
جماعت اس کے ساتھ تھی اور یہ بھی وہ جانتا تھا کہ قلیل مسلمان اس موقع پر  
ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلعم زندہ ہیں تو پہر اس نے اپنی قلیل  
دشمنوں پر حملہ کر کے ان کو نیست و نابود کر دینے کی کوشش کیوں نہ کی کہ یہ امر  
خلاف گرجوشی ابوسفیان کے تھا۔

بااینہما اس واقعہ سے نا فرمائی پیغمبر کی حضرت عمر کی نسبت بخوبی ظاہر ہے۔  
پیغمبر نے کسی مصلحت سے یہ اشارہ کیا تھا کہ ابوسفیان کو کوئی جواب نہ دے۔  
لیکن حضرت عمر نے خلاف ارشاد حضرت صلعم کے پکار کر کہا کہ "او دشمن خدا

ہے۔ میں نے اس کو قتل کرنے کا ارشاد دیا ہے۔" اور حضرت عمر نے اس کے



علامہ اسکارا لیا۔ لیکن حضرت عمر کا اس موقع پر نافرمانی پیغمبر کی کرنا قابلِ عجب نہیں ہے۔ اونکو عادت تھی کہ ہمیشہ خلاف ایما اور منشا پیغمبر کے گرجو شمی ظاہر کرتے تھے جبکو اون کے سراہنے والے اون کے ایسے شیوہ کو اونکو فخر کے لئے چنتے رہتے ہیں۔

اگر یہ واقعہ تسلیم کیا جائے تو پیغمبر نے جو اس وقت یہ اشارہ کیا کہ ابوسفیان کے پکارنے کا کوئی جواب نہ دے اسکی مصلحت صریح ہے۔ کہ خدا خدا کر کے ابوسفیان اور اس کے لشکر کو ہزیمت ہوئی ہے جب وہ ادھر سے کوئی جواب نپاویگا تو اپنی حالت پر باقی رہیگا۔ لیکن جب اسکو یہ معلوم ہوگا کہ حضرت محمدؐ زندہ ہیں اور اونکو قتل کی خبر غلط مشہور ہوئی تو سخت اندیشہ تھا کہ نہایت گرجو شمی سے قتل آنحضرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے حملہ کیا جائے۔

پیغمبرؐ ابھی دیکھ چکے تھے کہ حضرت ابو بکر و عمر اور اکثر مسلمانوں نے اون کو اپنی حالت دیکھائی تھی۔ پیغمبرؐ نے جو ابوسفیان کا جواب دینے سے منع فرمایا اسکی مصلحت تو ظاہر تھی لیکن حضرت عمر سے جو نہیں رہا گیا اور پکارنے لگو کہ ہم سب زندہ ہیں اور میں کیا مصلحت تھی ۹۔

میں ذی علم مصنف کے اس فقرہ کو بہت تعجب سے دیکھتا ہوں کہ ”حضرت عمر سے نہ ہا گیا پکار کر کہا کہ او دشمن خدا۔ اہم سب زندہ ہیں“ جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ ابھی تو دشمنوں کے خوف سے حضرت عمرؓ نے سپر ڈالکر میدان جنگ چھوڑ کر پہاڑ کی گہالی میں پناہ لی تھی۔ اور ابھی حضرت عمرؓ دشمنوں کو للکار کے پکارنے کو تیار ہو گئے۔ مگر میرے تعجب کو حضرت عمرؓ کی دانائی رفع کرتی کہ وہ ویسا ہی موقع تھا اور یہ ویسا ہی موقع تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی ہیبت پر شبہ رکھنے والے حضرت عمرؓ کی اس بالیسی کو بڑی نگاہ سے دیکھیں گو اور اون کی



سخت کو بیہ ہر دین کے نہ صحت مر بو سیان کا ہر یسٹ پان مار بین اوسو  
 کوئی کار نمایان نہیں ہو سکا تھا بلکہ قابل افسوس امر انکی شجاعت کے دامن پر  
 دہیہ لگانو والا ظہور میں آیا تھا) ناگوار خاطر ہونے سے البوسفیان کو ایسا جواب  
 دلوایا کہ وہ دوبارہ حملہ کر کے دشمن کا کام تمام کر دے اور خود حضرت عمر اوسی طریقہ  
 پر قریب رکھ کے اپنی جان کی حفاظت کر لیں کہ جس راہ پر ابھی اس معرکہ میں پہنچے  
 چڑھتے وقت اپنے قدم اوٹھائے تھے تاکہ نہ مسلمان باقی رہیں نہ اون کو باہم  
 کسیکی بھلائی اور کسیکی بُرائی کا چرچا۔ سب قصہ ہی مٹ جائے۔

یہ امر بھی خالی تعجب سے نہیں ہے کہ جب البوسفیان بولا کہ "یہ لوگ ضرور  
 مارے گئے" اور خلافت ایماء پیغمبر کے حضرت عمر نے پکار کر یہ تو کہا کہ "او دشمن خدا  
 ہم سب زندہ ہیں" لیکن جب البوسفیان نے کہا کہ "اے ہبل بلند ہو" اور وقت  
 حضرت عمر نے سکوت کیا اور کچھ جواب نہ دیسکے اور گویا البوسفیان کی قول کو  
 سکوت سے قبول کر لیا۔

یہ امر بھی قابل غور کے ہے کہ جب حضرت عمر نے البوسفیان کو تلکار کر  
 اطلاع دی کہ "او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں" تو اسوقت البوسفیان کو اسبات  
 کے کہنے کا کیسے موقع ہو سکتا تھا کہ "اے ہبل بلند ہو" اس بات کے کہنے کا  
 موقع اسوقت تھا کہ جب اس نے یہ جان لیا تھا کہ سب مارے گئے اور اپنی  
 فتح سمجھ کر کہہ سکتا تھا کہ "اے ہبل بلند ہو"

حقیقت اس واقعہ کی صرف اس قدر ہے کہ جبوقت حملہ کفار قریش سے مسلمانوں  
 نے پر لیشان ہو کر ہزیمت پائی اور پیغمبر زخمی ہو کر گدھے میں گر گئے اور پیغمبر کی  
 خنجر قتل اور گئی۔ اسوقت البوسفیان درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ "اس گروہ  
 میں محمد ہیں یا نہیں؟" جب پیغمبر کے اہلکار سے کہنے اسکو جواب نہ دیا تب



یہ جواب دیا کہ "خدا بلند و برتر ہے" آخر کار علی مرتضیٰ اور جو مسلمان کہ ثابت قدم  
ہے انہوں نے دشمنوں کو زیر کر کے ہزیمت دی اور پیغمبرؐ کی حفاظت کی ہے۔  
اس واقعہ میں حضرت عمر کا نام بے محل اور بے موقع خلاف واقعہ داخل کیا گیا ہے۔  
جیسا کہ ان جرحوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو ہم نے اس بیان میں کی ہیں۔

اور واقعات تاریخی کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ جس وقت مسلمان منتشر ہوتے رہے  
اور پیغمبرؐ خدا زخمی ہو کر ایک شیب میں گر گئے اور ان کے قتل کی خبر شہور  
ہو گئی تھی اس وقت ابوسفیانؓ تلاشِ صحت خبر قتل پیغمبرؐ کی کرتا تھا لیکن اس وقت  
سوائے علی مرتضیٰ اور دو چار مہاجر و انصار کے کہ جن ثابت قدموں کے نام  
کتب معازمی و سیر میں مذکور ہوئے ہیں اور جو میدان جنگ میں قتال  
اور دشمنوں کو پیغمبرؐ سے دفع اور پیغمبرؐ کی حفاظت کر رہے تھے پیغمبرؐ کے پاس  
نہ حضرت عمر تھے نہ حضرت ابو بکر نہ حضرت عثمان۔ قبل ہزیمت کفار کے حضرت  
ابو بکر و عمر کا پیغمبرؐ کے پاس ہونا۔ کس طرح صحیح قبول نہیں کیا جاسکتا۔

**نکاح حفصہ** | ذی علم مصنف معمر کہ احد میں جو شرف حضرت عمر کے لائق قرار  
دیتے تھے اس کے ختم کے بعد اسی سال حضرت عمر کو یہ شرف دیتے ہیں کہ "اویکی  
و ختر بیوہ حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد میں آئیں جنکا نکاح جاہلیت میں  
خنس بن خذافہ کے ساتھ ہوا تھا"

لیکن مجرد صاحبزادی حضرت عمر کا پیغمبرؐ کے نکاح میں آنا حضرت عمر کیلئے  
شرف نہیں ہو سکتا پیغمبرؐ طرح طرح کی مصلحتوں اور ضرورت کے لحاظ سے نکاح  
کر لے تھے یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے حضرت ابوسفیانؓ کی کہ وہ اس وقت تک حالت  
کفر میں رہے۔ حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لیا تھا جسما شرف حضرت ابوسفیانؓ



علی مرتضیٰ معاویہ بن سفیان کے خط کے جواب میں کہ معاویہ بن سفیان  
 نے ذکر قرابت بنی ہاشم سے کہا تھا صاف لکھ دیا ہی کہ "نکاح کرنا اور نکاح میں  
 دینا فعل اکفار ہے" یعنی کفر کی بات ہے اور جس کا مقصود یہ ہے کہ بنی ہاشم  
 سے مناکحت ہونا نہ بنی امیہ کے لئے باعث شرف اور فخر کا ہو سکتا ہے نہ بنی  
 ہاشم کے لئے عیب۔

اسی بنا پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پیغمبر نے جو نکاح دختر حضرت عمر سے کیا اور  
 کوئی شرف حضرت عمر کے لئے نہیں ہو سکتا۔

قبیلہ بنو نضیر میں | ۳۴۰ء میں ذی علم مصنف بنو نضیر کے واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں  
 حضرت عمر کی ہمراہی کہ "اون کے پاس حضرت پیغمبر حضرت عمر اور حضرت ابوبکر  
 کو ساتھ لیکر شریف لینگے تھے" لیکن کوئی خاص بات ایسی حضرت عمر کی نسبت  
 اس موقع پر نہیں لکھی ہے جس سے حضرت عمر کے لئے کوئی شرف حاصل ہو سکی صرف  
 پیغمبر کا حضرت عمر کو ساتھ لیجانا ایک معمولی بات ہے کون معرکہ ایسا ہے کہ جہاں  
 حضرت عمر پیغمبر کے ساتھ نہ گئے ہوں مگر دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس موقع  
 پر کیا کیا؟

جنگ خندق میں حضرت | ۳۵۰ء میں ذی علم مصنف معرکہ خندق یا خراب  
 عمر کے نام کی مسجد ذکر کرتے ہیں کہ "دس ہزار آدمی ابو سفیان کی

سپہ سالاری میں مدینہ کی طرف آئے۔ پیغمبر مدینہ سے باہر نکلا ایک خندق تیار  
 کرائی تھی اور دشمن نے محاصرہ کر کے رسد وغیرہ بند کر دی تھی۔ ایک مہینہ تک  
 محاصرہ رہا۔ آنحضرت نے خندق کے اوپر کچھ کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو



اون کے نام کی ایک مسجد آج بھی یہاں موجود ہے۔

ذی علم مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ وہ مسجد کس زمانہ اور کس عہد میں حضرت عمر کے نام کی کسے بنائی ہے اور وہ کیا کار نمایان حضرت عمر نے کیا تو جاسکی یادگار میں یہ مسجد اون کے نام کی بنائی گئی ہے۔ مقام جنگ خندق پر جس کو اخاب بھی کہتے ہیں بیشک ایک مسجد بنی ہوئی ہے اور وہ یادگار جنگ میں اور فتح جنگ میں بنائی گئی ہی جہاں کہ پیغمبر وقت محصور ہونے کے نماز پڑھتے تھے :-

اس لڑائی میں اگر حضرت عمر کے ہاتھ سے کوئی ایسا کار نمایان نوع میں آیا ہوتا کہ جسکی وجہ سے فتح اون کے نام ہوتی تو البتہ کسبہ قرین قیاس ہوتا کہ اونکی یادگار فتح میں یہ مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ لیکن ذی علم مصنف فتح اس جنگ کی حضرت علی کے ہاتھ پر قبول کرتے ہیں کہ اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پالنہ سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا اس کے ماری جانکر بعد اود ہر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی اود ہر نعیم بن مسعود نے لوڑ جوڑ سے قریش اور یہود میں پہوٹ ڈلوا دی اور کفر کا ابرسیاہ جو مدینہ کے افق پر تھا صاف ہو گیا۔

زبیر کی شرکت میں حضرت | البتہ ذی علم مصنف ایک واقعہ بہ شرکت عمر کا خندق میں حملہ | حضرت زبیر حضرت عمر کی نسبت بہ ظاہر

کرتے ہیں کہ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے زبیر کو ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور اونکی جماعت درہم برہم کر دی۔ اور خود ہی چاہیے



اس واقعہ کی نسبت یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "یہ واقعہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اسکی سند نہیں پائی۔"

کتب سیر و مغازی میں جنگ خندق کے واقعات بہت تفصیل سے مندرج ہیں لیکن شاہ ولی صاحب ہندوستان کے محدث فی گیارہ سو برس کے بعد اپنی جو دست طبع سے یہ واقعہ ایجاد کیا ہے اور جہاںسی یہ واقعہ ایجاد کیا ہے وہ وہ واقعہ ہی کہ جو دیگر کتب مغازی و سیر و خود ازالۃ الخفا میں موجود ہے اور جسکو ہم بھی حضرت عمر کے کمال فن کشتی و پھلوانی کے موقع پر اسی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطاب کے جبکہ وہ بعد قتل عمرو بن عبد و علی مرتضیٰ کے خوف سے بھاگا جاتا تھا قتل کے لئے اوسکے پیچھے ہوئے اوسنے جب اونکو آتے دیکھا پلٹا۔ حضرت عمر نے روگردانی اختیار کی اوسنے بڑھ کر حضرت عمر کے نیزہ کی نوک پشت میں چبھو دی اور کہا کہ یہ نعمت مشکور لینے جائے (ضرار بن خطاب نے عہد کر لیا تھا کہ کسی قبر لش کو قتل نہیں کرے گا)۔

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اوسوقت کا ہے کہ جب علی مرتضیٰ نے عمر بن عبد و اور اوس کے ہمراہیوں کو قتل کیا۔ اور کفار مقابلہ سے ہٹ گئے۔ بھاگتے ہوئے کفار کا پیچھا حضرت عمر نے کیا اور انہیں بھاگتی ہوئے کفار میں سے ضرار لوٹ پڑا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کے اوسے پیچھا کرنے کو حاکم قرار دیا ہے اور اوسے بھاگتی ہوئی جماعت کو کہا ہے کہ حضرت عمر اور زبیر نے اس جماعت کو متفرق کر دیا اور اس کے بعد ہی شاہ صاحب نے خود لکھا ہے کہ "اسی درمیان میں ضرار ابن خطاب لوٹ پڑا اور نیزہ حضرت



عمر کی طرف کو پہنچا اور کہا کہ یہ نعمت مشکورہ ہے کہ جو ثابت کی ہم نے تم پر  
 ذی علم مصنف نے شاہ ولی اللہ صاحب کی اس صنعت کو کہ حضرت عمر  
 اور زبیر نے جماعت کفار پر حملہ کیا اور اسکو متفرق کر دیا۔ یوں ادا کیا ہی  
 کہ "ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے زبیر کے  
 ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور انکی جماعت درہم برہم کر دی" اور ہزار کے  
 مقابلہ اور حضرت عمر کے نعمت مشکورہ حاصل کرنے کو ترک کر دیا جو درحقیقت  
 اوسمی تصویر پر جو شاہ صاحب نے پہنچی تھی ذی علم مصنف نے حضرت  
 عمر کا چہرہ خوبصورت دکھانے کے لئے رنگ آمیزی کی ہے۔

کچھ ایسی پر موقوف نہیں ذی علم مصنف نے معرکہ خندق میں دیگر اہل  
 واقعات کا بھی ذکر چھوڑا ہے کہ جس سے حضرت عمر کے چہرہ پر بدنام داغ  
 نمودار ہوتے ہیں:-

خندق میں تعمیل حکم پیغمبری | پیغمبر نے ایک رات اول حضرت ابو بکر  
 سے حضرت عمر کا انکار اور ان کے انکار پر حضرت عمر کو یہ حکم

دیا کہ فوج مخالف سے اجبار لاؤں۔ مگر دونوں حضرات نے استغفر اللہ  
 پڑھ کر جائیسے انکار کر دیا اور پھر حضرت خدیفہ نے تعمیل حکم پیغمبری کی  
 (تفسیر درمنثور للسیوطی)

عمر بن عبدود کی | جب عمرو بن عبدود مع چند دیگر شجاعان عرب کو گھوڑا  
 ہیبت حضرت عمر پر | کو داکر اس پار آ پہنچا اور چند بار اوسنے مبارز  
 طلب کئے اور پیغمبر ہر مرتبہ یہ فرماتے تھے کہ کوئی ایسا ہے کہ جو اسکو شری  
 نجات دلائے لیکن سوائے علی مرتضیٰ کے کوئی آمادہ اوس سے مقابلہ کا  
 نہیں ہوتا تھا اور کل مسلمانوں کی حالت سکتہ کی ایسی تھی کہ گویا ان کی



سرد نہر طائر بیٹھا ہوا ہی اوس پر حضرت عمرؓ نے جرات کر کے یہ فرمایا کہ "ایک مرتبہ  
 قافلہ پر ایک ہزار قزاقوں نے حملہ کیا اوسوقت اسی نے ایک بچہ شتر کو بچا  
 پس کے ہاتھ میں اوٹھا لیا تھا اور قزاقوں کا مقابلہ کر کے بہکا دیا تھا اوسکی  
 اوسکی ہیبت آج تک ہمارے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے" (صفحہ ۶۹ کتاب ۱۴)  
 ذی علم مصنف کو زیبا تھا کہ ایسی روائتوں سے حضرت عمرؓ کے چہرہ پر  
 جو داغ لگتے تھے اؤ کو اپنی قابلیت سے دھولے ورنہ سمجھا جائیگا کہ ذی علم  
 مصنف غازہ (پوڈر) سے جو مصنوعی ہوتا ہے اون کے چہرہ کو آراستہ  
 اور خوشنما کرتے ہیں۔

واقعات جنگ خندق سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ سے کوئی کارناما یا ان  
 اس جنگ میں ایسا نہیں ہوا کہ جسکی یادگار میں کوئی مسجد تعمیر کیجانی۔ بلکہ جو  
 مسجد مقام خندق میں موجود ہے وہ حضرت سلمان کے نام سے مشہور ہے  
 اوس نام سے اس مسجد کا مشہور ہونا ایک خاص مناسبت رکھتا ہے۔ نام  
 مورخ متفق ہیں کہ حملہ دشمن سے بچنے کے لئے بشورہ و صلاح حضرت سلمان  
 آنحضرتؐ نے۔ یہ خندق کہو دی تھی جسکے نام سے یہ عزوہ مشہور ہے۔  
 یہ مورخ جنگ خندق علی مرتضیٰ کے صرف ایک ہی ضربت سے سر ہو گیا  
 ہے جسکی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ ضرب علی یوم الخندق افضل  
 من اعمال امتی (۱) اعمال الثقلین ابی یوم القیامتہ "یہی حدیث مسجد  
 سلمان کی محراب میں کندہ ہے۔ اور زائرین دو رکعت نماز نفل اوس میں پڑھتے  
 ہیں۔ بجائے اسکے طرفداران حضرت عمرؓ کسی مسجد کو حضرت عمرؓ کی یادگار قرار  
 دینا چاہتے ہیں اور اؤ کی نام پر ڈیڑھ امیٹ کی مسجد بنانے میں قابل شرم  
 کے ہے :-



نوی عالم مصنف واقعہ حدیبیہ کے بیان میں جو شہد میں ہوا ہی حضرت عمر کی نسبت ایک یہ منظر ہر کرتے ہیں کہ آنحضرت نے خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندہ نہ کرے چلو راتہ میں حضرت عمر کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے ۱۱

حدیبیہ کی راہ میں پیغمبر کا حضرت  
عمر کی رائے سے تیار منگالینا

منگوائے تھے نہیں معلوم کے کہ ذی علم مصنف نے کہاں سے لکھا ہے کوئی  
سند انہوں نے اپنے اس بیان کی نہیں دی تاکہ اس بیان کی وقعت پر غور  
کیا جاسکتا۔ میں نے جہاں تک دیکھا کتب التواریخ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حبش  
مدینہ سے آنحضرت روانہ ہوئے ہیں تو کسی مسلمان کے پاس (بموجب ایک  
روایت کے) سو اے ایک تلوار کے اور کوئی ہتیار پاس نہ تھا اور یہ روایت  
بھی ہے کہ ہر چند حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہتیار ساتھ لے چلنے چاہئیں کہ ابوسفیان  
اور ان کے اصحاب سے کٹا ہے مگر حضرت نے فرمایا کہ میں اس بات کو دوست  
نہیں رکھتا کہ ہتیار باندھ کر عمرہ کو جاؤں۔ سعد بن عبادہ نے بھی عرض کیا کہ  
اے رسول اللہ اگر ہم ہتیار لے چلیں تو بہتر ہی ہے۔ اگر قوم نے تعرض کیا  
تو سلاح بغیر چارہ نہیں اور اگر تعرض نہ کیا تو کچھ ضرر بھی نہیں۔ پیغمبر نے فرمایا کہ  
میں ہتیار نہ اٹھاؤں گا اس لئے کہ عمرہ کو جاتا ہوں۔ مجھ کو کوئی روایت ایسی نہیں  
ملی جس سے مصنف کے قول کی تائید ہو۔ لیکن اگر ایسی کوئی روایت صحیح ہے  
بھی جس کے پیروں پر ذی علم مصنف نے راستہ میں حضرت عمرؓ کی رائے کے بموجب  
ہتیاروں کا منگوانا ظاہر کیا ہے :-

۱۷۱۰۱۸۱۹۲۰۲۱۲۲۲۳۲۴۲۵۲۶۲۷۲۸۲۹۳۰۳۱۳۲۳۳۳۴۳۵۳۶۳۷۳۸۳۹۴۰۴۱۴۲۴۳۴۴۴۵۴۶۴۷۴۸۴۹۵۰



قبول ہوئے۔ ہر ایک علم اور رائے بنظر صحت و قوت اور ضرورت زمانہ کو  
ہوتا ہی۔

جس وقت کہ پیغمبرؐ نے بغیر مسلح ہونے کا حکم دیا اور سوقت مقتضائے مصلحت  
یہی تھا اور جس وقت کہ رائے مسلح ہونے کی پیغمبرؐ نے قبول فرمائی اور سوقت ضرورت  
اویسی کی مقتضی تھی اگر حضرت عمرؓ رائے مسلح ہونے کی نہ دیتے تو یہی پیغمبرؐ اور سوقت حکم  
مسلح ہونے کا صادر فرماتے۔

حضرت عمرؓ کا بخون جان قریش مکہ | دوسرا امر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ جب مکہ  
کے پاس جانے سے انکار | دو منزل رہا تھا بشر بن سفیان نے

خردی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دینگے  
رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کو سفارت کے طور پر بھیجنا چاہا انہوں نے عرض کی  
کہ قریش کو مجھ سے عداوت ہے میرے خاندان میں وہاں کوئی حامی موجود نہیں  
ہے۔ عثمان کے عزیز واقارب رہتے ہیں اور انکو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آنحضرتؐ نے  
اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو کہہ بھیجا۔

اس واقعہ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ پیغمبرؐ کا انتخاب مناسب نہیں تھا۔ نہیں بلکہ  
بنظر امتحان وقعت و ہیبت اور قابلیت سفارت حضرت عمرؓ کے آنحضرتؐ کا یہ انتخاب  
نہایت مناسب تھا لیکن تعجب ہو کہ اگر حضرت عمرؓ کی ہیبت اور وقعت پیش قریش  
مکہ تھی اور انکا موروثی منصب سفارت عرب۔ اور ثالثی منافرة۔ کا تھا تو انہوں  
نے کیوں اپنی کمزوری دکھا کر منصب سفارت اور ثالثی منافرة سے استعفاء  
دیدیا۔

جب پیغمبرؐ نے دکھا کہ حضرت عمرؓ اس کام کے انجام دینے سے انکار کرتے ہیں



اور بجا آوری اوس خدمت سے بخوب جان ہر اسان ہوتے ہیں اور اپنے آپکو اوس خدمت کی بجا آوری کے قابل نہیں جانتے تب پیغمبر نے حضرت عثمان کو اس خدمت کے بجا لانیکی لئے منظور کر لیا جس سے الزام نافرمانی کا حضرت عمر کو ذمہ عاید ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے موقع ہی جہاں جان جو کہم ہو اجتناب فرماتے تھے۔

پیغمبر نے اس صحابی یا اوس صحابی کی رائے کو اگر قبول کر لیا تو اوس کے لئے شرف کا اندازہ اسی واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ اسی مقام حدیبیہ پر حضرت عمر کی رائے جنگ کے لئے تھی اور صلح کے وہ ایسے سخت مخالف تھے کہ "اگر تنویر شتر بھی شخص اونکو اون کے ہم خیال بلجائے" تو وہ خود فرماتے ہیں کہ "میں اس صلح کو بگاڑ دیتا" (مفتاح الفتوح) لیکن آنحضرت صلح نے عروہ بن مسعود کافر کی رائے اور مرضی سے اتفاق کیا اور صلح کر لی حالانکہ عروہ بن مسعود ثقفی فی بہت سخت کلمہ ہی آنحضرت کے صحابہ کو کہا تھا کہ

اس واقعہ سے یہ ظاہر ہے کہ بمقابلہ رائے و مرضی صحابہ کے کفار کی رائے اور مرضی کو منظور فرماتے تھے۔ اسی موقع صلح حدیبیہ پر بعد تکمیل صلحنامہ کو چند قریش نے جب آنحضرت صلح کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "بموجب شرط صلحنامہ کے اون غلاموں کو ہمیں واپس دیکھئے جو ہمارے آپ کو پاس چلے آئے ہیں اور حضرت ابو بکر و عمر نے یہ کہہ کر کہ "یار سون یہ لوگ سچ کہتے ہیں غلام واپس کر دیکھئے" قریش کی درخواست کی تائید کی تو آنحضرت نے قریش کی درخواست کو نامنظور کر دیا اور حضرت عمر کی مصدقہ رائے کو ناپسند فرمایا حالانکہ حضرت عمر اس صلح کے شدید مخالف تھے اور آنحضرت نے جس شان سے



ایسے شخص کو پہنچو گا جس کے اطمینان قلب کا خدا امتحان کر چکا ہے اور وہ  
 تمہارے ایسی تلوار میں لگاے گا کہ جسکی تم تاب نہ لاسکو گے اسپر فریش دم بخود  
 ہو گئے؟ ذی علم مصنف غور کریں کہ وہ جو جابجا حضرت عمر کی رائے کو  
 آنحضرت کا پسند فرماتا ظاہر کر کے حضرت عمر کے لئے فضیلت قرار دیتی ہیں  
 اس صحیح روایت سے اسکی حقیقت کی بنا ظاہر ہوتی ہے؟ اور طرہ اسپر آخری  
 حصہ اس روایت کا یہ ہے کہ "جب آنحضرت کے جواب کو سنکر فریش اور  
 حضرات شیخین چپ ہو گئے تو" اول حضرت ابو بکر اور پھر حضرت عمرؓ آنحضرت  
 سے پوچھا کہ آپ کے ارشاد میں جس شخص کی طرف اشارہ ہے آیا وہ ہم میں  
 آنحضرت نے فرمایا ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ جو بیٹھا ہوا میری نعلین درست کر رہا ہے  
 اور روایت لفریح ہے کہ "وہ علی مرتضیٰ تھے جو ایک سمت بیٹھے ہوئے نعلین  
 مبارک کی مرمت کر رہے تھے۔"

اصل امر یہ ہے پیغمبرؐ اس بات کو دیکھتے تھے کہ جو کھی جاتی تھی یہ نہیں  
 دیکھتے تھے کہ کہنے والا کون ہے؟ اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں آنحضرت کا ہر ایک  
 حکم اور رائے بنظر مصلحت وقت ہوتی تھی۔

بیعت الرضوان کو موقعہ پر تیسرا امر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "فریش فی  
 حضرت عمر کی جنگی سجاوٹ" حضرت عثمان کو روک رکھا اونکی شہادت

کی خبر مشہور ہوئی رسول اللہؐ نے صحابہ سے جہاد پر بیعت ایک درخت کے  
 نغمہ لے کر واقعہ بیعت شہد کے نام سے مشہور ہوا اور آیت کی مناسبت سے



اوسکو بیعت الرضوان بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے  
 لڑائی کی تیاری شروع کر دی اور اپنے صاحبزادہ عبد اللہ کو بھیجا کہ فلان  
 انصاری سے گھوڑا مانگ لاؤ۔ عبد اللہ نے دیکھا کہ آنحضرتؐ بیعت  
 لے رہے ہیں اور نہ ہونے جا کر بیعت کی حضرت عمرؓ کے پاس واپس آ کر  
 دیکھا کہ ہتیار سج رہے ہیں۔ عبد اللہ سے بیعت کا واقعہ سن کر آنحضرتؐ کو  
 بات پر بیعت کی۔

قبل بیعت حضرت عمرؓ کا لڑائی کی تیاری شروع کر دینا۔ اور کسی انصاری  
 گھوڑا مانگنا۔ اور ہتیاروں کا سبنا ایسے واقعات ہیں کہ جن کی صداقت  
 مشکل سے تسلیم ہو سکتی ہے۔ اس وقت تک پیغمبرؐ نے کوئی اعلان جنگ  
 نہیں کیا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ کا خود بخود لڑائی کے لئے تیاری کرنا۔ پیغمبرؐ سے  
 ایک قدم آگے بڑھنا۔ سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن جو کچھ کہ صورت واقعہ  
 پیش آئی تھی اوس سے حضرت عمرؓ کا بدحواس ہو جانا پایا جاتا ہے۔ کہ  
 اپنے سامان جنگ کے لئے کسی انصاری سے گھوڑا مانگنا اور نہ سمجھنا  
 کہ اگر حقیقت میں لڑائی کا وقت آگیا ہے تو کوئی انصاری اپنا گھوڑا  
 کیونکہ کبکھو دینے لگا۔ اور سوائے تلواروں کے کوئی اور ہتیار ساتھ  
 نہ ہے۔ پھر ہتیاروں کا سبنا لڑائی کے واسطے کیونکر تسلیم ہو سکتا ہے۔  
 مگر ذی علم مصنف نے اسی امر کی پیش بندی کے لئے پہلے یہ ظاہر کیا ہی  
 کہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق راستہ میں ہتیار منگوائے گئے تھے۔  
 عموماً ہتیاروں کا منگوانا کتب و تاریخ سے پایا نہیں جاتا۔ شاید حضرت  
 عمرؓ نے اپنی رائے کے بموجب خلاف ارشاد پیغمبرؐ پہلے سے ہی ہتیار رکھ لیں  
 ہوں یا راستہ میں منگوائے ہوں۔ اور یہ سوچ لیا ہو کہ کھٹکے کے وقت



کسی انصاری کا ہوا اسکا رجب کا شرف تھا۔  
 تاہم مجروح حضرت عمر کا مستند جنگ ہونا کوئی شرف پیدا نہیں کر سکتا ہے مستند  
 جنگ ہونا اس وقت مفید حصول شرف کے لئے ہو سکتا ہے کہ جب انسان معرکہ  
 جنگ میں ثابت قدم رہے اور کوئی کار نمایاں دکھادے۔ اس موقع پر نوبت جنگ کی  
 نہیں پہنچی تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ حضرت عمر نے ثابت قدمی اور کسی کار نمایاں  
 کرنے میں کس قدر حصہ لیا۔ اور بعد اس کے جن جن موقعوں پر جنگ ہوتی ہی اوسکو  
 واقعات تاریخی خود دکھاتے ہیں کہ حضرت عمر نے کس چیز میں شرف حاصل کر لیا  
 لئے حصہ لیا ہے۔

بیعت شجرہ یا بیعت رضوان سے حضرت عمر کو کوئی فخر نہیں ہو سکتا ہے  
 درحقیقت خود یہ موقع بیعت لینے کا شرمناک ہے۔

بیعت تحت شجرہ ایک بیعت نازہ تھی خود اسکا وقوع خبر دیتا ہے کہ پیغمبر کو  
 اس بیعت پر جو ہر ایک مسلمان نے وقت قبول اسلام کی تھی اطمینان نہیں  
 تھا جس وقت یہ بیعت لی گئی ہے اور مہاجر و انصار سے کہ جو اس وقت حاضر تھے  
 اس بیعت کی سخت ضرورت تھی کہ پیغمبر کو خبر ہو چکا تھا کہ اصحاب اور ان کو ایسے ہی  
 ہیں کہ جو وقت کا رزار کے فرار پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ

اسی موقع حدیبیہ میں صلح کی مصلحت کے اندازہ کرنے کے وقت حضرت عمر اور  
 پیغمبر سے جو گفتگو ہوئی ہے جسکا ذکر ابھی آویگا حضرت عمر کی طرف پیغمبر نے متوجہ  
 ہو کر فرمایا کہ "تم بہول گئے بوم اُحد کو کہ بھاگے جاتے ہو تم اور میں بھارتا تھا  
 اور کوئی تم میں سے میری طرف ملتفت نہیں ہوتا تھا"

معیت ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کا فعل اسکا ایفا نہیں ہونا بلکہ مجروح و معاہدہ



ان الذین یبالیعونک انما یبالیعون الدین  
 ید المد فوق اید یهم فمن نکث فانما ینکث  
 علی نفسه ومن اوفی بآمانه علیہ المد فیوتبھا  
 اجر عظیم ۝

نفس پر (ضرر اور سزا دے سکتی جا نہیں ہے) اور جو کوئی پورا کرے عہد کو (بہاگے  
 نہیں اور قائم رہے) ساتھ اس چیز کے کہ عہد کیا ہے اور پر اس کے خدا اسی  
 پس قریب ہے کہ دے گا (خدا) اس کو اجر عظیم ۝

اس بیعت کو جس آیت کی مناسبت سے بیعت رضوان کہا جاتا ہے اور اس کا  
 ترجمہ یہ ہے "البتہ تحقیق راضی ہوا خدا مومنین سے جس وقت کہ وہ بیعت کرتے  
 تھے تجھے نیچے درخت کے پس جانا خدا نے اس چیز کو جو بیع و لون اون کو  
 کے ہے پس نازل کی اللہ نے تسکین اور پر اون کے اور ملیگی اون کو  
 فتح قریب۔ اور غنیمتیں بہت لیں گے وہ اور خدا غالب اور حکمت والا ہے ۝  
 خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی اور محبت ہر کسی کا فر اور مشرک کے  
 بھی اور سوقت ہو جاتی تھی جب وہ خدا کو معبود اور حضرت محمد کو رسول مان لیتا  
 تھا اور وہ خوشنودی خدا اور رسول کی اور سوقت تک باقی رہتی تھی جب تک کہ  
 ارتداد یا کوئی فعل خدا یا رسول کی مرضی کے خلاف ظہور میں نہ آوے اور جب  
 ایسا ہوتا تھا تو وہی خدا و پیغمبر اس سے ناخوش اور مبزر ہو جاتے تھے۔  
 درحقیقت عموماً مہاجرین اور انصار کی حالت ایسی تھی کہ کیفیت وہ  
 کار پسندیدہ کرتے تھے۔ تب خدا کی طرف سے اون کے مدائح نازل ہوتے  
 تھے اور جب وہ کار نامہ پسندیدہ کرتے تھے تو خدا ان کو رسوا کرتا تھا یہ دونوں



حالتین مہاجر اور انصار کی قرآن میں موجود ہیں۔ اگر کسی کو مہاجر و انصار کی رسوائی و فضیلت کے نزول کا یقین نہ ہو تو وہ کم سے کم سورہ انفال۔ سورہ توبہ۔ سورہ محمد۔ اور سورہ آل عمران ہی کو غور سے دیکھ لے :-

ذی علم مصنف نے واقعہ بیعت شجرہ کے بیان میں حضرت عمر کا تذکرہ اگرچہ کس قدر ایسی شان سے لکھا ہے جس میں اونکی کس قدر نمود ہو لیکن جیسا کہ ہمیشہ اونکی بہان کے علاوہ واقعہ اس بیعت کے شرف کو بہت زور شور سے دکھاتے رہے ہیں۔ ذی علم مصنف نے حضرت عمر کے لئے خاص شرف حاصل ہونے کو اس زور شور کے غبار سے اپنے دامن کو گرد آلود نہیں کیا کہ قبل اس کے اسی زمانہ میں شیعوں کی طرف سے محققانہ طور پر اس گرد و غبار کا مطلع صاف کر کے تاریکی کو روشنی سے دور کر دیا گیا ہے اور حقیقت میں جی بیعت شجرہ سے کوئی خاص فخر حضرت عمر یا کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا یہ بیعت بارہ سو صحابی نے جو اس وقت موجود تھے کی تھی اور وہ سب اظہار استعدادی جنگ کے لئے کرتے تھے۔ مگر ان کے دلوں کی خبر خدا ہی کو نہی جسکی خبر خود خدا اسی آیت میں فرماتا ہے۔

صلح حدیبیہ سے حضرت عمر کو ذی علم مصنف صلح حدیبیہ کی گفتگو کے وقت نبوت پیغمبر میں عظیم شک جو معاملہ سخت شک نبوت پیغمبر میں حضرت عمر کو پیش آگیا تھا اور جس کی وجہ سے پچھلے مصنفین نے اونکو ضعیف مسلمین میں شمار کیا ہے مجبور ہوئے ہیں کہ اس واقعہ کو نرم کر کے سادگی سے دکھائیں دین تاکہ حضرت عمر کے ایمان پر نقص کا صدمہ پہنچنے کے ذی علم مصنف جس بنیاد پر یہ عمارت بنا رہے ہیں اس میں درزنہ آجائے اسی اندیشہ سے پیرایہ سخن اول واقعہ کے بیان کا یوں اختیار کیا ہے کہ "فریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں



ہر از دال ہین ہو سکتے جبری رد و بدل کے بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ  
 اس دفعہ مسلمان اولے واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آئیں۔ لیکن تین دن  
 سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل نہی کہ دس برس تک لڑائی  
 موقوف رہی اور اس اثناے میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے  
 ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اسکو قریش کے پاس واپس بھیجیں لیکن  
 مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاں آجائے تو اونکو اختیار ہوگا  
 کہ اسکو اپنی پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ نطاہر کافروں کے حق میں زیادہ  
 مفید تھی حضرت عمر کو ہنسایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ایسی لکھا بھی نہیں چلا  
 تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح وہ کر کیوں صلح  
 کیجائے اونہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی  
 لیکن حضرت عمر کو تسکین نہوئی۔ خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اس طرح  
 گفتگو کی :-

ع۔ یا رسول اللہ کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں ؟  
 ر۔ بے شک ہوں۔

ع۔ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں ؟  
 ر۔ ضرور ہیں۔

ع۔ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں ؟

ر۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

گناہ شک نہوت کا کفارہ | ذی علم مصنف حضرت عمر کی گفتگو اور انداز گفتگو  
 کی نسبت یہ رائے رکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ  
 خلاف ادب تھا۔ چنانچہ بعد میں اونکو سخت ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ



افسوس ہے کہ ذی علم مصنف نے حضرت عمر کی گفتگو جیسے کہ کتب التواریخ  
میں منقول ہے پورے طور پر منقول نہیں کی اور نہ ان کے منشاء کا ذی علم  
مصنف نے اظہار کیا۔

۱۵ معارج النبوة چار پیمانی رکن چہارم صفحہ ۱۵۵



حضرت عمر کی گفتگو اور انداز گفتگو اگر کوئی امر عظیم نہیں تھا تو اونکو نہ سخت  
ندامت ہوتی۔ نہ کفارہ کے روزے رکھنے کی حاجت تھی۔ نہ نفلین پڑھنے کی  
نہ خیرات دینے کی۔ نہ غلام آزاد کرنے کی۔

یہ تمام اعمال عظیمہ ایسے ہیں کہ جنسے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر  
اون امور کو جو اپنی طبیعت سے ظہور میں لائے وہ شریعت کے بموجب  
کفارہ اور بدلہ کن امور کا تھا۔ ۹

حضرت عمر نے اپنی طبیعت سے جن اعمال کو بدلہ اور کفارہ اوس  
اعظم کا جو اون کے دل میں ناشی ہوا تھا اوس کے خلاف ذی علم مصنف  
اوس امر کو اپنی طبیعت سے سست نہیں کر سکتے۔

صاحب روضۃ الاحباب نے صاف لکھا ہے کہ ”حضرت عمر نے فرمایا کہ  
اوس دن امر عظم میرے دل میں پیدا ہو گیا تھا اور اوس کی وجہ سے بیٹھے  
بہت اعمال صالحہ نماز و روزہ اور تصدق اور بندہ آزاد کر نیلے گئے  
تاکہ کفارہ اوس کا ہو جائے۔“

افعال رسول میں حیثیت انسانی ذی علم مصنف کا اس سوال وجواب  
و منصب رسالت کا تفرقہ کی بنا میں نکتہ پر رکھنا کہ ”رسول اللہ

صلیہ کے کونسے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سی  
رسالت کے منصب سے جسکی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں  
آئیگی ایک نکتہ بعد وقوع قرار دینا ہے جو اوس وقت نہ وہ نکتہ حضرت عمر کی  
دل میں تھا نہ حضرت ابو بکر نے سمجھا نہ حضرت ابو عبیدہ نے نہ آج تک اور  
کسی عالم اہلسنت نے کہ جو ذی علم مصنف نے پیرہ سو برس کے بعد پیدا کیا  
ہے جس سے وہ نکتہ شک بنو کا جو حضرت عمر کے دل میں پیدا ہوا تھا



اس نکتہ کی بحث دوسرے حصہ میں ضرور قابل دید ہوگی کہ "رسول اللہ  
کے افعال انسانی حیثیت اور رسالت کے منصب کا" تفرقہ ذی علم مصنف  
نے کیونکر قائم کیا ہے۔

ہم تو حضرت محمد صلیہ کی ایک ہی حقیقت جانتے ہیں کہ وہ انسان تھے اور  
رسول اللہ تھے اور رسول نبی اور انسان تھے۔ انسان رسول اللہ ہوتا ہی  
اور رسول اللہ انسان ہوتا ہے۔

انسانی حیثیت سے منصب رسالت جدا ہو نہیں سکتا تھا۔ اور نہ منصب  
رسالت سے انسانی حیثیت بے تعلق ہو سکتی تھی۔

اس موقع پر حضرت عمر کے فرمانے اور ان کے اعمال کفارہ اور خیرات  
یہ نتیجہ بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر کو پیغمبر کی نبوت میں ہلکا ہلکا شبہ کسی  
نہ کسی دن ہمیشہ ہوتا رہتا تھا۔ لیکن اس دن ایسا بہاری شبہ واقع ہوا  
کہ نازہ بیعت رضوان بھی فراموش کر کے پیغمبر سے علانیہ دبدو ہو گئے۔ اور سوائے  
استغناء انکار می نبوت کے خود نبی سے رو برو کرنے لگے۔ بے شک حضرت  
ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ کے سمجھانے اور سمجھانے سے وہ اس دن پہر نازہ  
اسلام لائے اور اعمال کفارہ اور خیرات کے نازہ کئے اگر غور سے دیکھا جاوے  
تو حضرت عمر کے اسلام کے لئے اسی جگہ سے نازہ زمانہ شروع ہوتا ہے۔

حضرت عمر کے اس گہرے شک نبوت کے ہونی کی تاہید اس واقعہ سے بھی  
ہوتی ہے جو ذی علم مصنف ظاہر کرنے میں کہ "معاذہ صلح لکھا گیا اکابر صحابہ  
کے دستخط ثبت ہوئے جنہیں حضرت عمر بھی داخل تھے انحضرت نے مدینہ کا  
واقعہ نزول سورہ فتح کہ استدلال کا حقیقتاً قصد کیا راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی



حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے یہ کہہ کر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں۔ انا فتحنا لک فتحاً مبناً

اس واقعہ کا صاف منشا یہ ہے کہ حضرت عمر کے ولین جو گہرا شک نبوت آنحضرتؐ میں پیدا ہو گیا تھا اور مسکو آنحضرتؐ دور کرنے کی کوشش فرما تو رہی اس صلح کی ”فتح مبین“ ہونیکلی شرح ذی علم مصنف نے محدثین کے اس مقولہ سے بھی ظاہر کی ہے کہ ”اس صلح سے دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے اور اس ماقبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے“ جس سے حضرت عمر کی غلطی مخالفت صلح کی ظاہر ہو جاتی ہے تاہم ذی علم مصنف کو قبول کرنا پڑا ہے کہ ”جس بنا پر رسول اللہؐ نے صلح کی تھی اور ابتداً حضرت عمر کے فہم میں نہ آ سکی وہ بھی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورۃ ”فتح“ میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا“ اور اسکا عکسی نتیجہ میں ظاہر کرتا ہوں کہ ”مخالفت صلح میں جیسے کہ حضرت عمر کی خواہش نہیں بجائے فتح کے نہ میت مسلمانوں کو نصیب ہوتی“

حضرت عمر کا ازواج کو طلاق دینا وقت نزول آیت ”ولا تنکحوا بعضہم الا کوافر“ کے اگر حضرت عمر نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دیدی اس سے ان کے لئے کوئی خاص شرف پیدا نہیں ہوتا اتباع احکام قرآن ہر مسلمان کے لئے ضروری تھا۔

مشہور معرکہ خیبر میں حدیث پیغمبرؐ | سید بن ذی علم مصنف خیبر کے مشہور معرکہ میں بیان کرتے ہیں کہ ”آنحضرتؐ اور اس کا مصداق

ابوبکر کو سپہ سالار بنانا ہجاء و ناکام آئے پہ حضرت عمر مامور ہوئے وہ برابر



دو دن جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبویؐ کی امید میں بڑے سرو سامان سے ہتیار بیچ بیچ کر آئے ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور اونکا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی ارزو نہیں کی۔ لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علیؓ کے لئے ادا کیا رکھا تھا۔

ذی علم مصنف نے ارشاد پیغمبرؐ کا ترجمہ پورا نہیں کیا پورا ترجمہ یہ ہے۔ کہ ہر آئینہ دوں گا میں علم کلہ ایسے شخص کو جو کرار اور غیر فرار سے دوست رکھتا ہو وہ الود کو اور اوس کے رسول کو اور دوست رکھتا ہے الود اوس کو اور الود کا رسول اوس کو فتح دیگا الود پر ہاتھ اوس کے کے کے

کم سے کم ذی علم مصنف کو جسے کرار کا ترجمہ حملہ آور کیا ہے ویسے ہی غیر فرار کا ترجمہ نہ بہا گئے والا ہی کرنا چاہئے تھا۔ یعنی آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر (حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بہاگ آئے جسکو ذی علم مصنف نے ناکام رہنا کہا ہی) فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہوگا اور بہاگے گا نہیں۔ اگرچہ ناکام آنا اور ناکام رہنا ضرور نتیجہ بہاگ آنے کا ہے لیکن بہاگ آنیسی ناکامی اور ہی شان رکھتی ہے۔ واقعہ کی شان کو بنا نامورخ کی شان سے بعید ہے۔

ارشاد پیغمبرؐ سے جب اوسکی عکسی حالت دیکھی جاوے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پیغمبرؐ نے کل جس شخص کو علم دینے کا وعدہ فرمایا تھا اوس سے پہلے جو جو لوگ گمراہی کرار (حملہ آور) نہیں تھے اور فرار تھے اور وہ الود اور اوس کے رسول کو دوست نہیں رکھتے تھے اور الود اور اوس کا رسول اونکو دوست نہیں رکھتا تھا۔ اور الود



اون کے ہاتھ پر فتح نہیں دی تھی۔

کامل دوستی خدا اور رسول کی اویس وقت بھی جاسکتی تھی کہ یا لؤ خبیر کو فتح کرتے یا شہید ہو جاتے۔ مورخین اور محدثین نے صاف لکھا ہے کہ حضرت عمر فوج پر اور فوج اوپر الزام نہیں لگاتی تھی۔ ایسے مرتجع واقعات کے قلم انداز کرنے اور اوسکے تنقید نہ کر نہیںے صاف ظاہر ہے کہ ذی علم مصنف حضرت عمر کی نسبت کیا تبورز کہتے ہیں ؟

حضرت عمر جس شان سے دو روز تک ناکام لشرف لائے اور پیغمبر نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرار غیر فرار ہے۔ اوپر تمام اکابر صحابہ کا جو پہلے حملہ کے لئے نہیں گئے تھے علم نبوی کی امید میں بڑے سرد سامان سے ہتیار سج بکرا آنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے لیکن حضرت عمر پر تعجب ہے کہ اونہوں نے ہی باوجود اس کے کہ دو دن ناکام رہ چکے تھے جس شان سے کہ رہ چکے تھے علم نبوی کی امید میں بڑے سرد سامان سے ہتیار سج بکرا آئیں والوں میں اپنے آپ کو شامل کیا ایسی خواہش سے کہ کبھی اس موقع کے سوا علمبردار ہی اور افسری کی آرزو نہیں کی۔ البتہ اونکی ایسی آرزو سوائے حرم اور طمع کے اور کچھ نہیں سمجھی جاسکتی۔

حضرت عمر نے اپنا حصہ | خبیر کی زمین میں وقف تقسیم کے مجاہد و سپہ  
غنیمت خبیر وقف کیا | اگر حضرت عمر کے حصہ میں ایک ٹکڑا آیا۔ اور  
اوسکو خدا کی راہ میں وقف کر دیا جبکو ذی علم مصنف تاریخ اسلام میں پہلا وقف  
ظاہر کرتے ہیں سوا صحیح مسلم کے جہاں سے ذی علم مصنف نے سند لی ہے  
اس واقعہ کا پتہ بظاہر کسی اور جگہ سے نہیں چلتا۔ لیکن اگر حضرت عمر نے ایسا



کیا ہو تو اذکی غیرت مقتضی ضرور ہوئی ہوگی۔ کہ جنگ خیبر میں فتح کا حصہ تو اذکی کو  
وہ ملا اور غنیمت میں دیگر بچاؤ۔ ان کے شالوات میں جنگی تعداد چودہ سو پیدل  
اور دو سو سوار زوی علم مصنف نے قبول کی ہے یہ حصہ ملا۔

جو حصہ غنیمت کا بلا کسی کار نمایاں کے پیغمبر نے اذکی کو دیا وہ اوہنوں نے  
راہ خدا میں دیدیا۔ عطایت بہ لقایت بخشیدم۔

ذی علم مصنف نے یہ مضمون وقف حصہ زمین خیبر بمقابلہ اوسے مضمون کر  
کہا یا ہے کہ جو پیغمبر کو فدک اسی خیبر سے ملا تھا اور وہ اوہنوں نے اپنی خیر  
دیدیا تھا۔

قبیلہ ہوازن میں | ذی علم مصنف اسی سال ایک واقعہ بھی ظاہر کر  
حضرت عمر کی ماموری | ہیں کہ آنحضرت نے حضرت عمر کو تین آدمیوں

کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلہ کو بھیجا اور لوگوں نے حضرت عمر کی آمینی  
تو بہاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا یہ واقعہ اوس غزوہ ہوازن سے  
جسکو حنین ہی کہتے ہیں اور جسکی خبر قرآن میں ہے جدا ظاہر کیا جاتا ہے لیکن  
بہرے نگاہ سے یہ واقعہ نہیں گذرا اور ذی علم مصنف نے بھی نشان نہیں  
دیا کہ یہ واقعہ اونپر کہاں سے نازل ہوا ہے یہ میں ذی علم مصنف نے فتح مکہ بنا کی

فتح مکہ میں تین موقعوں پر | اور اوسکی بیان میں تین موقعوں پر حضرت عمر کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک  
حضرت عمر کی کارگزاری | بعد صلح حدیبیہ کے جب بنو بکر نے نقص

عہد کیا اور قریش نے بنو بکر کی امانت کی اور ابوسفیان نے مدینہ منورہ میں  
آنحضرت کی خدمت میں پہنچ کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی  
تو آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا اور پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے اس معاملہ کو  
سنبھال کر دینا چاہا تو حضرت عمر نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا



اس موقع پر اسبقہ رکھنا کافی ہے کہ پیغمبر کے خلاف طبع البوسفیان کو سختی سے جواب دینا حضرت عمر کو شایان نہیں تھا۔ پیغمبر جہان نرمی پسند فرماتے تھے وہاں حضرت عمر غلظت اختیار کرتے تھے۔

دوسرا موقع اوسوقت ظاہر کیا جاتا ہے کہ جب آنحضرت نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں مقام مہالظہران میں نزول اجلال ہوا۔ اور حضرت عباس البوسفیان کو پیغمبر کے پاس امن دلانے کو لاتے تھے راہ میں حضرت عمر البوسفیان کے قتل کی درخواست | البوسفیان کو دیکھ کر بڑی نیزی سے بڑھی اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ملوٹون کے بعد دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجو کہ گردن مار دوں۔ آنحضرت نے عباس کی سفارش قبول کی اور البوسفیان کو امن دیا۔

یہ بھی اوسی قسم کا موقع ہے جہاں حضرت عمر بے موقع اپنی ہیبت دکھانا چاہا کرتے تھے اور پیغمبر جہان درشتی طبع اور بے محل حرکت حضرت عمر کو پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمر کا بموجب حکم پیغمبر | تیسرا موقع یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت عورتوں سے بیعت لینا | نے حضرت عمر کو ساتھ لیکر مقام صفاء پر لوگوں سے بیعت لی۔ حضرت عمر آنحضرت سے قریب کسب قدر پیچھے بیٹھے تھے آنحضرت بیگانہ عورت کے ہاتھ کو سن نہیں کرتے تھے حضرت عمر کو فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے اوہنیں کے ہاتھ پر آنحضرت سے بیعت کی۔

نبی عالم مصنف نے حضرت عمر کا بموجب ارشاد پیغمبر عورتوں سے بیعت لینا کسی خاص روایت سے لکھا ہے جس کا حوالہ اوہوں نے نہیں دیا۔ اگر حوالہ سند ہوتا



لہذا خاص طور سے اس روایت پر نظر کیجائی۔ مگر یہ امر نہایت قابل تعجب کی ہے  
 کہ پیغمبر بیگانہ عورت کے ہاتھ کو بیعت کے لئے مس نہ کریں کہ جو پیغمبر امت  
 کے زن و مرد کے لئے باپ کا حکم رکھنے والا ہوتا ہے اور حضرت عمر کو غیر عورتوں  
 کے ہاتھ کے مس کرنے کی اجازت دیں۔

عموماً شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی مرد بیگانہ عورت بیگانہ کے ہاتھ کو  
 مس نہ کرے مگر بضرورت خاص مثل طبیب کے نبض دیکھنے کے لئے۔ اور  
 اگر اس موقع پر ضرورت خاص تھی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ ضرورت خاص  
 پیغمبر کے لئے کہ جو طبیب روحانی تھا بیگانہ عورتوں کے ہاتھ کو مس کرنے  
 کے لئے نہ سمجھی جائے۔

عموماً مورخین و محدثین نے طریقہ بیعت عورتوں کے لینے کا اس واقعہ  
 سے خلاف بیان کیا ہے جو ذی علم مصنف ظاہر کرتے ہیں۔ بعض نے یہ  
 کہا ہے کہ ایک گوشہ چادر پیغمبر کے ہاتھ میں تھا دوسرا عورتوں کو ہاتھ میں  
 بعض نے کہا ہے کہ ایک پیالے میں پانی تھا کہ اوسمیں آنحضرت اور عورتوں  
 نے ہاتھ ڈبوئے تھے۔ لیکن حدیث بی بی عایشہ صحیح مانی گئی ہے کہ بیعت  
 زنانہ زبانی تھی۔

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”بروز فتح مکہ جماعت عورتوں کو  
 ساتھ کہ جو واسطے بیعت رسول اللہ جانی تھی ہندو زوجہ البوسفیان مجلس پیغمبر  
 میں حاضر ہوئی اور اظہار اسلام اپنا کر کے نقاب اپنا اوٹھا دیا اور کہا کہ میں  
 ہند ہوں۔ حضرت نے الفاظ مہربانی فرما کے اسلام اوسکا قبول کیا۔ جس سے  
 نامید سخن بی بی عایشہ کی ہوتی ہے:-

موقع غدیر خم پر پیغمبر جب علی کی نسبت جو کچھ فرمانا تھا فرما چکے اور جو کچھ



کرنا تھا کہ چکے اور مردوزن سے علی کی بیعت کرائی تو اوسکا بھی یہی طریقہ مقرر کیا تھا کہ ایک دوسرا خیمہ پیغمبر کے خیمہ کے برابر کھڑا کیا گیا اور اوس میں سب لوگوں نے آکر علی مرتضیٰ کو بلقب امیر المومنین سلام کیا اور مبارکباد دی اور جملہ ازواج پیغمبر نے بھی اوس خیمہ میں حاضر ہو کر مبارکبادیاں دیں جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں کا زبانی مبارکباد دینا بمنزلہ بیعت کے تھا۔ ان واقعات و روایات پر نظر کر کے جو واقعہ کہ ذی علم مصنف نے کسی روایت سے لکھا ہے کہ "بموجب ارشاد پیغمبر کے بیگانہ عورتوں سے جنکے ہاتھ کو پیغمبر مس نہیں کر سکتے تھے حضرت عمر نے پیغمبر کی طرف سے بیعت لی غیر ممکن ہو کر تسلیم کیا جائے۔"

ایسی ہی وقعت روایتوں سے حضرت عمر کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کوئی ٹیٹ کی بات ظاہر کرنا بیان مورخ کی وقعت کو بہت کچھ گھٹاتا ہے۔

حنین میں حضرت عمر کی علم ذی علم مصنف ہوا زن (حنین) کے بیان میں فراری کی حقیقت ظاہر کرنے ہیں کہ "مسلمانوں کے پہلے حملہ میں ہوا زن کو ہنگا دیا لیکن جب غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوا زن نے حملہ کیا۔ بارہ ہزار مسلمانوں میں سے معدودہ چند کے سوا باقی سب ہنگا نکلے۔ جو صحابہ ثابت قدم رہی اور ان میں حضرت عمر ہی شامل تھے۔

حضرت عمر کے شمول کی کتاب المغازی محمد بن اسحاق کے ترجمہ فارسی سے سند لاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ذی علم مصنف نے اصل کتاب مغازی محمد بن اسحاق سے لے لی ہے نہ اس کے ترجمہ پر بہرہ رسد کر کے ثابت قدم صحابہ میں حضرت عمر کا شمار قبول کیا ہے جسکی نسبت ذی علم مصنف قبول کرتے ہیں کہ "وہ ترجمہ



سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا جسکی نسبت احتمال قوی ہے کہ ترجمہ کر نیوالو  
 نے ثابت قدم صحابہ کی فہرست میں حضرت عمر کا نام بڑا دیا ہے۔ اور اگر یہ فرض  
 محال اصل کتاب معازی میں بھی حضرت عمر کا نام ثابت قدم صحابہ میں خلافت  
 واقعہ لکھ دیا گیا ہو تو وہ کچھ قابل اعتبار کے نہیں ہو سکتا جبکہ نام مورخین و  
 محققین میں کہ ثابت قدم صحابہ میں نام حضرت عمر کا شامل نہیں ہے اور  
 ہر ایک مورخ و محدث نے کتاب معازی میں ایک ایک ثابت قدم صحابہ کو گناہ  
 ثابت قدموں کے نام | (علی مرتضیٰ عباس عم رسولی) عبد اللہ بن مسعود  
 ابوسفیان - بن حارث بن عبد المطلب - جعفر و ربیعہ اولاد ابوسفیان بن حارث  
 بن عبد المطلب - و قثم و فضل سپران عباس و اسامہ بن زید اور ایمن بن ام  
 ایمن از غنیہ بنی ہاشم

جس مورخ و محدث نے زیادہ سے زیادہ نام بتائے ہیں انہیں بھی نام  
 حضرت ابو بکر اور عمر کا نہیں ہے۔ اور یہاں تک تفصیل کی ہے کہ سواروس آدمیوں  
 کے جنہیں ۹ بنی ہاشم تھے اور ایک ام ایمن کا بیٹا کہ وہ بھی شہید ہو گیا کوئی پیغمبر کے  
 پاس موجود نہیں رہا۔

حضرت عباس جناب پیغمبر خدا کی اہنی طرف تھے اور عبد اللہ بن مسعود  
 یا فضل بن عباس بائیں طرف تھے۔ ابوسفیان بن حارث عم زاد پیغمبر گھوڑکی  
 یاں لجام تھامے ہوئے تھے یا عقب میں تھے اور علی مرتضیٰ چند قدم آگے غلام لئے  
 ہوئے پیغمبر خدا سے دشمنوں کو ہٹانے بھی جاتی تھی اور جنگ بھی کرنے جاتے  
 تھے باقی ثابت قدم بھی ارد گرد پیغمبر کے تھے۔ رسول خدا اپنی طرف کی لوگوں کو

۱۵ خمس جز ثانی صفحہ ۱۰۲ و معارج النبوة صفحہ ۲۶۳ رکن ۴ چاب لکھنؤ و فتح الباری شرح  
 صحیح بخاری و مواہب لدینہ روایت ابن ابی شیبہ و روضۃ الاحباب صفحہ ۳۰۹ و روضۃ الصفا صفحہ  
 ۵۳ جلد ثانی و استیعاب مولفہ ام عبد الباقی و تاریخ بیاب السمر - ۱۴



آواز دیتے تھے اور پکارتے تھے کہ کہاں بہاگے جاتے ہو بیان آؤ کہ میں ہوں رسول خدا مجھ کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو اور لوگ سنتے تھے اور اور جواب نہ دیتے تھے۔

حضرت عمر کے فرار کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح میں اس غزوہ کے متعلق جو آخری حدیث ابو قتادہ سے روایت کی ہے اس میں راوی بیان کرتا ہے کہ ”مسلمان بہاگے اور میں ہی بہاگا۔“  
**مخصوص روایت فرار حضرت عمر** | انہیں لوگوں میں عمر بن خطاب کو میں نے

”والہزم المسلمون وانہزمتم ہم فاذا انذیکہا اور اون سے کہا کہ کیا حال ہوا  
 لعمر بن الخطاب فی الناس فقلت لا ماشاء لوگوں کا۔ اور انہوں نے کہا کہ جو منظور خدا  
 الناس قال امر اللہ ثم تراجع الناس کہتا رہا ہوا۔ پھر اسکے بعد لوگ واپس  
 آئے رسول اللہ صلعم۔“  
 اس روایت سے قبل ایک اور روایت ہی ابو قتادہ سے صحیح بخاری میں

ہے اور وہ یہی فرار حضرت عمر کی موید ہے۔

نسبہ دختر کب بہا گئے والو نہر خاک اوڑاتی تھی اور کہتی تھی کہ خدا رسول سے  
 کہاں بہاگ کر جاؤ گے جب حضرت عمر اسکے سامنے گذرے تو او اس نے کہا  
 کہ یہ کیا کرتے ہو فرمایا کہ امر خدا ایسے ہی ہے۔

مورخین اور محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ پیغمبر کے پکارنے سے جب کوئی  
 نہ پھرا اور کفار نے پیغمبر پر حملہ کیا تو حضرت ہی اون پر حملہ کرتے تھے اور خبر  
 پڑھتے تھے کہ میں ہوں پیغمبر خدا کا اور میں ہوں بیابا عبد المطلب کا۔ مگر عباس  
 اور ابوسفیان نے کہ حضرت کے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھے حضرت کو  
 دشمنوں کے غول میں نہ جانے دیا تب پیغمبر نے حضرت عباس سے کہا کہ تم ایک



اوپنچے ٹیلے پر چڑھ کر مہاجرین و انصار کو آواز دے دو حضرت عباس نے کہ بہت  
بلند آواز ہے ایک ٹیلے پر چڑھ کر آواز دی کہ اے مہاجرین و انصار اور اے  
بیت رضوان والو اور اے سورہ بقرہ والو کہاں بہا گئے جاتے ہو۔ جو ٹہر  
تھے رسول خدا سے کیا تھا اور سکونہ توڑ دے۔

خلاف مورخین و محدثین کے ذی علم مصنف کا کسی گلکاری روایت سے  
حضرت عمر کے وصف کو تبدیل کرنے سے سبب بانی کی آبیاری نہیں ہو سکتی  
بلکہ جس درخت کو کہ وہ سرسبز کر کے دکھانا چاہتے ہیں وہ خود بخود خشک نظر  
آنے لگیگا۔

۹۔ عہد بن ذی علم مصنف غزوہ تبوک کے ذکر کرنے کے وقت ظاہر کرتی  
غزوہ تبوک | ہیں کہ حضرت عمر نے تمام مال و اسباب میں سے آدھا آنحضرت  
کی خدمت میں پیش کیا اور خود ہی حاشیہ پر نشان دیتے ہیں ”۔ ترمذی و ابو  
داؤد میں یہ واقعہ فضائل ابو بکر کے تحت میں منقول ہے۔“

یہ امر خالی لطف سے نہیں ہے کہ اسی فضل کو جب کا جی چاہے حضرت  
عمر کے سر منڈہ دے اور جب کا جی چاہے حضرت ابو بکر کے قدموں میں ڈال دے  
اسی سال ذی علم مصنف آنحضرت کی ناراضگی کا ذکر ازواج سے بیان  
قصہ طلاق ازواج میں | کر کے یہ کہتے ہیں کہ ”لوگون کو خیال پیدا ہوا تھا  
تقرب حضرت عمر کی حقیقت | کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی اس لئے

تمام صحابہ کو نہایت رنج و افسوس تھا (بے شک اون لوگون کو افسوس ہوگا  
کہ جنہوں نے اپنی بیٹیاں منخر حاصل کرنے کے لئے پیغمبر کی زوجیت میں دی  
تھیں) کوئی شخص آنحضرت کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرات نہیں کر  
سکتا تھا (بے شک کسی ایسے شخص کو جرات نہیں ہو سکتی ہوگی کہ جس کی بیٹی



ازواج رسول میں داخل ہوگی) حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت ہوا چاہا لیکن بار بار اذن مانگتے پر بھی اجازت نہ ملی آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا کہ شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہو کہ میں حفصہ کی سفارش کے لئے آیا ہوں خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دین تو میں جا کر حفصہ کی گردن مار دوں (بے شک حضرت عمرؓ نے ایسا کہا ہوگا اور انکی عادت تھی وہ ہر ایک ایسے شخص کی نسبت جو واجب القتل نہین ہوتا تھا یہ کلمہ کہ "گردن اوڑ لو دوں" پیغمبر کے سامنے کہا کرتے تھے) آنحضرت نے فوراً بلا لیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپ نے فرمایا کہ نہین۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ تمام مسلمان مسجد میں سو گوار بیٹھے ہیں آپ اجازت دین تو ان کو یہ مژدہ سنا سنا آؤں۔

ذی علم مصنف اس سانحہ پر یہ قیاس کرتے ہیں کہ "اس واقعہ حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔"

لیکن افسوس ہے کہ ذی علم مصنف نے پورا واقعہ جس سے ناخوشی پیغمبرؐ کی ازواج سے پیدا ہوئی بیان نہین کیا اور نہ وجہ ناراضگی پیغمبرؐ کی ظاہر کی جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے تقرب کیا درجہ درجہ ہے۔

پہلی وجہ ناخوشی ازواج | مورخین و محدثین نے اس واقعہ کو یوں

لکھا ہے کہ "آنحضرت نے قسم کھائی کہ ایک مہینہ تک اپنی ازواج سے اختلاط اور مصاحبت نہ فرماؤں گے" اور سبب میں اس کے دو وجہین بیان کی ہیں ایک یہ کہ "حفصہ دختر حضرت عمرؓ اپنے باپ کے گھر گئی



ہوئی تھی اون کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ کو آنحضرت نے بلایا تھا جب حفصہ  
 لوٹ کر آئیں تو رونے لگیں اور پیغمبر سے کہا کہ آپ نے میرے بستر پر  
 ٹوٹری سے مباشرت کی۔ پیغمبر نے فرمایا کہ میں ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرتا  
 ہوں تو راضی نہیں ہو سکتی ہے اور اس بات کو پوشیدہ رکھنا حفصہ کی قبول  
 کیا۔ لیکن حفصہ نے اس خوشخبری کو عائشہ سے کہہ دیا کہ قبطیہ سے ہم فی خلاصی  
 سورہ تحریم کی دو آیات کا ترجمہ [پاں]۔ عائشہ نے پیغمبر سے توبہ کی اور

اس بارہ میں سورہ تحریم، "نازل ہوئی" کس واسطے حرام کرتا ہے تو جو کچھ کہ خدا  
 نے حلال کیا ہے تجھ پر۔ اور اپنے اوپر حرام کر لینے سے خوشنودی چاہتا ہے  
 تو ازواج کی۔ اور جب چہپا کر کہی بنی نے اپنی کسی بی بی سے کوئی بات۔ جب  
 اوسنے خبر کر دی۔ اللہ نے ظاہر کر دیا۔ بنی پر۔ بنی نے کچھ جتا دی اور کچھ مال  
 دیا۔ جب جتایا اوس بی بی کو تو اوس نے کہا کہ تم کو کس نے بتایا۔ کہا کہ مجھ کو بتایا  
 عیلم و خیر نے۔ اگر تم دونوں توبہ کرو خدا کی طرف۔ پس تحقیق کہ ٹیڑھے ہو کر  
 دل تم دونوں کے اور اگر تم چڑھائی کرو گی اوس پر توبہ بے شک اللہ اوس کا مولے ہے۔  
 اور حبیب زل اور صالح المؤمنین اور فرشتے بعد اوسکے مددگار ہیں۔ ابھی اگر بنی  
 طلاق دے مگر ب اور اسکا بدل دے ازواج تم سے بہتر۔ مسلمان۔ مومن۔  
 فرمانبردار۔ توبہ کرنے والیان۔ عبادت کرنے والیان۔ روزہ رکھنے والیان  
 بیاہی اور کواریان۔ پھر اللہ ایک مثل مارتا ہے بی بی نورج کی اور بی بی لوط کی۔  
 کہ وہ دونوں آہن تخت میں دو بندون نیک کے۔ پس خیانت کی اون دونوں  
 بی بیوں نے۔ ان دونوں مردوں کی۔ پس نہ کام آیا اون دونوں بی بیوں کو  
 کچھ۔ اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ ووزح میں۔

پیغمبر نے اسی نظر سے کہ دیگر ازواج کو گران ہو گا سب ازواج کو ایک مہینہ



تک اپنی صحبت سے محروم کر دیا تھا۔ لیکن کتب اہل سنت میں قبول کیا گیا ہے  
 بی بی حفصہ کے طلاق کی روایت کہ پیغمبر خدا نے بی بی حفصہ کو اسی فقہ  
 پر طلاق دیدی تھی اور بعض نے یہاں تک لکھا ہے کہ طلاق کی خبر جب حضرت  
 عمر کو پہونچی تو اوہنوں نے اپنے سر کو خاک سے مزیب کیا۔

دوسری وجہ ناخوشی پیغمبر کی یہ بیان ہوئی ہے کہ بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ  
 دوسری وجہ ناخوشی ازواجِ پیغمبر سے نفقہ اور لباس میں ایسی چیزیں  
 کرتی تھیں کہ جو پیغمبر کو بہہولیت میسر نہیں ہو سکتی تھیں۔ ایک روز حضرت  
 ابو بکر آئے اور باذن پیغمبر خانہ پیغمبر میں گئے اور یہ حضرت عمر آئے اور وہ بھی  
 اندر گئے اور معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کو حزن و ملال اور بی بیوں کی خواہشات  
 کے سبب سے ہے۔ حضرت ابو بکر نے ایک گھونسہ عائشہ کی گردن پر اور عمر  
 نے حفصہ کی گردن پر مارا اور دونوں نے اپنی لڑکیوں پر عتاب کیا۔ عائشہ  
 اور حفصہ نے قسم کھائی کہ ہم پیغمبر سے ایسی چیز ہر نہیں مانگیں گے کہ جو انکو  
 میسر نہ ہو۔

اس واقعہ سے سبب اور وجہ حزن و ملال پیغمبر کی صرف بی بی حفصہ  
 یا بی بی حفصہ اور بی بی عائشہ دونوں سے بخوبی ظاہر ہے۔ حضرت عمر جو بارہ  
 دفع ملال اور ناخوشی پیغمبر کے پیغمبر کے پاس گئے اور جو کچھ پیغمبر سے کہا باجو  
 کچھ کیا اور جو کچھ دخل دیا اور سپردہ نمبور تھے جس میں ان کی ذاتی غرض  
 شامل تھی اور بے شک اس واقعہ سے نفقہ حضرت عمر کا اندازہ ہو سکتا ہے  
 جس شان سے کہ ہو سکتا ہے۔

لیکن اگر ذی علم مصنف کا اس واقعہ کے کہنے سے یہ ہشاشم ہے کہ حالت غصہ



پنجمین ہی حضرت عمرؓ سے بات چیت کر سکتے تھے تو یہ امر خلافت اس  
روایت کے ہے جس کو حاکم نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے اوسط میں ام سلمہؓ روایت  
کیا ہے کہ ”جب کہی آنحضرت صلی علیہ وسلم غضب میں ہوتے تھے تو بجز حضرت علیؓ کے  
کسی کو بات نہ تھی کہ حضرت سے بات کر سکتا۔“

سابعین ذی علم مصنف ظاہر کرتے ہیں کہ ”آنحضرت صلی علیہ وسلم نے حج کا قصد  
حج آخری بین واقعات کیا اور یہ حج آپکا آخر حج تھا۔“ لیکن ذی علم  
کے ترک کی حقیقت مصنف نے اس واقعہ کا جسکا وقوع اخیر حصہ زندگی

قریب زمانہ وفات پنجمین ضروری تھا ذکر قطعی موقوف کیا ہے جو اس آخر حج میں  
والہی کے وقت مقام خم غدیر پر ظہور میں آیا ہے اور پنجمین نے ایک نہایت فصیح و بلیغ  
خطبہ فرمایا ہے اور علیؓ مرتضیٰ کا بازو پکڑ کر بلند کیا ہے اور کہا ہے کہ ”اے لوگو آگاہ ہو  
کہ جسکا میں سولے ہوں اسکا علیؓ سولے ہے خدا یا دوست رکھے اور سکو جو اسے دوست  
رکھے اور دشمن رکھے اور دشمن رکھے اور مدد کر اسکی جو اسکی مدد کرے اور  
ذلیل کر اسکو جو اسکو ذلیل کرے۔ اے لوگو جو کچھ مجھے خدا حکم دیا وہ میں نے تمہیں  
پہنچا دیا اور میں تم لوگوں میں انکو سپرد بخدا کرتا ہوں اور اپنے لئے اور تمہارے لئے  
استغفار کرتا ہوں۔“

غدير خم کی بیعت سے حضرت عمرؓ کا تعلق اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کا یہ تعلق ہے کہ  
پنجمین کے ارشاد کے بموجب جب علیؓ مرتضیٰ کو مبارکبادیاں تمام صحابہ اور مسلمانوں  
اور ازواج پنجمین نے دیں تو حضرت عمرؓ نے علیؓ مرتضیٰ کو اس طرح مبارکباد دی کہ مبارک  
ہو تمکو مبارک ہو تمکو کہ اے علیؓ آج کے دن تم سولے کل مومنین اور مومنات سے ہو گئے۔

۱۵ سید شہاب الدین احمد نے کتاب توضیح الدلائل میں پورا خطبہ نقل کیا ہے اور مسٹر ڈیون پورٹ نے یہی  
اپنی تاریخ اسلام میں بعض فقرہ اس خطبہ سے لئے ہیں۔ ۱۲ منہ  
۱۶ ابن القتی علامہ عالمی و صواعق محرقہ پر روایت دارقطنی۔ ۱۲ منہ



اس واقعہ اور پورے خطبہ پیغمبر سے صاف و صریح ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر کا مقصود اور  
نشار کیا تھا اور کس چیز کی حضرت عمر نے مبارکباد دی تھی۔؟

ذی علم مصنف کو لازم تھا کہ اس واقعہ پر خوب بحث کر کے ظاہر کرتے کہ پیغمبر نے  
جو اگہاں مقام غدير خم پر قیام کیا اور تمام صحابہ اور مسلمانوں کو روکا کہ اس جگہ سے راہیں منفر  
ہوتی تھیں اور بڑے اہتمام سے سب کو جمع کر کے جو ایسا خطبہ فرمایا اور علیؑ مرتضیٰ کا بازو پکڑ  
کر بلند کیا اور لوگوں کو بتایا کہ میں جس کا مولیٰ ہوں اس کا علیؑ مولیٰ ہے تو اس سے اعلان  
جانشینی علیؑ کا بجائے پیغمبر کے۔ مقصود پیغمبر تھا یا کچھ اور؟۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ  
یہ بھی دکھانا چاہئے تھا کہ پیغمبر نے جو یہ عمل کیا وہ بموجب حکم خدا کے تھا یا نہیں؟۔  
اور اس کے متعلق کوئی آیت قرآن میں موجود ہے یا نہیں؟۔

یہ امر قبول کیا گیا ہے کہ یہ جمع آخری پیغمبر کا تھا اور علیؑ مقام غدير خم سے  
جب پیغمبر مدینہ پہنچے ہیں تو بار ہوئے اور اسی مرض میں انتقال فرمایا۔

جب اس آخری جمع کے لئے پیغمبر مکہ میں پہنچے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی  
مکہ میں نزول آیت ہے "فاذا فرغت فالنصب والی ربک فارغب" پس  
جانشینی علیؑ مرتضیٰ جنت فارغ ہو تو (حجۃ الوداع سے اسے پیغمبر) پس

النصب (قائم) کر تو (علیؑ کو اپنی جانشینی کے لئے) اور طرف پروردگار اپنے کی پہر آئے  
غدير میں تاکید آیت کا نزول پیغمبر نے اس کی تعمیل بمقام مکہ نہیں کی  
بنا بر تعمیل آیت جانشینی علیؑ مرتضیٰ جب بمقام خم غدير پہنچے تو یہ آیت نازل

ہوئی "یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل ما بلغت  
رسالتک والدی لخصک من الناس" اے پیغمبر پہنچا دے تو اس چیز کو کہ نازل  
کی گئی ہے طرف تیرے پروردگار تیرے کی طرف سے، اور اگر نہ کر لگا تو پس  
نہ پہنچایا تو نے اپنی رسالت کو اور خدا نگاہ رکھے گا تجھ کو لوگوں کے شر سے۔



جسوقت یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبرؐ نے اسی سفر میں مقام کر کے اور  
لوگوں کو جمع کر کے اور اذیتوں کے کجاؤں کا نمبر بنا کر ایک خطبہ فرمایا اور بنظر اس آیت  
تعمیل آیات کے (کہ۔ البنی اولے بالمومنین من انفسہم۔ بنی اولے ہے

ساتھ مومنین کے اور ان کے نفسوں سے) یہ ارشاد کیا۔ اے مومنین  
من انفسہم۔؟ یا نہیں ہوں میں اولے ساتھ مومنین کے اور ان کے نفسوں سے؟  
سب نے کہا کہ ہاں اے رسول اللہ۔ اوپر پیغمبرؐ نے علیؑ کا بازو پکڑ کے اٹھایا اور  
فرمایا۔ من کنت مولا فاعلی مولا۔ میں ہوں جسکا مولا ہے پس علیؑ ہے اوسکا مولا۔  
ذی علم مصنف کو ان آیات پر بحث کر کے واقعہ خم غدیر کے نتیجہ پر کوئی رائے لکھنی  
چاہئے تھی کہ اوس واقعہ کی غرض کیا تھی اور ان آیات کی تعمیل کے لئے وہ واقعہ  
پیغمبرؐ ظہور میں لائے یا کیا؟ بلکہ ان آیات کے نزول اور واقعہ خم غدیر کے قبل کے  
واقعات پر شروع سلسلہ سے بحث کرنا ذی علم مصنف کو لازم تھا۔

شروع دعوت اسلام کا | دعوت اسلام کا سب سے پہلے جو پیغمبرؐ نے کام  
واقعہ علی مرتضیٰ کی وزارت | شروع کیا تو اپنے کنبے والوں سے شروع کیا

جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ "وانذر عشیرتک الاقربین" اور ڈراتو  
(اے محمدؐ) اپنے کنبے کے لوگوں کو جو نزدیک ترین ہیں۔

جسوقت یہ آیت نازل ہوئی ہے تو پیغمبرؐ نے اپنے کنبے والوں کے لئے دعوت طعام  
کی جسکا اہتمام علی مرتضیٰ کے ذمہ رکھا اور بعد طعام اپنے اور ان رشہ داروں سے  
جو بلائے گئے تھے فرمایا کہ۔ "مجھکو حکم دیا ہے خدا نے کہ میں بلاؤں تمکو اوسکی طرف۔  
پس کون تم میں سے وزارت کر سکتا ہے میری میرے امر میں اور ہووے وہ  
بہائی میرا اور دھی میرا اور خلیفہ میرا درمیان تمہارے، پس چپ ہو رہی قوم  
مگر علیؑ کہڑے ہوئے اور کہا کہ میں قبول کرتا ہوں تمہارے واسطے اے رسول خدا



صلعم۔ رسول نے فرمایا کہ تو بیانی میرا اور وحی میرا ہے اور خلیفہ میرا ہے، اور  
لوگوں سے کہا کہ سنو تم اسکی اور تابعداری کرو تم اسکی۔

آبادت شروع دعوت اسلام کے پیغمبر علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ اور وزیر مقرر  
اور قبول کر چکے تھے یا نہیں؟ اور یہ حکم نقرر تھا یا نہیں؟

واقعہ ہجرت نبویؐ | پیغمبرؐ کی وجہ ہجرت سوائے اس کے اور کوئی  
علی مرتضیٰ کا علمی استخلاف | قبول نہیں کی گئی ہے کہ کفار قریش نے مشورہ کیا

کہ پیغمبرؐ کو قطعی قتل کر ڈالا جاوے۔ اور سپر پیغمبرؐ علی مرتضیٰ کو اپنے بستر پر لٹا کر اور اپنی  
چپا اور خاص اوڑھا کر اور اپنی جان کی کید علی مرتضیٰ کے سپرد کر کے اور لوگوں کو یہ  
یقین دلا کر کہ پیغمبرؐ ہی سورا ہے۔ اور علی کو اپنا شبیہ بنا کر دکھائی پیغمبرؐ اس بات کو گوارا  
نہیں کر سکتا کہ بجائے اپنے اور بس لباس پیغمبرؐ سے پیغمبرؐ بننے کا کسی کے لئے یقین

دلاوے۔ بلکہ اگر کوئی شخص خود اپنی میت کڈائی سے پیغمبرؐ کے ساتھ لباس کرے اور اپنے  
آپ کو پیغمبرؐ بنا کر دکھاوے تو واجب القتل ہو جائیگا اور بجائے اپنے خطرہ قتل میں غی و ڈالکر۔  
(کہ ایسے موقع پر سوائے وزیر اور خلیفہ پیغمبرؐ کے کوئی دوسرا شخص نہ پیغمبرؐ کے بستر پر لٹایا  
جاسکتا تھا اور نہ اس خطرہ میں ڈالا جاسکتا تھا۔ اسی قسم کے امور نے علی مرتضیٰ کو غم

پیغمبرؐ قرآن میں کہلوا یا ہے۔) ہجرت کر گئے۔ اسی موقع پر علی کے بارے میں یہ آیت  
نازل ہوئی ہے۔ ”کون شخص ہے لوگوں میں سے جو بیخ و التاہے جان اپنی طلب۔“ ومن  
الناس من بشری نفسہ اتہما مرضات اللہ“ (خوشنودی خدا کے لئے۔)

پس دیکھنا چاہئے تھا کہ اس واقعہ سے استخلاف علی، علی مرتضیٰ کا لازم آتا ہے  
۔ سید کی تفسیر | یا نہیں۔! سر سید احمد خان نے ہی اپنی تفسیر

میں اسی موقع پر صاف یہ ظاہر کیا ہے کہ ”آنحضرتؐ نے علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ یا قائم  
مقام کر کے اپنے چھوٹے پر سلا دیا تاکہ کافر جانے کہ آنحضرتؐ سوتے ہیں۔“



اسی سلسلہ سے یہ امر قابل تحقیق تھا کہ واقعہ خم غدیر عام اعلان استخلاف علی مرتضیٰ کا تھا یا نہیں؟۔

ذی علم مصنف نے جو ان واقعات کو چھوٹا تک نہیں اور بحث قرطاس، ما اور واقعہ ترک واقعات سلسلہ | سقیفہ بنی ساعدہ، کو ہاتھ لگایا ہے اس کے متعلق بحث قرطاس و سقیفہ | کوئی رائے اس کی محققانہ عموماً سمجھی نہیں جاسکتی۔ جبکہ ادھون نے ان واقعات اور امور پر نظر نہیں کی کہ جو بحث قرطاس، ما اور واقعہ سقیفہ ہی ساعدہ کے سلسلہ میں ہیں اور انہیں واقعات اور امور کے سلسلہ میں واقعہ بنی ساعدہ کا (جسکی رو سے حضرت ابوبکر خلیفہ قرار پائے اور حضرت عمر ان کے استخلاف سے خلیفہ مقرر ہوئے) مدار صحت اور بطلان کا تھا۔ آیا حضرت ابوبکر خلیفہ جائز ہو سکتے تھے یا نہیں؟ اس کو امر خلافت حوالہ ہونیکا حق ناحق اسی پر موقوف تھا اور اسی پر جو استخلاف حضرت عمر کا حضرت ابوبکر نے کیا آیا وہ صحیح اور جائز ہو سکتا ہے یا نہیں۔ منحصر تھا۔ آیا حضرت ابوبکر کس قسم کے خلیفہ تھے اور ان کا استخلاف کیا حضرت عمر کے لئے کیا اثر رکھ سکتا ہے؟

اس سلسلہ واقعات اور امور سے گریز کرنا ذی علم مصنف کا نشان از حسد پاسداری حضرت عمر کا ہے۔

ذی علم مصنف قبل بحث قرطاس اور واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اللہ واقعات تجہیز و تکفیل | میں واقعہ تجہیز و تکفیل اسامہ کا اس عنوان سے ذکر بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسامہ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائیں لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

لیکن ذی علم مصنف نے اس واقعہ کے اظہار میں ہی خلاف روایات مستعمل



پہلو کو تبدیل کیا ہے کہ جس سے حضرت ابو بکر و حضرت عمر پر جو بکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے اعتراض وارد نہ ہو سکے اور اصل منشا پیغمبر پر جو منسبت تھا کہ بعد پیغمبر کے امر خلافت کے متعلق اختلاف واقع نہ ہو سکے پردہ پڑا ہے۔

ذی علم مصنف نے بجائے اس کے کہ اکابر صحابہ میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر شامل تھے اور علی مرتضیٰ شامل نہیں تھے منشا پیغمبر یہ تھا کہ زیر فرمان اور اطاعت اسامہ بن زید کے جس کو امیر لشکر مقرر کیا تھا رہیں گے جو یوں بیان کیا ہے کہ ”تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائیں“ غرض یہ ہے کہ کسر شان حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی اسامہ بن زید کے زیر فرمان اور اطاعت ہونے سے لازم نہ آوے۔

لیکن جیب پیغمبر نے اسامہ بن زید کو امیر لشکر اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر کو شامل لشکر کیا تو اس سے نا قابلیت امارت حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی پیش پیغمبر اخیر زندگی پیغمبر تک خود بخود لازم آتی ہے۔

ذی علم مصنف نے یہ تو ظاہر کیا کہ ”آنحضرت بیمار ہو گئے اور تجویز ملتوی رہ گئی“ لیکن یہ نہ بتایا کہ بوجہ بیماری کے وہ تجویز خود آنحضرت نے ملتوی کر دی یا خلافت حکم اور تاکید آنحضرت کے خود اکابر صحابہ نے جنگ و زیر فرمان اور اطاعت اسامہ بن زید کے ہونا انگوڑا رہا اور بہت بیخ تاب کہا کر یہ کہتے تھے کہ پیغمبر نے ایک غلام زادہ کو ہم پر سردار اور امیر لشکر مقرر کیا ہے۔ جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اول درجہ رکھتے تھے۔ لشکر اسامہ سے کہ جس نے مدینہ منورہ کو باہر مقام جرف میں کیمپ مقرر کیا تھا واپس چلے آئے اور جا کر شریک ہوئے اور

۱۵ ابن حجر فتح الباری و فسطاطی شرح بخاری و مدارج النبوة مصنفہ شیخ عبدالحق شامی

مشکوٰۃ و تذہیب التہذیب ذہبی و کتاب منظم ابن جوزی۔ ۱۲ منہ



یہ جیلہ مرض پیغمبر اوس تجویز پیغمبر میں مزاحمت کر کے اوس تجویز کو روک دیا۔  
پیغمبر کی اکیڈروانگی لشکر اسامہ کی اس درجہ پر تھی کہ جب پیغمبر نے چہ میگو یا  
اکابر صحابہ کی سینین تو ایک خطبہ فرمایا جس کا ایک فقرہ یہ ہے۔ جہنم و الجحیش  
اسامہ لعن اللہ من خلف عنہا،، امادہ ہو جاؤ واسطے لشکر اسامہ کے لعنت کر  
خدا اوس کسی پر جو مخالفت کرے اوس سے لعن۔

اس فقرہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پیغمبر کی کس درجہ مرضی تھی کہ  
تمام اکابر صحابہ سوائے علی مرتضیٰ کے کہ جنکو پیغمبر نے اپنی بیمار داری اور خبر گیری  
کے لئے اپنے پاس رکھ لیا تھا لشکر اسامہ کے ساتھ یہ تحت فرمان و طاعت اسامہ  
کے مقام بعید پر مدینہ سے چلے جائیں۔

کیا یہ امر پیغمبر کو مضمر نہیں تھا کہ وہ لوگ امر خلافت میں اختلاف کر کے  
جسکے قلوب کی خبر قرآن اور اخبار پیغمبر میں موجود ہے بعد میرے میری مرضی  
اور ہدایت کے بموجب امر خلافت کے لئے اوس کسی کو قائم نہیں رکھیں گے جنکو  
کہ میں نے قائم کیا ہے۔ صرف محبت و ہمدری مذہب اسلام کے باعث جو پیغمبر سے  
زیادہ کیونہیں تھی بغرض تحفظ مذہب اسلام کے اختلاف سے کہ جسکی وجہ  
سے مذہب اسلام کے اصل مرکز پر قائم نہ رہ کر تباہ و برباد ہو جائیگی بنا و پڑنی  
تھی پیغمبر نے وہ اکیڈی حکم اکابر صحابہ کو دیا تھا کہ نہ وہ اکابر صحابہ وقت وفات پیغمبر  
مدینہ میں ہوں گے نہ انکو موقع استخلاط اور نزاع کا خلاف مرضی پیغمبر کے  
امر خلافت کے متعلق مل سکیگا۔ اور پیغمبر نے جو علی مرتضیٰ کو امر خلافت کے لئے  
قرار دیکر قائم رکھا ہے وہی قائم اور برقرار رہیگا۔

بہر حال جو کچھ ہوا اکابر صحابہ اور ہر مسلمان۔ سچی اطاعت پیغمبر کی کرنے



والے کو لازم تھا کہ نظر اس سخت ارشاد پیغمبر کے بلا خیال اس کے کہ پیغمبر مرتے ہیں یا جیتے ہیں صرف ان کے ارشاد کو ہر حالت میں زندہ اور واجب التعمیل سمجھ کر مثال شکر اسامہ ہو کر چلا جاتا اور شکر اسامہ سے تحلف کر کے اپنے آپ کو مورد اس عتاب کا نہ بناتا جو ارشاد پیغمبر میں موجود ہے۔

یہ خطبہ متضمن روانگی شکر اسامہ اور ہدایت شرکت صحابہ شکر اسامہ کا پیغمبر نے اپنی حالت مرض میں بروز شنبہ دسویں ربیع الاول کو روز وفات سے دو دن تاخیر روانگی شکر اسامہ پہنچایا ہے کہ وفات بروز دوشنبہ کو ہوئی ہے (لما جارا نہ کان تجیز اسامہ یوم السبت قبل موت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی حالت میں روانگی شکر اسامہ کی اور شرکت اصحاب کی شکر میں حالت مرض پیغمبر میں لازم آتی ہے۔ اور مرض پیغمبر کی طرح سے مانع روانگی شکر اور شرکت صحابہ کا شکر میں نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مرض پیغمبر وجہ التوار روانگی شکر اور شرکت صحابہ کی شکر میں قرار پاسکتی ہے۔

در حقیقت یہ واقعہ بھی بسلسلہ واقعات اور امور دیگر کے واقعہ سقیفہ منی ساعدہ پر خراب اثر ڈالنے والا ہے کہ جس اثر سے ذی علم مصنف متاثر ہو کر چشم پوشی کر گئے ہیں !!۔

واقعہ قرطاس سے پہلے حالت پیغمبر

بیان واقعہ قرطاس کے آنحضرت کے مرض کی حالت بیان کرتے ہیں کہ ”کہی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کہی اس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ سجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بکمال تھی کہ آپ دروازہ تک آئے اور پر وہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے



اور بسم فرمایا ۛ

ذی علم مصنف کے اس مسلمہ حالت بیماری پیغمبر سے (جیکہ بیمار میں  
پیغمبر نے قرطاس اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسی کتاب لکھوں  
کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو۔ اس کے جواب میں صحابہ نے یہ کہا ہے کہ پیغمبر کو درد کی شدت  
ہے اور پیغمبر کو ہڈیاں ہلکی باتن کر رہے ہیں اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ ۛ)  
غور کرنے والے پیغمبر کے ارشاد اور صحابہ کے جواب سے نتیجہ نکال لیکن اے کہ پیغمبر  
کی اس واقعہ کے وقت حالت مرض کیسی تھی؟

آیا ان کو درد کی شدت تھی؟ اور ان کو ہڈیاں تھیا یا ہنیں؟ اور حضرت عمرؓ اور صحابہ  
نے ہڈیاں کی نسبت پیغمبر کو اس وقت کس غرض سے دی؟۔

**بیان واقعہ قرطاس** | ذی علم مصنف واقعہ قرطاس یوں بیان کرتے ہیں کہ ۛ

آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے  
ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر  
کہا کہ آنحضرت کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے  
بعضوں نے کہا کہ رسول اللہؐ ہلکی باتن کر رہے ہیں (لغو باللہ) روایت میں ہجیر  
کا لفظ ہے جس کے معنی ہڈیاں کے ہیں ۛ

پھر ذی علم مصنف اس واقعہ کو یہ ظاہر تعجب انگیز ظاہر کر کے پہہ کہتے ہیں کہ  
ایک متعرض کہہ سکتا ہو کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کی درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ  
مصنف کا ظاہری تعجب صحابہ کی | میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی  
عدم تمہیل ارشاد آنحضرتؐ پر | سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی کی  
پچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لئے اس



میں سہو خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمرؓ پر دوائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہو تو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہی نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (نور باللہ)۔

پھر ذی علم مصنف اپنے ظاہری تعجب کے بعد مسلمانوں کے دو مختلف گروہوں کی طبع آزمائیوں کا ذکر کر کے اپنی یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اصول و روایت سے کسی نئے کام نہیں لیا۔ اور جو واقعہ جس طریقہ سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر اسناد دہر سکتے یا نہو سکتے کے لئے ان امور کو پیش نظر رکھنا چاہتے ہیں کہ۔

امور قرار وادہ مصنف بنا بر استناد (۱) آنحضرت تیسرے دن بار رہے امور مندرجہ روایات قصہ قرطاس (۲) کاغذ فلم طلب کرنے کا واقعہ ہجرات مستقمن قدح ابن عباس کے دن کا ہے دو شنبہ کے دن انتقال

فرمایا اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے۔ (۳) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث بہت سے طریقوں سے مروی ہے چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے باہمہ غیر عبد اللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف ہی منقول نہیں۔ (۴) عبد اللہ بن عباس کی عمر اس وقت تیسرے چودہ برس کی تھی۔ (۵) اس موقع پر وہ موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔

اس پر یہ حاشیہ بھی لکھا ہے کہ ”بخاری باب کتابتہ السلام میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے اس لئے محمد بن نے اس پر بحث کی ہے اور یہ دلائل قطعہ



ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔

”۱۶۳) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے کانزد و سلم انکا توگون نے کہا کہ رسول اللہؐ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔“

قرطبی کی تاویل متعلق لفظ ہذیان | بہر علامہ قرطبی کی تاویل کو جس پر اذکوناز

ہے کہ ”لوگون نے یہ لفظ (بجہر ہذیان) انکار و استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے خدا نخواستہ آنحضرتؐ کا قول ہذیان تو نہیں کہ اسپر لحاظ نہ کیا جائے۔“ تحریر کر کے ذی علم مصنف یہ رائے دیتے ہیں کہ۔

مصنف کی استدلالی رائے نسبت ہذیان | ”بخاری اور مسلم کی بعض روایتوں

میں ایسے صاٹ الفاظ ہیں کہ جس میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔“ اور اپنی رائے نسبت ہذیان یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ”جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ قلم و دوات لاؤ لوگون کو ہذیان کا خیال کیوں کر پیدا ہو سکتا تھا فرض کر لو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات ہی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا ذاتاً کے قریب یہ کہنا کہ قلم و دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھتا ہوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو اس میں ہذیان کی کیا بات ہے۔“

حاشیہ پر مکتبہ سنخون کے اس مضمون آفرینی کی کہ ”رسول اللہؐ لکھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپؐ کا یہ فرمانا کہ میں لکھ دوں ہذیان کا قرینہ تھا۔“ اس سخن سے تروید کرتے ہیں کہ ”لکھنے کے معنی لکھوانے کے ہی آتے ہیں۔“

بالآخر ذی علم مصنف اس روایت کے قابل استدلال نہ ہونے کے لئے پھر رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ”راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور میہوشی کی حالت میں قلم و دوات



طلب فرار ہے ہیں۔ اور اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت  
عبداللہ بن عباس راوی ہیں، اور ان کی عمر ۱۳-۱۴-۱۵ برس کی تھی اور وہ موجود نہ تھے۔  
ذی علم مصنف اس الزام سے بچنے کے لئے کہ وہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ  
کرنے والے قرار پاتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ وہ بخاری اور مسلم کی کسی راوی کی نسبت  
پر شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ کہہ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ  
رسول اللہ کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جاوے۔  
ذی علم مصنف یہی قبول کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ اس واقعہ کے بعد چاروں تک  
زندہ رہے اور اسی اثنا میں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں۔

عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا۔  
مصنف کی استدلالی رائے | ذی علم مصنف نے جمہور مورخین و محدثین  
کی مفصل حقیقت اور علماء کے خلاف تیرہ سو برس کے بعد واقعہ

قرطاس کی بابت ایک ایسی انوکھی رائے ظاہر کی ہے جس میں ایک چہرہ کی  
تصویر دورِ حنی کہنچی ہے۔

تصویر کے نصف چہرہ کو جب دیکھا جاتا ہے تو اور ہی رنگ نظر آتا ہے اور جب  
دوسرے حصہ پر نظر کی جاتی ہے تو دوسرا روپ دکھائی دیتا ہے اور ان کی تفریق ایسی  
مذہب ہے جس سے یہ امر صاف نہیں ہوتا کہ وہ اس گل واقعہ کو شبہ جانتی ہیں  
یا صرف اس حصہ کو کہ جو ارشاد پیغمبر کے جواب میں حضرت عمر اور صحابہ نے پیغمبر  
کے ارشاد کو ہذیان بتایا۔

ذی علم مصنف کو جنہوں نے محققانہ طور پر تاریخی حیثیت سے اس نصف کا دعو  
کیا ہے لازم تھا کہ وہ بلا خوف صاف صاف ظاہر کرے کہ ان کی تحقیق میں تمام واقعہ  
قرطاس غلط ہے یا اس کا وہ حصہ جو ارشاد پیغمبر کے جواب میں صحابہ نے ہذیان



کی نسبت پیغمبر کو دی ہے ٹھیک نہیں ہے۔

اصل، ائمہ فطاس کی صحت اور غیر صحت اس بات پر موقوف ہے کہ وہ کُل روایتیں (جو بہت سے طریقوں سے مروی ہیں اور صرف صحیح بخاری میں سات طریقے سے مذکور ہے جیسا کہ ذی علم مصنف قبول کرتے ہیں) واقعی ہیں یا موضوعی؟ گو بحالت صحت واقعہ کے واقعہ کے بیان کی نوعیت پر بیان کے الفاظ کے معنی پر بحث ہو سکے۔ لیکن اس سے اصل واقعہ کے وقوع میں شبہ نہیں ہو سکے گا بلکہ اس بحث سے یہ لازم آدے گا کہ وہ واقعہ دو قیمن ضرور آیا ہے۔

ابن عباس سے جو بہت سے طریقوں سے یہ واقعہ منقول ہوا ہے اس کے راوی جدا گانہ ہیں اور اس سے یہ ظاہر ہے کہ ابن عباس نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کو مختلف لوگوں کے سامنے بیان کیا ہے جس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابن عباس نے اس واقعہ کو لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا بلکہ یہ امر قطعی ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ ابن عباس نے اس واقعہ کا اظہار موقع موقع کیا ہے اور اسی سبب سے کہ متعدد موقعوں پر ابن عباس نے اس واقعہ کو ظاہر کیا ہے اور اس کے جدا گانہ راوی ہیں کوئی آج تک ان روایات کو جن میں اس واقعہ کا بیان ہے وضعی نہیں کہہ سکا۔ اور نہ ذی علم مصنف کو گنجائش ملی ہے کہ وہ ایسی روایات کو جو بہت سے طریقوں سے وارد ہوئی ہیں وضعی کہہ سکیں اور نہ عبداللہ بن عباس کی نسبت کسی نے کذب و بہتان کا الزام لگایا ہے بلکہ اذکو فیہ عالم اور مفسر قرآن مجید مانا ہے۔ اور ذی علم مصنف روایات بابہ توثیق ابن عباس نے اذکو شاگرد حضرت عائشہ کا قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے ابن عباس سے کہ ”چٹا لیا مجھ کو رسول اللہ نے اپنے سینے سے اور فرمایا الہی سکھا دے اوسکو حکمت“ اور ایک روایت میں ہے ”بار الہا علم دے اوسکو کتاب کا اور حکمت کا“



ذی علم مصنف نے ہی عبد اللہ بن عباس پر کسی کذب و بہتان کے الزام لگانے سے اپنے آپ کو بری رکھا ہے جن جن راویوں نے ابن عباس سے اس واقعہ کو روایت کیا ہے نہ ان کی نسبت آج تک کسی نے باخود ذی علم مصنف نے یہ کہا ہے کہ وہ ان راویوں نے ابن عباس پر بہت اور افترا باندھا ہے۔

ایسی حالت میں یہ امر نا لازم آتا ہے کہ ابن عباس نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اصلی اور سچا ہے۔ اور وہ روایتیں جس میں اسی واقعہ کا بیان ہے صحیح ہیں۔ اور اس امر کی تدریح محال ہے کہ واقعہ قرطاس و قوعین نہیں آیا۔

قصہ قرطاس میں ابن عباس | ذی علم مصنف نے عبد اللہ بن عباس کی جرح کی حقیقت | کی نسبت اس روایت کے متعلق جو برحقین کی

ہیں اگر وہ ان واقعات اور حالات پر (جو دیگر روایات میں منقول ہیں اور ان روایتوں پر جو زمانہ مرفع پیچھے سے متعلق ہیں جس سے خود ذی علم مصنف نے پہلے نتیجہ نکالا ہے کہ یہ تمام مدت بیماری میں آنحضرت کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلاف جو اس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔ آنحضرت اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اشار میں وقتاً فوقتاً بہت سی باتیں اور وصیتیں فرمائیں جن زمانہ کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا۔

اور ان روایتوں پر جو اس واقعہ کے متعلق عبد اللہ بن عباس سے خود ذی علم مصنف قبول کرتے ہیں کہ یہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے یہاں تک کہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے ذکر ہے) یکجائی نظر کرتے تو ان کو ان جرحوں اور ان شبہوں کی جو عبد اللہ بن عباس کی نسبت متعلق اس واقعہ کے کئے ہیں جرات و گنجائش ہوتی۔ لیکن نہیں۔ ذی علم مصنف نے ان تمام امور پر نظر کر لی ہے۔ انہوں نے سب سے اور جرحیں عبد اللہ بن عباس پر اس روایت



کے متعلق اس میں پاسداری سے کہیں ہیں کہ جس نے اس تعیف پر بغرض پاک و کہا فی  
 حضرت عمر کے برا بھلا کیا ہے مگر ذی سلم مصنف کا قصہ قرطاس نہ قبول کرنے سے  
 منشا یہی ہے کہ قصہ سقیفہ بنی ساعدہ پر اور حضرت ابو بکر کے خلیفہ مقرر ہونے پر  
 اور پھر حضرت عمر کے استخلاف پر جو حضرت ابو بکر نے کیا سخت حملہ اور ابطال لازم  
 آتا ہے اور حضرت عمر پر کہ جو ان وصیت بنی عمر کے ہوئے، ایک مذموم الزام قائم ہوا  
 ہے کہ جس کا اثر صرف ان کے تقرر خلافت پر نہیں بلکہ ان کے ایمان پر ہی پڑتا ہے،  
 اور ان کے اسی منشا نے خود او ان سے یہ پہلوایا ہے کہ ”بخاری اور مسلم کے کسی  
 راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ کر سکے اس سے کہیں  
 زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی  
 کا الزام لگایا جاوے“ جس کا صریح نتیجہ یہ ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ حضرت عمر پر الزام  
 قبول کریں ابن عباس پر الزام قبول کرتے ہیں لیکن حضرت ابو بکر کی خلافت بنو قبول  
 کرانے کے بیان میں ذی سلم مصنف حضرت عمر کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ ”حضرت عمر  
 نے فاطمہ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم  
 آپ ہر کسب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے بیان لوگ اس طرح مجمع کرتے رہیں  
 تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا، اگرچہ ہند کے اعتبار سے اس  
 روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہلکا  
 نہیں معلوم ہو سکا تاہم روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں  
 ہے، حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں حقیقت یہی  
 کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کاروبار  
 کیں ان میں گو بعض اعتدالیان پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہیں بے  
 اعتدالیوں اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا“ (صفحہ ۱۷ حصہ اول الفاروق)



جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بمقابلہ نبوت رسول اللہ کے اپنے نزدیک مجہول راوی کی قدر  
 نہ کر کے، حضرت عمر کی تنہی اور تیز مزاجی کی درایت سے، حضرت عمر کی حرکت  
 قصد احراق خانہ فاطمہ اور حضرت عمر کی بے اعتدالیوں کو تسلیم کرتے ہیں، اسی  
 طرح مصنف کو لازم تھا کہ بمقابلہ پیغمبر کے عبد اللہ بن عباس کی قدر قیاسی نہ  
 کر کے ایسی روایت میں جو سات طریقوں سے صرف ایک صحیح بخاری میں ہو، حضرت  
 عمر کی تنہی اور تیز مزاجی کی درایت سے، حضرت عمر کی حرکت منع قرطاس  
 پیغمبر کو نسبت ہذا کی دینے اور انکی بے اعتدالیوں کو جو اس قصہ میں ہو،  
 ابن عباس سے بیان واقعات قبول کر لیتے۔ عبد اللہ بن عباس ذوہ  
 قصہ قرطاس میں کچھ ترک نہیں کیا۔ واقعات چھوڑ نہیں دے ہیں جسے لوگوں

کو یہ خیال پیدا ہوا آنحضرت ہوش میں نہیں تھے اور بیہوشی کی حالت میں تسلیم  
 و اذات طلب فرما رہے تھے بلکہ ان کے نزدیک ایسے واقعات کا کہ جس سے پیغمبر  
 کی حالت بیہوشی کی سمجھی جاوے وجود ہی نہیں تھا۔ اور ابن عباس بر کچہ موقوف  
 نہیں کیسے کے نزدیک ہی پیغمبر کی حالت بیہوشی کی نہیں تھی۔ یہاں تک کہ اس  
 زمانہ میں ہی محض مورخ مصنف نے قبول کیا ہے کہ تمام مدّت بخاری میں آنحضرت  
 کی نسبت کوئی واقعہ اختلال جو اس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں امد آن  
 حضرت اس واقعہ کے بعد چاروں تک زندہ رہے اور اس اثنا میں وقتاً فوقتاً  
 بہت سی ہدائیں اور وصین فرمائیں۔ عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل  
 گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا۔

ایسی حالت میں عبد اللہ بن عباس کہاں سے اور کیونکر وہ واقعات بیان  
 کرتے جن سے آنحضرت کے ہوش میں ہونے اور بیہوشی کی حالت میں کاغذ و قلم  
 طلب فرمانے کا لوگوں کو خیال پیدا ہوا۔



ابن عباسؓ سوہدندان نہ تھے

و حقیقت عبد اللہ بن عباسؓ اس امر کے

کہ آنحضرت ہر شش میں ہین ہین اور بیہوشی کی حالت میں قلم و کاغذ طلب فرما رہی ہین مخالف تھے۔ وہ اس کے سوہد نہیں تھے کہ یہ خیال کہ آنحضرت ہوش میں ہین ہین اور بیہوشی کی حالت میں کاغذ و قلم طلب فرما رہے ہین صحیح تھا یا ایسے خیال کی گنجائش تھی ابن عباسؓ کے نزدیک پیغمبر ہوش میں تھے اور بیہوشی کی حالت میں قلم و دوات طلب ہین فرما رہے تھے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہ نے جو پیغمبرؐ کی نسبت یہ کہا کہ یہ شدت مرض کی سبب سے ہدیان ہے، یہ بیان ابن عباسؓ کے نزدیک غلط اور خلاف واقعہ تھا۔ ابن عباسؓ کا یہ مقصود ہے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ نے یہ جملہ غلط اور غیر صحیح کہا، ہدیان کی تعبیر پیغمبرؐ کی نسبت کر کے ارشاد پیغمبرؐ کی تعمیل ہونے دی اور امر خلافت کو جھگڑہ میں ڈال دیا اور اس وقت کو کہ جو پیغمبرؐ بنیاد اختلاف امر خلافت کو تحریر الہی قصہ قرطاس میں مقصود ابن عباسؓ بتانا چاہتے تھے الہی۔

کار وایات طرق مختلفہ سے یہ مقصود عبد اللہ بن عباسؓ

کا ان روایتوں سے صاف صاف پایا جاتا ہے جو بہت سے طریقوں سے منقول ہوئی ہین جن کا حاصل مضمون یہ ہے کہ جس وقت نزدیک ہوا زمانہ وفات پیغمبرؐ کا یا جبکہ شدت ہوئی بنی کو مرض موت میں پیغمبرؐ فرمایا کہ لے آؤ تم میرے پاس کاغذ و دوات یا شانہ یا دوات یا لوح و دوات تاکہ لکھ دوں میں تم کو ایک کتاب کہ ہرگز بعد اس کے تم گمراہ نہ ہو پس کہا حضرت عمرؓ نے غلبہ کیا ہے پیغمبرؐ پر بخوری اور درد مندی نے اور ہدیان ہے پیغمبرؐ کو اور تمہارے پاس قرآن ہے جس کا کافی ہے ہمارے لئے کتاب خدا پس اختلاف کیا اور جھگڑہ کیا اون لوگوں نے اور ہین سنا اور ہے بنی کے پاس جھگڑہ بعضے کہتے تھے کہ نزدیک نے آؤ سامان کتابت اور بعضے وہی کہتے تھے کہ جو کچھ حضرت عمرؓ نے کہا تھا اور کہا لوگوں نے ہجر (ہدیان) کیا تاجر



کیا رسول اللہ نے، اور پھر کرا ہے رسول اللہ اور کہتے تھے کہ کیا شان ہے نبی کی  
 آیا پھر کیا اوس نے سمجھ لو پیغمبر ہے، جب جہگڑہیکی بائیں بڑھ گئیں اور بیہودگی زیادہ  
 ہو گئی، پیغمبر نے فرمایا کہ چوڑ دو ٹھیکو اسی حالت میں کہ جس حالت میں میں ہوں،  
 کہ وہ بہتر ہے اوس سے کہ جس میں تم مجھ کو جانتے ہو یا پیغمبر نے فرمایا کہ اٹھ باؤ میرے  
 پاس سے، نہیں سنا اور ہے میرے پاس جہگڑہ کرا۔ پس چلے گئے لوگ رو  
 کرتے ہوئے پیغمبر پر۔ ابن عباس کہتے ہیں سخت مصیبت تھی ہر مصیبت سے جو کچھ  
 کہ حائل ہوئی درمیان رسول اللہ اور اذ کی کتاب کے، یا یہ کہا کہ حائل ہوئی۔  
 درمیان ہمارے اور درمیان کتاب رسول اللہ کے، ابن عباس نے یہ یہی کہا  
 ہے کہ ”دن بخشنہ کا اور کیا دن بخشنہ کا مصیبت کا دن تھا دن بخشنہ کا اور یہ  
 روئے یہاں تک کہ آنسو اذ کی سنگریزوں پر بہ گئے یا اذ کی خساروں پر گویا  
 موتیوں کی ٹری تھی۔“

روایات بالا کا نتیجہ | ان مضامین روایات سے صاف ظاہر ہے کہ ابن عباس  
 نے پیغمبر کی حالت وقت طلب کا غزو و دوات کے بیماری کی یا شدت مرض کی  
 ظاہر کر دی ہے لیکن وہ اذ کو مختل الحواس یا اذ کی حالت ہذیان کی نہیں جانتے  
 تھے اور حضرت عمر نے اور جس کسی نے پیغمبر کے کلام کو ہذیان کی نسبت دی اور پھر  
 باہم صحابہ کے جہگڑہ ہوا، اوجب سمجھتے تھے جس کے سبب سے امتناع تحریر کتابت  
 پیغمبر کا ہو گیا۔ چنانچہ ابن عباس نے جو یہ کہا ہے کہ ”دن بخشنہ کا اور کیا دن  
 بخشنہ کا“ اذ کی شرح میں کرمانی نے ہی کہا ہے کہ ”وہ کعب کرتے ہیں  
 اوس دن کے امر عظیم پر اور مکروہ جانتے ہیں امتناع کتابت کو۔“

پیغمبر نے جب اپنی نسبت صحابہ سے یہ سنا کہ وہ بیماری اور درد کی  
 شدت سے ہجر (ہذیان) کی حالت میں ہیں صحابہ نے باہم اختلاف اور جہگڑہ



کیا: اوس پر پیغمبر نے جو یہ فرمایا کہ: "چھوڑ دو مجھ کو اوس حالت میں کہ جس حالت میں  
میں ہوں اور وہ بہتر ہے اوس سے کہ جس میں تم مجھ کو چاہتے ہو" بابہ فرمایا کہ یہ اٹھ  
جاؤ میرے پاس سے ہنن سزاوار ہے میرے پاس جھگڑہ کرنا: اور لوگ اٹھ کر چلے  
گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ پیغمبر نے جو قرطاس و دوات طلب کیا تھا اوس وقت  
نہ حالت ہذیان کی تھی نہ اختلال حواس کی اس لئے کہ جواب ارشاد پیغمبر کے حضرت عمر  
اور صحابہ نے جو کچھ کہا اور جھگڑہ کیا اوس سب کو پیغمبر نے بخوبی سمجھ لیا اور اس کے  
بعد جو پیغمبر نے ارشاد فرمایا وہ دلپسای عقل و دانش کا ہے جیسا کہ نبی کے لئے  
صحابہ نے پیغمبر کے آخری ارشاد اٹھ کر ہونا چاہئے تھا۔

چلے جانیکو کیون نہ ہذیان سمجھا  
حضرت عمر و صحابہ نے جو اخیر ارشاد  
پیغمبر کی تعمیل کی اور اٹھ کر چلے گئے اس سے ظاہر ہے کہ وہ بھی پیغمبر کی حالت  
ہذیان نہیں سمجھتے تھے اور ہذیان کا حیلہ محض دفع الوقتی تھی۔

اگر آخری ارشاد کو ہی پیغمبر کے ہذیان سمجھتے اور یہ جانتے کہ پیغمبر ریشیان  
اور ہلکی ہوئی بابتن کرتا ہے تو ہرگز آخر ارشاد پیغمبر کی بے تعمیل نہ کرتے اور اٹھ کر  
نہ چلے جاتے۔ ایسی حالت میں ابن عباس کیسے قائل ہو سکتے تھے کہ پیغمبر کی حالت  
ہذیان کی ہے جو اونہیں کی تائید کے متعلق واقعات کہیں سے بہم پہنچا سکتے  
جس کے چھوڑ دینے کا الزام ذی علم مصطفیٰ عبد اللہ ابن عباس پر لگائے ہیں اور  
یہ چاہتے ہیں کہ خلاف واقعہ واقعات کا ان کو دکھانا چاہئے تھا۔

ذی علم مصطفیٰ نے ابن عباس پر جو الزام چھوڑ دینے واقعات کا لگایا ہے  
ہمارا تعجب حضرت عمر و صحابہ پر اٹھتا ہے کہ اوس قدر تعجب انہوں نے نہ کیا  
تھے جس قدر حضرت عمر و صحابہ پر کہ وقت طلب کا غرض و دوات کے تو پیغمبر کو ہذیان  
کی نسبت دی اور جھگڑہ کیا جس سے امتناع کتابت رسول کا ہوا اور



بعد اوسکے جو پیغمبر نے ارشاد کیا اوسکو نہ بیان نہ سمجھا۔ مگر یہ وہی مثل ہے کہ ۱۱ ایک  
خون کرے اور دوسرا اوسپر خاک ڈالکر چپا دے ۱۱

ابن عباس بخشینہ کو یاد کر کے | عبد اللہ بن عباس جو دن بخشینہ  
کیون رو یا کرتے تھے ؟ | کو یاد کر کے زار و قطار روئے ہیں اوس بدن

کے روز مصیبت ہونے کا اذکوی یقین تھا۔ اور وہ مصیبت کیا تھی ؟ امتناع کتابت  
پیغمبر۔ اور ادن کے عند یہ میں وہ امتناع کتابت مصیبت کیوں تھی ؟ وہ  
یقین رکھتے تھے کہ تحریر ابھی خلافت کے لئے پیغمبر علیؑ کے نام کی تصریح اور یقین  
فرمایا ہے ہیں۔ اوس امتناع کتابت سے یہ مصیبت طاری ہوئی کہ خلافت  
خاندان بنی ہاشم سے نکل گئی جس خاندان میں کہ ابن عباس تھے۔

شروع شارحین بابہ | شارحین نے اوس کتاب کی جسکا لکھنا پیغمبر  
کتابت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم | چاہتے تھے یہ شرح کی ہے کہ ۱۱ اوس کتاب میں

نقص ہوگی ادن ائمہ کے لئے جو بعد پیغمبر کے ہون گئے ۱۱ یا بنی نے ارادہ کیا تھا کہ  
لکھکر یقین کر دین کسکو صحابہ سے واسطے خلافت کے تاکہ نہ واقع ہو جبکہ وہ اختلاف  
بعد پیغمبر کے، اور پہونچا دے اذکودہ طرف گمراہی کے ۱۱

بہر حال کسی کے لئے اوس کتاب سے نقص ہوتی لیکن امت پیغمبر پر  
امر خلافت کے اختلاف اور نزاع کی (جس سے مذہب اسلام کا تنزل ہو گیا  
اور وہ اپنے صحیح مرکز پر قائم نہ رہا) مصیبت نہ پڑتی۔ مگر

ایک موقع پر خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیؑ کے نام کی تصریح اوس  
کتاب میں کرنے والے تھے جسکا ابن عباس کو یقین تھا اور جس کے امتناع کو  
انہوں نے مصیبت کہا ہے۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ میں اوائل خلافت میں خلیفہ ثانی کر اس گیا



حضرت عمر کا اقبال کتابت میں علیؓ  
مرتضے کے نام کی تصریح اور اس  
میں اپنی مزاحمت کرنے کی بات

انہوں نے سخت قسم دیکر نسبت علیؓ کو  
پوچھا۔ آیا ان کے نفس میں ادعا کے خلافت  
سے کوئی چیز باقی ہے۔ ۹۔ میں نے کہا کہ  
ہاں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی خلافت پر رض رسول خدا  
کی ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں اور اس سے زیادہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں نے اپنی باپ  
سے جس کا کہ حضرت علیؓ دعویٰ کرتے ہیں پوچھا تھا انہوں نے بھی ان کی تصدیق کی۔  
خلیفہ صاحب نے کہا کہ رسول خدا نے ان کے حق میں کبھی کبھی چند امور کہے ہیں کہ وہ  
نہیں ثابت کرتے ہیں اور ان سے قطع بند نہیں ہو سکتا ہے وہ صریح نہ تھے اور  
کبھی اس محبت کے سبب سے کہ جو ان کے ساتھ رسول خدا کو تہی پیغمبر نے چاہا اور ان  
کے حق میں کچھ کہیں اور حق سے طرف باطل کے ان کے باپ بن یسٰل کر جائیں اور مرض موت  
میں چاہا کہ ان کے نام کی تصریح بھی کر دین میں نے ان کو روکا یہ سبب محبت اسلام  
اور شفقت امت کے۔ بحق خانہ کعبہ کہ ہرگز قریش اور بنی النضیر اتفاق نہ کرتے اور اگر وہ  
خلافت کو لے لیں تو قریش چاروں طرف سے انہیں لوہے کی گولیوں سے مار دے گی۔ پس آنحضرت ہی  
سمجھے اور جو کچھ کہ ان کے دل میں تھا یعنی تصریح ان کے نام کی نہ کی اور جو کچھ کہ  
ہونے والا تھا ہوا۔

اس روایت سے خود حضرت عمر کے بیان سے وجود واقعہ طلب قرطاس کا  
حضرت عمر کے اقبال سے استدلال اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے اور یہی ظاہر  
ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنی اس کتاب میں جس کو وہ لکھنا چاہتے تھے خلافت کے لئے  
علیؓ مرتضے کے نام کی تصریح اور ان کا تعین چاہتے تھے اور یہی واضح ہوتا ہے کہ  
پیغمبر کے فرمان کی تعمیل میں حضرت عمر نے مزاحمت کی جس کے سبب سے تعمیل



سرانجام پیمبرؐ ہیں جو کسی۔ اور پیمبرؐ کی علامت یہ پایا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمرؓ اپنے پیغمبرؐ  
 کے فرمان کی تعمیل کو روکا اور ذریعہ مزاحمت لتیل ارشاد پیمبرؐ کا اپنے اسی سخن  
 کو گردانا کہ جو پیغمبرؐ کے مواجہ میں اوسوقت کہا تھا کہ "شدت درو کی ہے اور پیغمبرؐ  
 کو ہڈیاں ہے اور ہکو کتاب اللہ کافی ہے" جس پر باہم صحابہؓ کو جھگڑہ ہوا اور ان کے  
 اٹھاوے جانے اور پیغمبرؐ کے پاس سے چلے جانے کی نوبت آئی۔ اور ان کلمات کا  
 محض بغرض جیلہ امتناع لتیل ارشاد پیمبرؐ کے کہنا اور ان کا اصلی مطالبہ  
 واقعہ کے ہونا خود قول حضرت عمرؓ سے (جو اس روایت میں منقول ہے) اور حضرت عمرؓ نے  
 اپنا دلی نشان ظاہر کیا ہے کہ جو پیغمبرؐ سے علی کے امر میں چند امر صادر ہوئے کہ وہ امر  
 قطع عذر نہیں کرتے تھے اور کسی کہی بسبب اس محبت کے جو پیغمبرؐ علی کے ساتھ  
 رکھتے تھے چاہتے تھے کہ حق سے طرف باطل کے ان کے بیان میں میل کر جائیں اور مرض  
 موت میں چلا کر تصریح ان نام کی کر دیں۔ میں نے منع کیا اور ان کو اس بات سے کہ فریش  
 ہرگز اس پر اتفاق نہ کریں گے (صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ دل میں ان کے جوابات تھے  
 اوسکو پیغمبرؐ کے سامنے ظاہر نہیں کیا اور جوابات کہ دل میں تھے اوس کے خلاف امتناع  
 لتیل ارشاد پیمبرؐ کے لئے پیغمبرؐ کو نسبت شدت مرض اور ہڈیاں کی دی جس کا نتیجہ  
 یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں کچھ اور تھا اور پیغمبرؐ کے سامنے کچھ اور کہا۔

بنظر اوس تحقیق کے جو میں نے ظاہر کیا یہ امر اچھی طرح قابل اطمینان کے ہے  
**نتیجہ استدلال** کہ واقعہ قرطاس صحیح تھا اور حضرت عمرؓ کی مزاحمت کی سبب  
 سے لتیل ارشاد پیمبرؐ کی نوبت نہ آئی اور پیغمبرؐ کی نسبت جو ہڈیاں کا کلمہ کہا گیا  
 وہ خلاف واقعہ اور مصنوعی تھا اور ابن عباسؓ نے کسی اور واقعات کو نہیں چھوڑا  
 جس سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ پر شش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت  
 میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں بلکہ کسی ایسے واقعات کا وجود ہی نہیں تھا اور



نہ ایسے خیالات کی ابن عباسؓ ناپید کرنے والے تھے اور نہ امر مذہبان حضرت عمر  
یا کسی صحابہ کے واقعی طور پر ذہن میں تھا۔ ایسی حالت میں واقعہ قرطاس ضرور قابل  
فقہ قرطاس کے حضرت جابر بن عبد اللہ لال کے ہے۔

عبد اللہ الضاری ہی راوی ہیں یہ امر کہ صرف حضرت عبد اللہ بن عباس  
اس روایت کے راوی ہیں نہ صحیح ہے نہ قابل قدح کے۔

صحیح اس لئے نہیں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ الضاری سے ہی دو طریقہ  
سے یہ روایت منقول ہوئی ہے ۱۔ جابر سے حدیث ہے تحقیق بنی صلی اللہ علیہ وسلم  
(۱) حدیثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثناء موصی نے ماذکا وقت اپنی موت کے صحیفہ (جبر  
بن داؤد حدیثنا ابن اسیر عن ابی الزبیر) کچھ لکھا سکتے) تا آنکہ لکھیں اوس میں  
عن جابر ان ابی سلم دعا عند موتہ بصحیفہ ایک نوشتہ نہ گمراہ ہوں وہ (صحابہ)  
لیکتے فیہا کتابا لا یفلون بعدہ قال فخالف بعد اوس (نبیؐ) کے کہہ راوی نے پس  
علیہا عمر بن الخطاب تنہ رفضہا مخالفت کی اوس پر عمر بن الخطاب نے  
بیان تک کہ چھوڑ دیا اوس صحیفہ کو بازگشت کی اوس سے ۱۔ ۱۔

(۲) ۱۔ وئی رسول اللہ صلعم بصحیفہ عند موتہ ۲۔ ماذکا رسول اللہ صلعم نے صحیفہ وقت موت  
فاراد ان بکتب لم کتابا لا یفلون بعدہ و لم اپنی کے اور ارادہ کیا یہ کہ لکھیں واسطی  
کثر اللفظ و تکلم عمر فرفضہا ۱۔ اوس (صحابہ) کے کتاب نہ گمراہ ہوں  
وہ بعد نبیؐ کے پس بہت ہو گیا غل اور سورا اور کی بات جھگڑے کی حضرت عمر  
نے اور چھوڑ دیا اوس صحیفہ کو بازگشت کی اوس صحیفہ سے ۱۔ ۱۔

اگرچہ روایت صرف عبد اللہ بن عباس سے منقول ہوتی تو بھی قابل قدح کے



صرف عبداللہ بن عباس کے راوی اس کے نہیں تھی کہ ذی علم مصنف  
 قصہ قرطاس ہونی کی دیگر دلیل اول نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس واقعہ کی وقت  
 کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن ادن کی تعداد اور نام و نشان نہیں بیان  
 کیا اگر معلوم ہو جائے کہ کثرت کس قدر صحابہ کی تھی اور کون کون صحابی اس وقت  
 اس وقت موجود تھے؟

لیکن اصلی بات یہ ہے کہ کتابوں میں تعداد صحابہ اور نام گل صحابہ ماضی  
 کے مذکور نہیں ہیں۔

دوسری دلیل کسی واقعہ کے بیان کرنے کی ضرورت اسی شخص کو ہوتی  
 ہے کہ جس کو اس کے بیان کرنے کی احتیاج ہو۔ عبداللہ بن عباس سے جو بہت  
 سے طریقوں سے یہ واقعہ مروی ہے اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس  
 کو اس واقعہ کی بیان کرنے کی ضرورت تھی دیگر صحابہ کو صہنوں نے حضرت ابو بکر کی عادت  
 کو تائید اور حمایت اور مرضی حضرت عمر کے سبب کر کے قبول کر لیا تھا وہ اس واقعہ  
 کو کسی طرح سے ظاہر نہیں کر سکتے تھے کہ واقعہ قرطاس واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ کو  
 باطل کرنے والا تھا اور اس پر وہ سب سے کیس وقت تک اپنی زندگی میں وہ صحابہ اس واقعہ  
 کو روایت نہیں کر سکتے تھے کہ اس کا بیان ادن کے حقیقی ضرر پہنچا نہ والا تھا۔

روایتوں میں جس طور سے یہ واقعہ منقول ہوا ہے قرینہ یہ جانتا ہے کہ یہ واقعہ پیغمبر  
 مبعوثی دلیل کے اندر گہر کے حجرہ بی بی عائشہ میں وقوع میں آیا ہے۔ حجرہ کی  
 کی وسعت پر اور اس امر پر کہ وہ زمانہ خانہ پیغمبر کا تھا نظر کر کے بخوبی اندازہ  
 اس بات کا ہو سکتا ہے کہ کس قدر کثرت سے صحابہ موجود تھے اور کون کون صحابہ  
 قابلیت رکھتے تھے کہ ایسے حجرہ میں داخل ہو سکیں؟

عبداللہ بن عباس کی کسی کی حقیقت یہ امر کہ عبداللہ بن عباس کی عمر اس



وقت کل تیرہ چودہ برس کی تھی قابل اعتراض لایق مصنف کے نہیں ہو سکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ بارہ برس کے سن کا لڑکا گرم ملک میں خاندان بنی ہاشم کا کہ جس گھر میں امارت ملی آتی تھی بالغ اور جوان قبول کیا جاسکتا ہے اور تیرہ چودہ برس کا عمر میں اذکی حالت کی طرح قابل اسکے تصور نہیں کیجا سکتی کہ اون کو بیان پر کوئی شبہ ہو سکے اور اکثر کم سن لڑکوں کی خصوصیتیں علیہم السلام سے روایات اور احادیث پیغمبر اہل سنت کے یہاں بیگی ہیں اور استدلالی گئی ہیں۔

یہ امر کہ عبداللہ بن عباس خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے مانا جانا بہت دشوار ہے۔

عبداللہ بن عباس کے واقعہ کے | خود ذی علم مصنف قبول کرتے ہیں کہ یہ وقت موجود نہ ہونے کی حقیقت بخاری اسکے باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود نہ تھے اور محدثین نے جو اس پر بحث کر کے یہ رائے دی ہے کہ وہ موجود نہ تھے یہ رائے کی طرح قطعی نہیں سمجھی جاسکتی۔

عبداللہ بن عباس کا کہ قریب قرابند رسول کے تھے اس گھر میں اور اس موقع پر موجود ہونا نہایت قرین قیاس ہے۔

کتب اہل سنت میں بہت احادیث پیغمبر ایسی موجود ہیں کہ جس میں وقت پر حاضر ہونا راوی کا روایت میں درج نہیں ہے اور ایسی تمام روایات قبول کی گئی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ابن عباس کا موجود ہونا روایت میں مذکور نہ ہو تو اس سے کچھ قدر روایت پر نہیں ہو سکتی۔

اگر فرض کیا جائے کہ عبداللہ بن عباس وقت واقعہ کے موجود نہ تھے



تو مجبوراً اون کا موجود ہونا مانع اسکا نہیں ہو سکتا کہ جو واقعہ تحقیقی اور ہنوں فی بیان کیا ہے وہ مستند نہ مانا جاوے

یہ واقعہ ایک بڑا عظیم الشان واقعہ ہے جیسا کہ مصنف نے قبول کیا ہے اور جسکی نسبت یقین ہے کہ اسوقت اسکی عام شہرت اور شروع سچائی کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اس جلسہ میں جیسا کہ حضرت عمر کا موجود ہونا تحقیقی ہے ویسے ہی علی مرتضیٰ کا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بہت کچھ علی مرتضیٰ سے عبد اللہ بن عباس نے ہر ایک چیز کا علم حاصل کیا ہے۔

خاندانی واقعات کا اہل خاندان | یہ واقعہ ابن عباس کا خاندانی واقعہ کو گو وہ بوقت وقوع کسی واقعہ | ہے اگر وقت وقوع واقعہ کے وہ موجود ہی کے موجود ہنوں صحیح علم ہوتا ہے۔ ہنوں تو لمجاظ اون امور کے جو بیان کئے گئے علم اس واقعہ کا عبد اللہ ابن عباس کو یقینی زیادہ اس سے ہو گیا تھا کہ اگر اودن کی موجودگی میں وہ واقعہ ظہور میں آتا اور اودن کو اسکا علم ہوتا۔ خاندانی واقعات اہل خاندان سے گو وہ وقت وقوع واقعہ کے موجود ہنوں اسبطرح سے قبول کئے جاتے ہیں جسبطرح کہ وہ بیان کریں۔

ایک فرضی مثال | مثلاً فرض کرو کہ روز پیمبر ایک وقت گھر میں موجود ہنوں اور کوئی واقعہ اودن کے گھر میں پیش آئے اور پیمبر جب گھر میں آوین اور اودن کو وہ واقعہ معلوم ہوا اور اس واقعہ کو صحیح قبول کر کے باہر آکر صحابہ سے یہ فرماؤ کہ میرے گھر میں ایسا واقعہ ہوا تو کیا صحابہ یہ کہہ سکتے کہ آپ وقت وقوع واقعہ کے موجود نہ تھے اس لئے آپکا بیان قابل سند کے نہیں ہے۔

فرضی مثال کی حقیقی لطیف | اس مثال کو فرضی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ متعدد روایات میں ایسے واقعات میں گئے بیان تک کہ بی بی عائشہ سے صحیح بخاری میں



یہ روایت منقول ہے کہ یہ پس غضبناک ہوئیں فاطمہ اور بات نہ کی یہاں تک کہ  
 یہ نہ بنت فاطمہ دلم شکلم { مرگین }  
 حتی مات ۛ

اور یہ روایت صحیح مانی گئی ہے حالانکہ بی بی عائشہ نہ اس وقت موجود تھیں کہ جب  
 فاطمہؓ حضرت ابو بکر سے ناخوش ہوئیں نہ اس وقت موجود تھیں جب حضرت ابو بکر  
 سے حضرت فاطمہؓ نے کلام نہیں کیا نہ اس وقت موجود تھیں کہ جب حضرت فاطمہؓ مریں  
 مگر یہ نام واقعات اس لئے صحیح مانے جاتے ہیں کہ بی بی عائشہ کے فائدہ ان کے متعلق  
 ہیں اور ان کے عہد زندگی میں گزرے ہیں گو وقت وقوع واقعات کو وہ موجود نہیں  
 فن روایت کا ایک مسلمہ اصول بنظر اسی قسم کے واقعات کے فن روایت  
 میں قبول کیا گیا ہے کہ اگر کسی کو کسی واقعہ کا علم عینی ہو مگر وقوع واقعہ اس شخص  
 کے عہد میں ہو ہو تو اس واقعہ کو اس شخص کا بیان کرنا منسلک اسی کے صحیح مانا جائیگا  
 گا کہ اس شخص کو اس واقعہ کا علم عینی ہے ۛ

ایسی حالتیں جو قسح ابن عباس کو بیان پر ذی علم مصنف نے ہی اہل تحقیق کی نگاہ  
 میں مطلق اسکی وقعت نہیں ہو سکتی اور یہ امر قابل دیکھنے کے تھا واقعہ قرطاس کا واقعہ حقیقہ  
 بنی ساعدہ پر کیا اثر پڑتا ہی ذی علم مصنف نے واقعہ قرطاس کو اخیر میں جہاں یہ ظاہر کیا ہے کہ  
 حضرت ابو بکرؓ بگمان صحت عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سہیل  
 پیغمبر اپنے گھر واپس گئے گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا  
 اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ۛ اور حضرت ابو بکرؓ اسی خیال سے اپنے مکان  
 کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے ۛ مگر مجھ کو افسوس ہے کہ ذی  
 علم مصنف کو زمانہ نے اس امر کے کہنے کا موقع دیا کہ ۛ حضرت ابو بکرؓ اسی خیال  
 (گمان صحت پیغمبر) سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے



گئے۔ لیکن اس تحریر کا موقع ذی سلم مصنف کو زمانہ نے نہ دیا کہ "حضرت ابو بکر  
بگمان صحت پیغمبر کے مدینہ منورہ کے باہر جا کر شامل لشکر اسامہ کے ہو گئے۔" حضرت  
ابو بکر کے ولی خیال کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وہ باوصف صحت تاکید پیغمبر کے  
شامل لشکر اسامہ کے ہوئے اور اپنے گھر جا کر مور و مخلف جیش اسامہ ہو گئے۔

وفات پیغمبر کے وقت حضرت عمر | ذی سلم مصنف وفات پیغمبر سے جماعت  
کی از خود رفتگی پر مصنف کا قیام | اسلام کو بے اندازہ صدمہ ہونے کے ذکر کہ

وقت بنظر نام روایت حضرت عمر کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ "حضرت عمر اس قدر از خود  
رفتہ ہوئے کہ مسجد بنوی من جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات  
پائی او سکو قتل کر ڈالوں گا۔" لیکن ذی سلم مصنف اس روایت کے متعلق یہ رائے  
رکھتے ہیں کہ "اور قراین اس روایت کی بقدریق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک چونکہ  
مدینہ من کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ بروازی کے لئے آنحضرت کی  
وفات کا منظر تھا اس لئے حضرت عمر نے مصلحتاً اس خبر کے پہنچنے کو روکا ہوگا اسی واقعہ  
نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کرنی ہے لیکن شکل یہ ہے کہ  
صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے قیاس سے مطابق  
نہیں ہو سکتیں۔"

حضرت عمر کی از خود رفتگی | حضرت عمر کا جو حالت اس روایت میں بیان  
مخالف تعلیم پیغمبر کی تھی | کی گئی ہے اس سے پہلے الزام حضرت عمر پر ضرور

عائد ہوتا ہے کہ او پیغمبر کی صحبت اور تعلیم کا مطلق اثر نہیں ہوا تھا اور باوصف  
اس کے کہ وقت طلب قرطاس کے جو ادھون نے فرمایا کہ "ہمارے لئے کتاب خدا  
بس ہے۔" اس کے معنی یہی خوب حل ہوتے ہیں کہ قرآن میں تو خدا فرماتا ہے "اور نہیں  
وہ محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل" ہے محمد اگر رسول، تحقیق کہ گذر گئے ہیں پہلے



افان مات او قتل انقلیم علی عقابکم ۛ { اوس سے بہت رسول پہر کیا اگر مگر جا  
یا قتل ہو جائے پہر جاؤ گے تم اولے پاؤن ۛ اور خلافت اس کے حضرت عمرؓ  
پیغمبر کے قائل نہ ہو کر یہ اعلان کریں کہ ۛ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرت نے وفات  
پائی اوسکو قتل کر دو اور لگا ۛ

حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ پیغمبر کی وفات کے قائل کو قتل کر دو اور لگا، ایک معمولی  
بات ہے رہہ ہیشہ نا واجب قتل پر آستین چڑھا کر ایسا ہی فرما با کرتے تھے۔  
لیکن پیغمبر کی موت کا قائل نہ ہونا اور نہ لگا اور پیغمبر کو قائل موت نہ جاننا خلاف  
آیتہ قرآنی کے، اوس امر کا مورد نہا تا ہے کہ جو آخر آیتہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

حضرت عمرؓ کی از خود رقصی | اسی قسم کے الزامات سے بچانے کے لئے مصنف  
پر قیاس مصنف کی حقیقت | قیاس اور فراس سے اوس اعلان حضرت عمرؓ کو

اپنی طبع زاد ایک نہی! ایسی حضرت عمرؓ کی قرار دیتے ہیں کہ ۛ مدینہ میں کثرت سے  
منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پروازی کے لئے آنحضرت کی وفات کا منتظر تھا اور  
لئے حضرت عمرؓ کے مصلحتاً اس خبر کے پہنچنے کو روکا ہوگا ۛ

ہم بڑی خوشی سے ذی علم مصنف کی اس نکتہ سنجی سے اتفاق کر سکتے  
ہیں اور اس قرینہ سے قطعی متفق ہیں کہ ۛ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ  
موجود تھا جو فتنہ پروازی کے لئے آنحضرت کی وفات کا منتظر تھا ۛ مگر ذی علم  
مصنف نے اس موقع پر یہ خیال نہیں فرمایا کہ ۛ منافق کسکو کہتے ہیں؟ اور لطف  
تفاق کی کیا ہے!

ہکو تو اس وقت تک شناخت منافق کی اور پہچان نفاق کی یہی معلوم ہے  
کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ۔ جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف زبان پر ہو۔  
مگر ہم اس قیاس اور قرینہ ہی علم مصنف کی کہ ۛ مصلحتاً حضرت عمرؓ کے



جز کے پہلے کو روکا ہوگا۔ عادت حضرت عمر سے تابید کر سکتے ہیں کہ اوہوں نے  
وقت طلب قرطاس کے ہی ایسی پالیسی اختیار کی تھی کہ دلی مشارع تو اونکا یہ  
تہا کہ خلافت کے لئے پیغمبر علی کے نام کی تصریح نہ کرنے پائیں۔

اور جب کا اوہوں نے اپنے اہل خلافت میں حضرت ابن عباس سے  
اقبال کیا ہے۔ اس کے خلاف بظاہر یہ کلمہ لکھ کر کہ شدت درود سے پیغمبر کو نہ  
ہے۔ تعمیل ارشاد پیغمبر کو روکا۔ ایسے ہی بعد وفات پیغمبر بھی ضرورت عہد  
نئے بہ خیال اس کے کہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود ہے جو فتنہ پرداز  
کے لئے آنحضرت کی وفات کا منظر ہے۔ مصلحتاً اس خبر کے پہلے کو روکا ہوگا۔

مگر خود ذی علم مصنف اسی قسم کی مشکل پیش آنے سے کہ صحیح بخاری  
وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ادن کے قیاس کے مطابق نہیں  
ہو سکتیں۔ خود اپنی رائے کو بے وقعت کر کے چاہتے ہیں کہ بلیک او سکونا منظور کر دو  
اور ایسی حالت میں تجویہ ہوگا کہ وہ حالت حضرت عمر کی جو روایت میں درج ہی افسوس  
ہے کہ قبول ہو کر ادن الزامات سے جو ادنبر ماند ہوتے ہیں وہ بری نہیں ہو سکتے اور  
ذی علم مصنف کی جانکا ہی رائے گان جاتی ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکر کی فتنہ اور حضرت عمر کا استخلاف

حضرات شیخین کے پیغمبر کو بلا و فن ذی علم مصنف قصہ سقیفہ بنی ساعدہ  
و کفن چھوڑ کر سقیفہ چلے جانے پر یوں شروع کرتے ہیں کہ یہ واقعہ بظاہر  
مصنف کے استعجاب کی مفصل حقیقت تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ

نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا ہی  
انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل  
کر لی جائے، کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں



اور جن لوگوں کو اون کے عشق و محبت کا دعوے ہو وہ اون کو بے گور و کفن  
چھوڑ کر چلے جاویں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت  
اور دن کے قبضہ میں نہ آجائے ؟

لیکن اس واقعہ پر تعجب اپنی حد پر ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ خبر دیتا ہے  
کہ انصار ہوں یا مہاجر ان سب کو دعوے عشق و محبت کا رسول سے تھا جب قبل  
تجہیز و تکفین پیغمبر کے وہ اپنے اپنے لئے حصول مسند حکومت کے واسطے مصروف  
ہو گئے تو درحقیقت ایسے لوگوں کا دعوے عشق و محبت کا محض دعوے ہی دعوے تھا  
اور پیغمبر سے اظہار عشق و محبت کا صرف بغرض حصول مسند حکومت کے  
اور کچھ نہیں سمجھا جاسکتا۔

حضرات سچین کے مہر و ماہ | بہر ذی علم مصنف کو تعجب پر تعجب یہ ہے  
آسمان اسلام ہو چکی مابیت کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابو بکر و عمر)

سوسرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں ؟ لیکن آسمان  
اسلام کے مہر و ماہ اس وقت تسلیم کئے جاسکتے ہیں جب اسلام کے قیام اور اسکے  
شیوع میں بہت پیغمبر کار نایان کر کے اپنے چہرون کو تابندہ کیا ہوا البتہ میرا  
جو آسمان تک کہنے جاتے ہیں وہ تحت خلافت پر قدم پھونک جانے کے سبب  
سے ہیں مگر ذی علم مصنف یہ بیج کہتے ہیں کہ اس فعل کی اگوا ری اور  
اور زیادہ نایان ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے  
فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی اور خاندان نبی با شتم اور پیغمبر فطرتی تعلق کا پورا اثر ہوا  
اور اسوجہ سے انکو آنحضرتؐ کے در و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ  
ہونے کی فرصت نہ ملی ؟

ساتھ ہی اسکے ذی علم مصنف یہ امر تسلیم کر کے کہ ”کتب حدیث



دوسرے بظاہر اس قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ در لیکن حقیقت  
ایسا نہیں ہے۔ مگر حقیقت دکھانے سے پہلے وہ قبول کرتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ  
حضرت عمر (دالبکر وغیرہ) آنحضرت کی تجنیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو  
چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ادھون نے سقیفہ میں پہونچ کر خلافت کے باب میں انصار  
سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کو ششون میں مصروف رہے کہ گویا اون  
پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ ادھون نے اپنی خلافت  
کو نہ صرف انصار بلکہ بنی ہاشم اور حضرت علی سے ہی بزور منوا نا چاہا گو بنو ہاشم  
نے آسانی سے اذکی خلافت تسلیم نہیں کی۔ اس کہنی کے بعد اس بحث میں غور  
بحث سقیفہ میں مصنف کی طلب باتیں قرار دیتے ہیں۔

چار غور طلب باتیں۔ (۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا؟

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے؟

(۳) کیا حضرت علی اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے؟

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہتے تھا یا نہیں؟

پہلی دو بحثوں کے متعلق روایات ذی علم مصنف پہلی دو بحثوں کی

نسبت یہ روایت کہتے ہیں کہ حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے  
خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعتاً دیوار کے نیچے سے ایک آدمی نے آواز دی  
کہ ابن الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو ہوں ہم آنحضرت کے  
بند و بست میں مشغول ہیں، اوس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار  
سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں، اس لئے جلد پہونچ کر اذکی خبر لو ایسا  
ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر رہے ہیں جس سے ٹرائی چھڑ جائے اوس وقت  
میں نے ابوبکر سے کہا کہ چلو۔



حضرت عمر وغیرہ کے خلافت کی پہر ذی علم مصنف اس سے یہ ثابت کرنا  
بحث کو نہ چھیڑنے کی حقیقت چاہتے ہیں کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے

خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے،  
لیکن اس امر کے ظاہر ہونے سے کہ اس وقت حضرت عمر نے خلافت کی بحث  
کو نہیں چھیڑا اپنی خواہش اور خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو نہیں چلے گئے  
بلکہ وہ اس حالت میں حضرت ابو بکر کو ساتھ لیکر گئے ہیں کہ جب ان کو خاص طور  
پر خبر ملی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہوئے ہیں اور ایسی بات کر ڈالنا  
چاہتے ہیں جس سے شرابی چھیڑ جائے، وہ الزام منع نہیں ہو سکتا کہ در پیغمبر  
کو بغیر غسل و کفن و دفن کئے چھوڑ کر امر خلافت میں دخل دینے کے لئے اور  
اپنے واسطے امر خلافت حاصل کرنے کے لئے چلے گئے۔

یہ روایت ذی علم مصنف نے نقل کی ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ  
جس وقت کسی شخص نے دیوار کے پیچھے آکر اطلاع کی ہے اور اس وقت حضرت  
عمر خانہ پیغمبر میں تھے اور پیغمبر وفات پا چکے تھے اور وقت کوئی اس سے  
انکار نہیں کر سکتا کہ علی مرتضیٰ اور حضرت عباس اور اون کے بیٹے ہی اسی  
جگہ موجود تھے اور ادھون نے یہی وہی اطلاع پائی جو حضرت عمر نے پائی۔

کیا وجہ ہوئی کہ علی مرتضیٰ اور حضرت عباس اور اون کے بیٹے وہی  
خبر سنکر نہ گئے جس کو حضرت عمر و ابو بکر سنکر چلے گئے؟

کیا پیغمبر یہ فرما گئے تھے کہ بعد وفات میرے قبل پیغمبر و کعبہ کے امر  
خلافت کی نسبت کوئی جھگڑہ پیش ہو تو اس کے طے کرانے کے لئے حضرات ابو بکر  
عمر علی جائیں۔ نہیں ان حضرات کا اس خبر کو سنکر چلا جانا اور علی مرتضیٰ و حضرت  
عباس اور اون کے بیٹے کا نہ جانا اس بات کی خبر دینا ہے کہ حضرت عمر و ابو بکر منتظر



اس موقع کے تھے کہ امر خلافت کے متعلق کوئی بحث شروع ہو اور اس کو ہم اپنی مرضی کے موافق طے کر لیں۔

حضرت عمر کے دل میں قطعی یہ بات تھی کہ علی مرتضیٰ خلیفہ ہونے پائیں اور خلافت خاندان رسول میں نہ رہنے پائے جیسا کہ ان کے متعدد اقوال سے جو کتب تواریخ و سیر میں منقول ہیں صاف ظاہر ہوتا ہے۔ (صفحہ ۷۸ کتاب ہذا)

جب انہوں نے خبر سقیفہ نبی ساعدہ کی سنی کہ انصار جمع ہو کر ایسی بات کو اٹھانا چاہتے ہیں جس سے ٹرائی چڑ جائے اور سید وقت وہ سمجھ گئے کہ انصار اپنے حق میں امر خلافت کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے خلافت کے تحت کی طرف کو قدم بڑایا ہے جس کا نتیجہ ہو ہوا ہے کہ خلافت خاندان رسالت سے نکل جائے اور علی مرتضیٰ خلیفہ ہونے پائیں تو حضرت عمر کو ایسے مقام پر جانے سے کوئی عمدہ موقع نہیں ہو سکتا تھا اور ان کی صرف اتنی قدر ضرورت باقی رہی تھی کہ انصار سے ایک قدم آگے بڑھ جائیں یعنی اپنی ترجیح انصار پر ظاہر کر کے خلافت لے لیں۔

اس روایت میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ انصار کے سقیفہ نبی ساعدہ میں جمع ہونے کی جو خبر دی گئی وہ خبر دینے والے نے بالتحقیق حضرت عمر کو ہی کہا اور انہیں کا نام لیکر پکار کے کہا ہے کہ ”باہر آؤ“ جس سے اشارات بات کا ہوتا ہے کہ امر خلافت میں نزاع کے چڑ جانے کے متعلق پہلے سے کوئی منصوبہ انہوں نے کر رکھا تھا یا ان کو امر خلافت میں نزاع کے چڑ جانے کا فوراً پسند و نفات پہنچنے کے یقین تھا۔ اور انہوں نے اپنا منبر لگا رکھا تھا کہ جس وقت اس منصوبہ اور نزاع امر خلافت کے متعلق کوئی مجمع ہو تو فوراً ان کو خبر ہو بخائی جائے گو وہ کسی جگہ اور کسی حال میں ہوں۔



اس اشارہ کا یہ نتیجہ ہے کہ خود حضرت عمر کی فکر سے امر خلافت کا جھگڑہ شروع ہوا اور خلافت کے سوال کے چمپیزے کے اصل بانی وہی تھے۔

حضرات یحیٰ بن کثیر کی پیغمبر سے  
سچی محبت و عشق کی حقیقت

حضرت عمر و حضرت ابو بکر کو اگر اون کو  
سچا عشق اور محبت پیغمبر سے تھی تو باوصف  
سے اس خبر کے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے ہیں بغیر گور و کفن  
پیغمبر کو جانا نہیں چاہتے تھا اور کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہتے تھی کہ انصار کیا کرنا  
چاہتے ہیں اور سمجھ لیا چاہتے تھا کہ بنی شریک بنی ہاشم اور مہاجرین جو کچھ  
وہ کریں گے وہ نہ جائز ہو گا نہ حل سکیگا۔ اور

اگر اون کے دل میں یہی تھا کہ انصار امر خلافت کے متعلق جو کچھ کریں  
گے وہی قائم ہو جاوے گا تو اس کا ہی کچھ مضائقہ نہیں تھا۔ جن لوگوں کے  
نزدیک کہ پیغمبر علی کے لئے استخلاف نہیں کر گئے تھے یا اون کو اپنا قائم مقام  
نہیں بنا گئے تھے یا استخلاف و قائم مقامی کے لئے کوئی امر صریح نہیں فرما  
گئے تھے جس سے قطع ہوا ہو سکے اون لوگوں کے نزدیک بعد پیغمبر کے مساوی  
تھا کہ کوئی شخص خلیفہ قرار دیا جائے۔

اگر مہاجرین کو سوائے اون کے جو نسلی قرابت پیغمبر سے رکھتے تھے شرف  
حایت پیغمبر کا بوجہ ہے ہجرت کے تھا تو انصار کو یہی شرف حایت پیغمبر کا بوجہ نصرت  
کے تھا۔

قرآن میں مہاجر و انصار کی مشرتا یا مذلت بدرجہ مساوی بیان کی  
گئی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو بمقابلہ مہاجرین کے حبشہ سے علی مرتضیٰ اور  
دیگر بنی ہاشم کو مثل حضرت امیر حمزہ و جعفر طیار کے الگ رکھنا چاہئے  
انصار نے وہ نصرت پیغمبر کی کی ہے کہ جس کے سبب سے مذہب اسلام قائم

کتابت و تصنیف  
مکتبہ اسلامیہ



و شائع ہوا اور مسلمانوں کی سلطنت قائم ہو گئی۔

ایسی حالت میں اگر انصار اپنے میں سے کسی کو جیسا کہ وہ سعد بن عبادہ کو امیر و خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے تو ان میں مضائقہ کرنے کی کون بات تھی؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ قرب وفات میں خلیفہ مقرر کرنے کے لئے انصار میں سے ہی سالم مولى ابو خدیفہ اور معاذ بن جبل کو باد کیا ہے ان کے فضائل بیان کئے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس وقت سعد بن عبادہ کے امیر قبول کرنے اور ان کے اہتہ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد اس تعداد سے بہت زیادہ ہوتی جو اس وقت حضرت ابو بکر کے خلیفہ قبول کرنے اور ان کے اہتہ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد تھی کہ جو دو یا تن سے زیادہ نہیں ہے اور جیسے کہ بعد کو تدبیرون سے آہستہ آہستہ حضرت ابو بکر کی امارت قبول کرنے والوں اور ان کے اہتہ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد بڑھائی گئی ویسے ہی ہاجرین سعد بن عبادہ کی امارت کو قبول کرنے پر حضرت عمرؓ و ابو بکرؓ جو اجتماع انصار کی خبر سن کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس نیت اور کس ارادہ سے گئے تھے اور وہاں جا کر جو ادھنون نے سعد بن عبادہ کے امیر اور خلیفہ ہونے میں مزاحمت کی اور اپنے آپ کو خلیفہ قرار دیا اسی سے ان کی خواہش و غرض ظاہر ہوتی ہے وہ خواہش و غرض جس نے کہ پیغمبرؐ کو بے گور و کفن چھوڑنے پر آمادہ کیا تھا اور حصول خلافت کو پیغمبرؐ کو بے گور و کفن چھوڑنے پر مقدم رکھا تھا۔ اگر حضرت عمرؓ و ابو بکرؓ کی نیت سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے جانے کی بغیر غرض ذاتی کو خالفۃً محض واسطے نفع مذہب اسلام اور مسلمانوں کے تھی تو حضرت عمرؓ کو چاہئے تھا کہ جیسا ادھنون نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا تھا کہ ”چلو“ دیا ہی حضرت علیؓ سے کہتے کہ ”چلو“ اور ایسے ہی حضرت ابو بکرؓ کو نہیں چاہئے تھا



کہ وہ مجھ کو کہتے حضرت عمر کے بلا پس و پیش کسی امر کے ادن کے ساتھ ہو لیتے بلکہ اذ کو چاہے تھا کہ وہ حضرت عمر کو صلاح دیتے کہ علی کو یہی ساتھ بچلو، اور خود بھی علی سے کہتے کہ تمہارا ساتھ چلنا بہت ضروری ہے کہ تم مہاجر اور انصار سب پر افضل ہو جیسا کہ دیگر موقعوں پر حضرت ابو بکر نے حضرت علی کی نسبت کہا ہے یا حضرت عمر نے بار بار فرمایا ہے کہ "لولا علی لہلک عمر" لیکن حضرت عمر نے حضرت ابو بکر علی سے اپنے ہمراہ لے چلنے کو کہہ سکتے تھے اور نہ علی کو اپنے ہمراہ لے جا سکتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر علی اس مجمع میں شریک ہوں گے تو ہماری غرض ہرگز پوری نہوگی حضرت عمر و ابو بکر کو اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا کہ جہان بحث خلافت کی برپا ہوا اور علی و ان موجود نہ ہوں۔

اس وجہ سے حضرت عمر اور حضرت ابو بکر سقیفہ بنی ساعدہ میں مجروح سستے تھے اپنے منبر سے بغیر کسی پس و پیش اور بغیر علی سے کچھ کہے اور بغیر علی کو ساتھ لئے چلے گئے۔ ایسے ہی موقع پر اسی صورت میں اذ کو اپنے مقصد میں کامیابی کا یقین تھا اور اسکے خلاف بر عمل سے یعنی نہ چلے جانے پر یا علی کو ساتھ لیجانے پر سخت اندیشہ اپنی ناکامی کا تھا ایسی حالت میں گو حضرت عمر و ابو بکر نے خلافت کی بحث کو اس وقت بظاہر اپنی طرف سے نہ چھیڑا، اور خود بخود سقیفہ بنی ساعدہ کو نہ چلا جانا دکھایا لیکن ادن کا شریک ہونا قصہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اور جس حیثیت سے کہ وہ شریک ہوئے بدتر اس سے ہے کہ جو خود وہ علانیہ باوی انجش کے ہوتے۔ یا خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے جاتے۔

قبل گورو کفن پیغمبر کے امر خلافت کو طے کرنے کے لئے جو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے تو ادھون نے کیا اچھا کہا جو ادن کی اجر شکر



اوسی مجمع کے شریک ہونے والے اچھے بچے جائیں۔ گو یہ مہاجر انصار سے  
 اس امر میں مخالف تھے کہ کون خلیفہ اور امیر ہو لیکن یہ مہاجر و انصار اس  
 امر میں متفق تھے کہ امر خلافت خاندان رسالت میں نہ رہے اس لئے طعن  
 سے جیسے کہ انصار نہیں بچ سکتے ہیں ویسے ہی مہاجر۔

حضرت عمر و حضرت ابو بکر کا پیغمبر کو بغیر غسل و کفن چھوڑ کر سرگرم  
 چلا جانا نہیں چاہئے تھا گو کیسی ہی خبر اذ کوئی تھی اور گواہ کے نزدیک کیسی  
 ہی ضرورت پیش آئی تھی ضرورت پیغمبر کے کفن و دفن کی ہر ضرورت پر فقہ  
 جسم اور جان پیغمبر تھی۔ جان اور جسم دونوں رسول ہوتے ہیں۔ جان  
 دونوں رسول ہوتی ہیں | محمد کو یہی روح رسول کہتے تھے اور جسم محمد کو یہی  
 جسم پیغمبر کہتے تھے۔ روح رسول جب جسم پیغمبر میں تھی اس وقت ہی پیغمبر  
 کو چھوڑنا نہیں چاہئے تھا اور جب روح پیغمبر جسم رسول میں نہیں تھی اس وقت  
 جسم پیغمبر کو بھی چھوڑنا نہیں چاہئے تھا۔

جسم پیغمبر کو بلا دفن و کفن چھوڑنا قبل دفن پیغمبر کے جسم کو اس کے اہمیت  
 جانے والوں پر ایک آیت قرآنی کے سر پر کہ جس میں ایک مرد ایک عورت  
 کا انطباق۔ دونوں کے تھے چھوڑ کر واسطے طے کرنے کے عالم

خلافت کے اپنے صیقل چلے جانے سے مصداق اس آیت کا ہونا پڑتا ہے ۲۲ اور  
 ۲۳ واما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل | نہیں ہے محمد مگر رسول، تحقیق کہ گزر گئے  
 انان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم | یا اہل پہلے اس سے بہت رسول پہر  
 کیا اگر پیغمبر مر جائے یا قتل ہو جائے پہر جاؤ گے تم اولٹے پاؤں ۲۴

مراد اولٹے پاؤں پہر جاؤ اس موقع پر یہی ہو سکتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو قبائل عرب کی  
 یہ خصلت تھی کہ طلب جاہ و دولت مفاخرہ و منافرت یعنی فضیلت پر برسوں جنگ قائم رکھتے تھے



جسکو پیغمبرؐ نے شاکر مہربان کی طرح کی تھی اسی محبت کی طرف ہر طالبی جب پیغمبرؐ  
 قتل ہو جائیگا یا مہربان کا تو نصرت جلب جاوے۔ اہل بیت پر خود کر جاوے۔ اور یہی مراد ہو سکتی ہے  
 کہ دین اسلام میں جو اصول اس خلافت اور غیر امر خلافت عام اخلاق سے متعلق ہیں  
 ان سے پلٹ جاوے

بموجب مسئلہ شریعت اشخاص موجود ہیں بموجب ان قواعد کے جو شریعت  
 کو دفن میت تک موجود رہنا چاہئے میں قرار پائے ہیں جب کوئی مسلمان  
 کسی مسلمان کے جنازہ پر حاضر ہو لازم گردانا گیا ہے کہ وہ دفن تک شریک  
 رہے اور اگر کوئی ضرورت شدید تر اوسکو پیش آوے تو باجائز اس کے  
 وارث کے کہیں اور جا سکتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت  
 ابو بکرؓ نے پیغمبرؐ کے جنازے کو ایک مسلمان کے جنازے کے برابر ہی نہ جانا  
 اور بغیر رخصت طے مرتضیٰ کے جو وارث اور منوی جنازہ رسولؐ کے تھے  
 یہ دونوں حضرات سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ اذکو جس حثیت سے کہ  
 پہلے گئے چلا جانا ہرگز لازم نہیں تھا جس میں وہ ترک واجب کے مال ہوئے۔  
 انریل حاجی محمد اسماعیل خان صاحب دہلی ضلع علیگڑھ اپنی کتاب ”فلاح  
 دارین“ کے صفحہ ۹۵ میں ”میت کے ساتھ ہمدردی“ کے عنوان سے یہ تحریر  
 فرماتے ہیں ”السان جنگ زندہ رہتا ہے ہر ایک اسکی خاطر اسکا لحاظ کرتا  
 ہے اس سے نفع ملنے کا موقع رہتا ہے پس جب کوئی آدمی فرجائے تو شرف  
 اور انسانیت یہ ہے کہ اوسکو بیکار نہ دے خاک نہ سمجھ لیا جائے بلکہ اوسکے  
 ساتھ اب بھی کچھ ہمدردی کرے، یعنی اوسکی تجہیز و تکفین اور آخری میت  
 یعنی نماز جنازہ اور تدفین میں بھی ضرور شریک ہو۔ شرعاً نماز جنازہ  
 کی شرکت فرض کفایہ ہے یعنی اگر کوئی بھی نماز میں شریک نہ ہو تو سب  
 گنہگار ہوتے ہیں اور اگر کچھ لوگ شریک ہو جائیں تو سب کے ذمہ کبار



اتر جاتا ہے۔ لیکن الشاینت کی بات یہ ہے کہ اوسکے کل دوست احباب  
 یا عزیز قریب میت کے ساتھ دفن تک ضرور حاضر اور موجود رہیں  
 اور عام مسلمانوں میں سے ہی ہر ایک مجلس اور مقام سے آن کر  
 دو آدمی جا کر شریک ہوں۔ انسان اپنے آپ کو مرا تصور کر کے اگر میت  
 خیال کرے کہ اوس کی نعش کے ساتھ بے پروائی کی گئی یا بے اتبعائی  
 بہت گئی تو ضرور اوسکی روح کو صدمہ ہوگا۔ جن لوگوں کے ساتھ اس  
 نے زندگی میں سلوک کیا ہوگا اُن سے ناراض ہوگا۔ جو لوگ اوس کی  
 زندگی میں اوس کے سامنے آکر اظہار محبت یا دوستی کرتے تھے اُن کی  
 حقارت اور خود غرضی اوسکی آنکھوں کے سامنے پہر جائے گی، بس اسی  
 طرح سے دوسروں کا بھی خیال کر کے انسانی اقتضا یہی کہتا ہے کہ مردہ  
 کے ساتھ میں بھی ضرور ہمدردی کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو میت  
 کے ماتم کے طبقہ میں ہی شریک ہونا چاہئے، گوجا صاحب موصوف نے  
 یہ مضمون بغیر من اخلاق مسلمانوں کے تحریر فرمایا ہے لیکن جب اوس کا  
 تطابق میت رسول اللہ سے کیا جائے تو مسلمانوں کے غور کے قابل ہے کہ  
 فعل ترک جنازہ رسول اللہ آبا اخلاق ہے یا بد اخلاق؟۔

معاملہ شقیفہ میں مصنف کی تیسری | ذی سلم مصنف تیسری بحث کی  
 غور طلب بحث کی حقیقت | یہ کیفیت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اوس  
 جماعت اسلام میں گروہ میں تقسیم کی جاسکتی تھی اول بنو ہاشم جس  
 میں حضرت علی شامل تھے، دوسرے مہاجرین جن کے رئیس و افسر حضرت  
 ابوبکر و عمر تھے مگر افسوس ہے کہ اوس وقت مہاجرین کا رئیس و افسر حضرت  
 ابوبکر و عمر کو قبول کیا جانا غیر ممکن ہے۔ مہاجرین میں سے مرثضے شامل تھے



در وقت ہجرت پیغمبر کے مکہ میں خلافت اور قائم مقامی پیغمبر کی کر کے ایسے اخیر  
 مہاجر ہوئے کہ جیسے حضرت محمدؐ اخیر پیغمبر تھے۔ ریاست و امیری قریش  
 کی حضرت ابوطالب پدر علی مرتضیٰ کو پہنچتی تھی بعد وفات اون کے رئیس  
 و افسر قوم حضرت محمدؐ پیغمبر صلعم تھے بعد وفات اون کے اپنے اوصاف ذاتی  
 کی وجہ سے سوای علی مرتضیٰ کی رئیس و افسر قریش کوئی نہ تھا جانتا تھا اور وہی رئیس اور  
 افسر مہاجرین کے لئے تھے۔ حضرت ابو بکر و عمر کی نسبت الیسا خیال اور وقت  
 پیدا ہوا ہے کہ جب اونہوں نے تلیف ہونے کی عزت حاصل کی ہے۔

میرا گروہ ذی علم مصنف بتاتے ہیں در الفصاحین کے شیخ  
 البقلہ عبادہ تھے۔

جماعت اسلام کے تین گروہوں میں بعد تقسیم جماعت اسلام کے تین گروہوں میں  
 تقسیم کے نتیجہ کی حقیقت۔ ذی علم یہ کہتے ہیں کہ یہ ان تینوں میں

سے ایک گروہ ہی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا بلکہ لیکن

ذی علم مصنف نے خیال خلافت مساوی حیثیت سے جو تین گروہوں میں  
 قائم کر کے ظاہر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ بنو ہاشم کے گروہ کو یقین تھا  
 اور ان کا صحیح یقین تھا کہ وہ حق قدیم خلافت مستحکم اور مستقر کہتے ہیں۔  
 اور دوسرے گروہ نے تازہ خیال خلافت کا پیدا کیا تھا خواہ وہ گروہ  
 الفصاحین ہو یا حضرت ابو بکر و عمرؓ بمقابلہ حق بنی ہاشم کے الفصاحین اور حضرات شیخین  
 نے خیال خلافت تازہ پیدا کر کے نازعہ کھڑا کیا۔

ذی علم مصنف حق دیرینہ اور مستحکم والون کو اور تازہ خیال  
 والون کو مساوی درجہ میں رکھتے ہیں تاکہ مستحکم اور دیرینہ حق والون کا  
 حق ہی تازہ نظر آنے لگے۔



بنیون گروہ کے خیال حصول  
خلافت کی تشریح و تصریح  
روایت بخاری سے۔  
پہر ذی سلم مصنف بنیون گروہ کے  
خیال خلافت کی بون تشریح کرتے  
ہیں کہ یہ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ

ظاہر کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات اس روایت سے معلوم ہوں گے  
آنحضرت کی وفات کے دن حضرت علی مکان سے باہر نکلے لوگوں نے ان  
سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت  
سنبھل گئی تھی حضرت علی نے کہا خدا کے فضل سے آپ اچھے ہو گئے ماحضرت  
عباس نے ادن کا ہاتھ پکڑ کر کہا خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے  
میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں مبتلا  
ہو جائیں گے کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبدالمطلب کا چہرہ موت  
کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہ سے پوچھ لیں  
کہ آپ کے بعد یہ منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا اگر ہم اس کے مستحق  
ہیں تو رسول اللہ ہمارے لئے وصیت فرمائیں گے حضرت علی نے کہا میں  
نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کو اس میں شکی  
حضرت عباس و علی مرتضیٰ  
کے خیالات کا اقتباس  
سند سے  
کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے ماحضرت

علی کو آنحضرت کی وفات کا ادسوقت تک یقین نہ تھا اس لئے اوہنوں  
نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ اون کو اپنے انتخاب  
کئے جانے پر بہرہ نہ تھا  
ذی سلم مصنف نے صحیح بخاری سے اس روایت کو لیا ہے



لیکن یہ نہیں ظاہر کیا کہ یہ روایت متواتر ہے یا احاد سے ہے اور مستند و طریقیوں  
سے مروی ہوئی ہے یا ایک طریقہ سے۔

اکثر علماء روایات صحیح بخاری کے کچھ احادیث کو مصنوعی اور ضعیف قرار دی  
چکے ہیں اور ابی ذی علم مصنف ہی روایت قرطاس کے غیر مستند اور ناقابل  
استدلال ہونے کے قابل ہو چکے ہیں۔

روایت مسئلہ کی سند | بن جہان تک دیکھنا ہوں یہ روایت احاد سے  
صحیح نہیں دی گئی ہے جس پر وثوق ہو نہیں سکتا۔ ذی علم مصنف

کو زیبا تھا کہ اس روایت کے مستند اور قابل استدلال ہونے کی اول  
جہت بیان کرتے مگر اس تصنیف میں جا بجا اون کا یہ رویہ معلوم ہوتا ہے  
کہ جو روایت او کی غرض کو پورا کرنے والی ہوتی ہے بغیر جانچ کے لیتے ہیں۔  
اور جو روایت کہ اون کے خلاف ہوتی ہے گودہ صحیح ہوا سپر خواہ مخواہ بے  
موقع نکتہ چینی کرتے ہیں۔ تاہم جو نتیجہ اس روایت سے ذی علم مصنف  
نکالتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

نبی ہاشم کو مجمع کی خانہ سپدہ | پر ذی علم مصنف اوس مشہور واقعہ  
میں تین روایتوں سے سند۔ کے ظاہر کرنے پر متوجہ ہو سکے ہیں کہ

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام  
بنو ہاشم اور اون کے اتباع شریک تھے ۱۷ اور اوس کی سند  
کے لئے تین روایتیں نقل کرتے ہیں ایک صحیح بخاری سے جس میں حضرت  
حضرت عمر کا بیان ہے۔

پہلی روایت بخاری | ہمارے سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے  
پیغمبر کو اٹھایا تو انصار نے فاطمہ ہمارے مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ



میں جمع ہوئے اور علیؑ وزیر اور ادن کے ساتھیوں نے مخالفت کی اور  
مہاجرین ابو بکر کے پاس جمع ہوئے۔

لیکن مہاجرین کا حضرت ابو بکر کے پاس جمع ہونے کا بیان اس  
روایت میں اجمالی ہے۔ مہاجرین حضرت ابو بکر کے پاس نہ قبل واقفہ  
سقیفہ بنی ساعدہ کے جمع ہوئے تھے اور نہ سقیفہ بنی ساعدہ میں۔ بلکہ  
آئندہ اونہوں نے دوسرے اوقات پر متفرق بیعت کی ہے۔

دوسری روایت امام مالک | ذی علم مصنف دوسری روایت

امام مالک سے اس واقعہ کو اور صفات تحریر کرتے ہیں: "اور علیؑ وزیر اور  
جو لوگ ادن کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں بھی الگ ہو کر جمع ہوئے  
تیسری روایت تاریخ طبری | تیسری روایت تاریخ طبری

سے ہے "اور حضرت علیؑ وزیر نے علیؑ کی اختیار کی اور وزیر نے انوار  
میان سے پہنچ لی اور کہا کہ جب تک علیؑ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جاوے میں  
انوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔

ذی علم مصنف ان روایتوں سے یہ نتائج نکالتے ہیں۔

روایات بالا سے مہاجر، انصار | (۱) آنحضرت کی وفات کے ساتھ  
اور بنو ہاشم کے علیؑ علیہ السلام کی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے  
تین گروہ ہو جانے کا نتیجہ۔ انصار، مہاجرین، بنو ہاشم۔

(۲) مہاجرین حضرت ابو بکر کے اور بنو ہاشم حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ لیکن  
اس نتیجہ کی حقیقت کہ کل مہاجر یہ صحیح نہیں ہے۔ کل مہاجر شروع  
حضرت ابو بکر کے ساتھ تھے۔ حضرت ابو بکر کے ساتھ نہیں تھے۔

اور نہ صرف بنو ہاشم حضرت علیؑ کے ساتھ تھے بلکہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر



جس وقت سقیفہ بنی ساعدہ بن ہونچے ہیں اس وقت یہ سب تین مہاجر تھے۔  
اور اس وقت یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کون ہے کہ جس کے ساتھ وہ دیگر  
مہاجرین؟ اور وہ کون ہیں کہ جو کسی کے ساتھ ہیں۔

تاریخ طبری اور دیگر کتب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور  
حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ ایک دوسرے کی تواضع خلافت کے لئے  
کرتے تھے اور ہر ایک قبول خلافت سے انکار کرتا تھا اور ہر ایک دوسرے  
کے ساتھ پر بیعت کرنا چاہتا تھا اور ہر ایک اپنا ساتھ دوسروں کی بیعت  
لینے سے پہنچ لیتا تھا بالآخر حضرت عمر نے کہ قوی تھے بزرگ حضرت ابوبکر کا ساتھ  
پکڑ کر بیعت کی لے اور اسی کی تقلید ابوعبیدہ نے کی۔ بعد اوس کے  
دوسرے اوقات اور ایام آئندہ پر حضرت ابوبکر کی تدبیر سے دیگر مہاجر  
اور مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کے ساتھ پر آہستہ آہستہ بیعت کی۔  
انکو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ پہلے سے حضرت ابوبکر کے ساتھ تھے۔ چنانچہ  
کتب تاریخ میں یہ تصریح ہے کہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت  
ابوبکر کے ساتھ پر بیعت ہو چکی اور بنی ہاشم علی مرتضیٰ کے پاس جمع ہوئے اور  
اون کے ساتھ زبیر بن العوام بھی ہے اور بنی امیہ حضرت عثمان کے  
پاس اور بنی زہرہ سعد اور عبدالرحمن بن عوف کے پاس جمع ہوئے۔

یہ لوگ مسجد میں تھے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور ابوعبیدہ  
آئے اور حضرت عمر نے سب سے کہا کہ تم لوگ کیوں بیٹھے ہو اٹھو اور بیعت  
کرو، اس وقت حضرت عثمان اور بنی امیہ کھڑے ہوئے اور بیعت کی اُٹلی  
در عباس اور زبیر اور جو لوگ اون کے ساتھ بنی ہاشم سے تھے اوٹکر  
اپنے گھروں کو چلے گئے، اس واقعہ سے صرف یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دیگر



ساتھ ہوئے ہیں بلکہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالرحمن بن عوف اور حضرت  
عثمان نے بیعت حضرت ابوبکر کے ساتھ پر سقیفہ بن ہنین کی بلکہ مسجد نبوی  
میں بروز آئندہ کی ہے۔

اس نتیجہ کی حقیقت کہ صرف | ایسے ہی علی مرتضیٰ کے ساتھ صرف بنی  
بنی اشتم حضرت علی کے ساتھ تھے | اشتم ہنین تھے بلکہ بعض مہاجر اور دیگر

مسلمان ہی ان کے ساتھ تھے جیسا کہ روایات مستند ذی علم مصنف  
میں ہیں حضرت زبیر کہ جو بنی اشتم سے ہنین تھے اور دیگر سانیوں مہاجر  
علی مرتضیٰ کا مذکور ہے۔ (تاریخ طبری)

چنانچہ خود ذی علم مصنف اس واقعہ کے شروع کرنے کے وقت قبول  
کرتے ہیں کہ ”حضرت فاطمہ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو اشتم  
اور ان کے اتباع شریک تھے اور حضرت علی ان کے پیش رو تھے۔“

پس یہ امر کہ صرف بنو اشتم حضرت علی کے ساتھ تھے علیٰ صیحح ہنین  
ہو سکتا۔ اگر علی مرتضیٰ حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں قتال کے لئے اڑتے کہڑے  
ہوتے تو اس وقت معلوم ہو جاتا کہ حضرت ابوبکر کا ساتھ کون کون دیتا ہی  
اور علی مرتضیٰ کے ساتھ کون کون ہوتا ہے؟

اس امر کا اندازہ ان روایتوں سے ہو سکتا ہے جو کتب تواریخ  
میں مندرج ہیں کہ کون کون لوگ علی مرتضیٰ کا ساتھ دینے کو اور حضرت  
ابوبکر سے مقابلہ کرنے کو تیار تھے اور علی مرتضیٰ کو قتال کے واسطے آمادہ کرتے  
تھے یہاں تک کہ ابوسفیان نے علی مرتضیٰ سے یہ کہا تھا کہ ”تمہاری حمایت کو  
لئے میدان سواروں سے بہرہ روز گاہ“ مگر علی مرتضیٰ آمادہ جنگ ہنین ہوئے



کہ مذہب اسلام ہنوز تازہ تھا اور باہم مسلمانوں کے امر خلافت پر جنگ  
 ہونے سے دین اسلام تباہ ہو جاتا اور محض خلافت کے لئے جنگ کرنے سے طمع  
 خلافت سمجھی جاتی تھی۔ خود علی مرتضیٰ نے حضرت ابو بکر کی خلافت میں غل نہیں  
 ڈالا اور ان کو اذن کی حالت پر چھوڑا کہ یہ امور خود علی مرتضیٰ کے اقوال سے ظاہر  
 ہوتے ہیں مگر وقت قتال بینک سقیفہ بنی ساعدہ میں جن لوگوں نے، اور ان  
 لوگوں نے جنہوں نے اس کے بعد استہاستہ حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر  
 جو بیعت کی تھی وہ حضرت ابو بکر کا ساتھ دیتے۔

حسوفت کہ علی مرتضیٰ نے انصار سے اپنا استحقاق خلافت ظاہر  
 کیا تھا اس وقت انصار نے صاف کہا کہ ہاں ہاں کہ اب تو ہم ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت  
 کر چکے ہیں ایسی حالت میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ ایک بڑا گھمسان باہم مسلمانوں  
 کے ہوتا اور جس کا نتیجہ بجز تباہی دین اسلام کے اور کچھ نہیں تھا۔

مصنف کا تیسرا نتیجہ کہ علی ہی پہنچا تب سے نتیجہ ذی علم مصنف یہ ظاہر  
 کو چھوڑ کر مجمع خانہ فاطمہ میں شریک کرتے ہیں ”جس طرح حضرت عمر وغیرہ  
 ہوئے جیسے شیخین سقیفہ میں۔“ آنحضرت کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے

حضرت علی ہی آنحضرت کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہ  
 کے گھر میں بنواشتم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں علی مرتضیٰ کا نہ جانا اس نتیجہ پر ذی علم مصنف یہ رائے  
 عدم امید و غم کے خیال سے ظاہر کرتے ہیں ”سقیفہ میں حضرت  
 علی کا نہ جانا اسوجہ سے نہ تھا کہ وہ

آنحضرت کے غم و الم میں مصروف نہ تھے اور ان کو ایسے پروردگار پر ملا  
 کا خیال نہیں آ سکا تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین و انصار



جمع تھے اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی کے دعوے کی نایسہ  
نہ کرتا کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر کو، پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے  
رئیس سعد بن عبادہ تھے ۱۱

لیکن خونیجہ ذی علم مصنف نکالا ہے نہ وہ صحیح ہے نہ اس پر جو رائے  
قائم کی گئی ہے وہ صحیح ہو سکتی ہے۔

جو روایتیں کہ ذی علم مصنف نے لکھی ہیں ان سے ہرگز ظاہر  
نہیں ہوتا کہ جس روز پیغمبر نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں قبل  
دفن پیغمبر انصار جمع ہوئے اور حضرت عمر و ابوبکر اجتماع انصار کی خبر سنکر  
بے گور و کفن پیغمبر کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے اسی روز قبل  
دفن و کفن پیغمبر کے خانہ فاطمہ میں جمع ہوا اور حضرت علی یہی قبل کفن و دفن  
کے پیغمبر کے پاس سے چلے آئے تھے۔ بلکہ تمام روایتوں کتب تواریخ و سیر  
سے اچھی طرح سے واضح ہے کہ مجمع خانہ فاطمہ میں واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ اور  
دفن پیغمبر کے بعد بروز بلے آئندہ ہوا ہے چنانچہ اسی سقیفہ کی اخیر بحث  
میں خود ذی علم مصنف نے لکھا ہے کہ ”

انصار کی سقیفہ میں بحث و نزاع | انصار کی بحث و نزاع نے طول پکڑ کر  
قریب تھا کہ تلواریں بیان سے نکل آئیں۔ حضرت عمر نے بہ رنگ دیکھ کر دفعتاً  
حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں ساتھ  
ہی حضرت عثمان و ابوعبیدہ جراح و عبدالرحمن بن عوف ساتھ بڑے اور پھر تمام  
خلقت ٹوٹ پڑی اس کارروائی سے ایک اٹھا ہوا طوفان رک گیا اور لو  
مطلن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے ادا پر ر کے  
رہے اور حضرت فاطمہ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورہ کرتے رہتی تھی



اور حضرت عمر نے بزورِ اذن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علی کے  
سوا اور کسی کے آگے نہ نہیں جھکا سکتے تھے۔

ابن ابی شیبہ فی متصفین اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت  
روایت احراق خانہ فاطمہ نقل کی ہے۔ حضرت عمر نے حضرت فاطمہ  
کے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہ یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو  
سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے بیان لوگ اس طرح جمع کرتے رہے تو  
میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر کو آگ لگا دوں گا۔

اس تقریر ذی سلم مصنف سے صاف ظاہر ہے کہ جب حضرت ابو بکر  
ناہتہ پر اس درجہ بیعت ہو چکی ہے کہ لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے تب  
حضرت فاطمہ کے گھر میں وقتاً فوقتاً لوگ جمع ہو کر مشورہ کرتے رہتے تھے اور پھر حضرت  
عمر نے اس مجمع سے بزورِ بیعت لینی چاہی ہے اور فاطمہ کے دروازہ پر جا کر  
گھر جلا دینے کو کہا ہے۔ ایسی حالت میں یہ امر صریح ہے کہ خانہ فاطمہ میں مجمع  
ہونے کا دن اور وقت وہ نہیں تھا کہ جس روز پیغمبر نے وفات پائی اور پیغمبر علی  
عجل و کفن پڑے ہوئے تھے بلکہ یہ دن اور وقت مجمع کا خانہ فاطمہ میں بعد از  
پیغمبر کے تھا۔ اور اگر واقعہ مجمع خانہ فاطمہ کا اور حضرت عمر کے گھر طے دینے فاطمہ کا تھا  
و ارادہ قبل دفن پیغمبر ذی سلم مصنف کی رائے کے موافق سمجھا جائے تو یہ حضرت  
عمر کی نسبت کیا یہ نہ سمجھا جائے گا کہ ایک ہی روز میں پیغمبر کے مرتے ہی قبل دفن  
و کفن پیغمبر کے خلافت ہی خاندان رسالت میں نہ رہنے دی اور دفتر فاطمہ  
کا گھر ہی جلا دینا چاہتے تھے جس سے بے خانمانی پیغمبر کی کلیۃً ایک ہی دن اور  
وقت میں ہو جانا لازم آجائے۔ لیکن نہیں۔ کتب تواریخ میں تفصیل سے ہے  
کہ جب حضرت ابو بکر کے ناہتہ پر سقیفہ میں بیعت ہو چکی ہے تب سجد بنوی



مین بنی امیہ حضرت عثمان کے پاس، بنی زہرہ سعد اور عبدالرحمن بن عوف کے پاس، اور بنی اشتم سعد زبیر بن عوام علی کے پاس جمع ہوئے تھے۔

حضرت عمر کی تہدید ہی اثنائیک سے اور ون نے نوح حضرت ابوبکر کے ماتہ پر معیت کر لی اور علی اور عباس اور زبیر معہ اپنے ساتھیوں کے اوٹھ کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔

جب حضرت ابوبکر کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ علی مرتضیٰ کے پاس جمع ہیں اور انہوں نے حضرت عمر کو ان کے پاس بھیجا۔ حضرت عمر نے آنکر لپکا را۔ ان لوگوں نے باہر آنے سے انکار کیا، اور سپر حضرت عمر نے کہا کہ میں اس گھر کو جلا دوں گا۔ ان کے ساتھیوں نے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہ اور حسین ہیں حضرت عمر نے کہا کہ ہوں، اسپر وہ سب لوگ گھر سے باہر آ گئے جس سے کچھ شبہ نہیں رہا کہ اس واقعہ مجمع خانہ فاطمہ اور حضرت عمر کا دروازہ سیدہ پر جانی کا اور گھر ملا دینے کے ارادہ ظاہر کرنے کا دن، دفن پیغمبر سے کئی روز کے بعد کا تھا۔ اور علیمہ تفسی کی نسبت یہ قرار دینا کہ وہ قبل دفن پیغمبر کے پیغمبر کے پاس ہی مجمع خانہ فاطمہ میں چلے آئے تھے کی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت عمر ابوبکر کی طرح علی کو پیغمبر کے جنازہ کو چوڑ کر خلافت کے خیال میں مبتلا بنا دہ مسلمان تو قبول کر سکتے ہیں کہ جو بتا بیدار لے ذی علم مصنف کے حضرات ابوبکر و عمر کے پیغمبر کو بے دفن و کفن چوڑ کر خلافت کے خیال میں سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے جانے کو امر مذموم نہیں جانتے ہیں لیکن وہ مسلمان ہرگز قبول نہیں کر سکتے کہ جو ایسے فعل کو مذموم جانتے ہیں۔

سقیفہ میں علیمہ تفسی کا نہ جانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ سقیفہ میں مباہلہ



بلکہ پیغمبر کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہنا اون کا کارِ منہجی تھا۔ یعنی قائم مقام پیغمبر یا اوس کا خلیفہ برحق جس کی نسبت پیغمبر اپنا منشاء ظاہر کر گیا ہو، یا امام کہ جس کے ہاتھ میں بعد پیغمبر کل علی کا ردائی شریعت کی رہتی ہے مجبور ہے اور اوس کا فرض ہے کہ سب کاموں سے مقدم پیغمبر کی تجہیز و تکفین سمجھے۔ چنانچہ جس وقت انصار سے علیمہ تفضی نے اپنا استحقاق خلافت کا ظاہر کیا اور انصار نے یہ جواب دیا کہ ”سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ نہیں آئے“ اوس پر علیمہ تفضی نے فرمایا کہ کیا میں پیغمبر کو بغیر غسل و کفن کے چھوڑ آتا ہوں؟ اس پر انصار خاموش ہو گئے۔

یہ امر غیر ممکن تھا کہ علیمہ تفضی قبل کفن و دفن پیغمبر کے کہیں جاسکتے، لیکن بعد فرائع کفن و دفن پیغمبر کے ادھون نے اپنے اظہار حق سے مہاجر اور انصار کے سامنے کوتاہی نہیں کی۔ البتہ بذریعہ جنگ کے اپنے حق کو طلب نہیں کیا کہ حسین دین اسلام نباہ ہوا تھا اور جنگ محض بہ طمع خلافت سمجھی جاتی تھی علیمہ تفضی کی سقیفہ نہ جانے کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی ہے کہ سقیفہ میں مہاجر و انصار جمع تھے اور اون دونوں گروہوں میں سے کوئی حضرت علی کے دعوے کی تائید نہ کرتا بلکہ بنظر اون واقعات کے کہ جو پیغمبر علیمہ تفضی کے ساتھ فوراً اور فعلاً اعلیٰ میں لائے تھے اور وہ تازہ پیش نظر مہاجر اور انصار کے تھے اگر علیمہ تفضی سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوتے تو کسی مہاجر و انصار کو ہرگز یہ جرات نہیں ہو سکتی ہتی جبکہ اون کے مواجہ میں وہ وجوہ اپنے استحقاق کے بیان کرتے (جیسا کہ ادھون نے وقت طلب بہت جو اون سے حضرات ابو بکر و عمر نے چاہی تھی۔ یا دوسرے اوقات پر مہاجر و انصار کے سامنے اظہار اپنے حق کا کیا ہے یا مجلس شوریٰ میں جبکہ حضرت عثمان خلیفہ قبول کئے گئے بیان کئے ہیں) تو کوئی



سقیفہ بنی ساعدہ میں سوائے اُن کے اور کسی کو خلیفہ قرار نہیں دیا جاتا  
 تھا اور تنہا حضرت عمرؓ بعض اُن کے طرفدار مخالفت یا اختلاف کرتے تو کچھ پیش نہ جاتی۔  
 عدم موجودگی علیؓ میں انصارِ عظیم تھے | عظیم تھے کوجالت اپنی غیر حاضری کے  
 سے بیعت کے خواہش مند تھے | یہی یہ خطرہ نہیں تھا کہ کوئی مہاجر و انصار  
 کسی اور کو خلیفہ قرار دیں گے۔ تاریخ طبری میں جسکی روایتیں جا بجا  
 مصنف لیتے ہیں و نیز تاریخ کمال میں (جسکی قبولیت عام کو ذی علم مصنف  
 تسلیم کرتے ہیں اور بتائید علامہ ابن خلکان اس کو خیار التواریخ قبول  
 کرتے ہیں۔) موجود ہے کہ ”سقیفہ میں کجالت غیر حاضری عظیم تھے کے یہی بعض انصار  
 نے یہ کہا کہ ہم بجز علیؓ کے اور کسی سے بیعت نہ کریں گے“

ایسی حالت میں یہ رائے ذی علم مصنف کی کہ ”حضرت علیؓ کا نہ جانا  
 اسوجہ سے تھا کہ سقیفہ میں مہاجرین (مہاجر صرف دو تھے) و انصار جمع تھے  
 اور ان دونوں گروہوں میں سے کوئی حضرت علیؓ کے دعوے کی تائید نہ کرے گا  
 محض قیاس ہے اور جسکا عمل کسی واقعہ تحقیقی پر نہیں۔

اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں کسی کا آنا جانا صرف اسی اسب پر تھا کہ کوئی  
 اُس کے دعوے کی تائید کرے تو حضرت عمرؓ ابو بکرؓ ہی ہرگز نہ جاتے۔ کیونکہ سوائے  
 اُن دو تین مہاجرین کے مجمع کثیر انصار کا تھا اور حضرت عمرؓ ابو بکرؓ کو ہرگز یہ امید  
 نہ تھی کہ انصار حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے چنانچہ سعد بن عبادہ رئیس  
 انصار نے مرتے دم تک حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کی خلافت کو قبول نہیں کیا نہ اُن  
 کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن حضرت عمرؓ انصار کے دعوے کو اس لفظ سے قطع



کیا تھا کہ ۷۰ الائمہ من قریش ۷۱ جس کو شکر علیہم تھے نے فرمایا کہ ۷۲ درخت کی جڑ کو  
 پکڑا اور میوے کو ضائع کیا ۷۳ جس سے مراد یہ ہے کہ درخت کی جڑ قریش میں اور  
 میوے اوس درخت کے ہم الہیت پیغمبر ہیں۔ اگر علیہم تھے اوس موقع سقیفہ پر  
 موجود ہوتے جہاں معاملہ خلافت کا طے ہوتا تھا تو یقین کرنا چاہئے کہ سہاجر و انصار علی  
 مرتضیٰ کے قبول کرنے میں کچھ ہی عذر نہ کر سکتے۔

اگرچہ انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے مگر خود وہ علیہم تھے اور رئیس و امیر قبول  
 کرتے اور اوس وقت سہاجرین حضرت ابو بکر کو پیشوا تسلیم نہیں کرتے تھے جیسا  
 کہ ذی علم مصنف کہتے ہیں کہ ۷۴ حضرت ابو بکر کو پیشوا اوس وقت تسلیم کیا ہے جبکہ  
 حضرت ابو بکر کے ماتھے پر بیعت کی گئی ہے ۷۵ بلکہ خود حضرت ابو بکر حضرت علی کو اپنا پیشوا  
 قبول کر لیتے جیسا کہ بعد قبول خلافت کے اظہار ارادہ اقالہ بیعت کے وقت خطبہ  
 سقیفہ میں خود حضرت ابو بکر ہی علیؑ کو میں فرمایا ۷۶ جبکہ درمیان تمہارے  
 خلیفہ قبول کرتے۔ بہتر تمہارا علیؑ موجود ہے ۷۷ اور حضرت

عمر نے اون کے ارادہ سے اون کو باز رکھا جیسا کہ تحریری آخری وصیت  
 پیغمبر کے مانع ہوئے۔

جو کچھ ہوا بجا تھا یا بیجا؟ آخر بحث کی نسبت کہ ۷۸ جو کچھ ہوا وہ بجا تھا یا  
 اوس کے نتیجہ کی حقیقت بجا؟ ۷۹ ذی علم مصنف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ۸۰

ہر شخص جو ذرا ہی اصول حق سے واقفیت رکھتا ہو آسانی سمجھ سکتا  
 ہے کہ آنحضرت نے جس وقت وفات پائی مدینہ سوزہ منافقوں سے بھرا  
 ہوا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اوٹھے  
 جائے تو اسلام کو بالال کر دین اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری  
 تھا کہ لوگ جنزع و فزع اور گریہ و زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً



خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منظم حالت قائم ہو جاوے۔  
مصنف کے نتیجے سے پیغمبر پر جب ذی علم مصنف کی اس تقریر پر یہ  
الزام کا عائد ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر ذرا ہی

اصول تمدن سے واقفیت رکھتے تھے یا نہیں؟ اور پیغمبر کو یہ علم تھا یا نہیں کہ  
مدینہ منافقوں سے بہرہ اڑا رہا ہے اور وہ مدت سے اس بات کے منتظر ہیں کہ  
رسول اللہ کا سایہ اوٹھ جائے تو اسلام کو بال بال کر دیں؟۔ اور منظر  
اوس حالت کے آیا اذن کو ضرورت تھا کہ وہ اپنی زندگی میں مخصوص اخیر  
حصہ زندگی میں خلافت کا کوئی انتظام کر جاویں اور اوس کے بموجب منظم  
حالت قائم ہو جاوے؟ اور جس کسی کو وہ خلیفہ تجویز کریں اوس سے بہتر  
کوئی شخص منتخب کر سکتا تھا؟۔ یا یہ کہ اوس نازک وقت میں انتظام  
خلافت اور تقرر خلیفہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ جاویں جس میں منافق  
کثرت سے ہوں کہ مدینہ منافقوں سے بہرہ اڑا ہوا تھا؟ اور آیا پیغمبر یہ  
سمجھتے تھے کہ بعد اذن کے لوگ جس کی کو خلیفہ مقرر کریں گے وہ پیغمبر  
کے مجوزہ سے عمدہ ہوگا۔؟

اور آیا پیغمبر یہ جانتے تھے یا نہیں کہ امر خلافت میں بعد اذن کے نزاع  
ہوگا اور اس کا کیا اثر دین اسلام اور مسلمانوں کی سلطنت پر پڑے گا۔؟  
پیغمبر اسلام کے اعلیٰ اصول تمدن کے جاننے والے ہونیکے تائید  
مسلمان مخصوص جنہوں نے  
پیغمبر کو دیکھا تھا اور علماء اسلام  
قابل چلے آتے ہیں کہ پیغمبر اسلام  
اعلیٰ درجہ پر اصول تمدن سے واقفیت  
رکھتے تھے۔ اور غیر دین اسلام والے ہی مثل پیغمبر اعظم شہنشاہ روں



کے یہاں تک قال ہوئے ہیں کہ میرے محمد رسول اللہ ادا دل درجہ کے حکیم اور  
 فلاسفر تھے۔ آج تک زمانہ میں اون جیسا مطلقہ پیدا نہیں ہوا۔ اسلامی  
 سلطنت کی ترقی اور قیام کے لئے جو اصول اور ہونے لگے مقرر کئے ہیں وہ  
 وہ ایسے جبرستہ ہیں کہ اون سے بڑھکر ہونا ناممکن ہے۔

نپولین بونا پارٹ کا یہ مقولہ تھا کہ ہر گل مغربہ مالک میں ایک  
 ہی مذہب اور ایک ہی زبان رائج کرنے کے لئے سوائے مذہب اسلام کے  
 اور کوئی مذہب نظر نہیں آتا۔ غلیفہ وقت کے فرانس نبی میں داخل ہی  
 کہ جہاں جہاں کلمہ گو ہوں خواہ دونوں کے کسی حصہ میں رہتے ہوں اون کے  
 معاملات میں بے تکلف مداخلت کر سکے اور وہ اس کے خدمات کی بجا آوری  
 مذہب اپنے اوپر فرض عین سمجھیں گے اور یہ بات اور یہ انتہا کسی اور مذہب  
 اور ملت کو دنیا میں حاصل نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب  
 اسلام ایک اعلیٰ اصول تمدن بر قائم کیا گیا ہے۔

سبب تنزل و انحطاط اسلام | جب نپولین بونا پارٹ سے پہلے بوجہا گیا کہ  
 از نپولین بونا پارٹ۔ | موجودہ زمانہ میں اس قدر تنزل اور

انحطاط کا کیا باعث ہے؟ تو اس سے جواب دیا کہ میرے اس کی وجہ سے  
 اس کے اور کوئی نہیں کہ بعض نفس پرست اور غرض آویزون رخنہ  
 اندازی کی ہے اور اپنی نفسانیت کے لئے مسلمانوں کی متفق جماعت میں  
 تفرقہ ڈال رہے ہیں تفرقہ اس تنزل کا سبب ہے۔

تنزل اسلام کا بنیادی | مسلمانوں کو یاد کرنا چاہئے کہ بنیاد تفرقہ ستونہ  
 پیر سقیفہ میں رکھا گیا | نبی ساعدہ میں ڈالی گئی ہے کہ جو تنزل کا  
 باعث ہوئی ہے اور اس بنیاد کا پہلا پتھر دانقہ قرطاس کے وقت

کتابت و تفسیر  
 و تفسیر  
 و تفسیر



رکھا گیا تھا۔

پنجمیہ سے زیادہ مدینہ بن منافقوں اس سے بھی کوئی مسلمان عالم  
کی موجودگی کا حال کون جان سکتا تھا انکار نہیں کر سکے گا کہ پنجمیہ سے زیادہ  
کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ مدینہ منورہ منافقوں سے بہرا ہوا پڑا ہے جو مدت  
سے اس بات کے منتظر ہیں کہ رسول اللہ کا سایہ اوٹھے جاوے تو اسلام کو ہلال  
کردین گے جن منافقوں کی انواع و اقسام کی غیر قرآنین موجود ہے۔

بنظر اصول تمدن و سلطنت جو کوئی اصول تمدن اور اصول سلطنت  
دار کی معینہ کافرین داری سے ذرا اپنی واقفیت رکھتا ہے

وہ ضرور اس بات کا قائل ہو گا کہ پنجمیہ کو اوس نازک حالت میں تمدن  
اور سلطنت کے برقرار رکھنے کے لئے ضرور تھا کہ اپنی زندگی مخصوص خبر  
حصہ زندگی میں کسیکو تنظیم خلافت مقرر کر جائیں تاکہ منافقوں کی طرف  
سے جو خطرہ ہے اوسکی بنیاد اوکھڑ جاوے اور اس نوعیت سے پنجمیہ  
کا مزاک کسیکو معلوم ہی ہو۔ مسلمانوں کو بنی بنائی سلطنت سے عمدہ  
اوس کے تنظیم کے بغیر کسی خرفہ کے ملے۔ اور کوئی خراب اثر و فائدہ  
پنجمیہ سے سلطنت مسلمانوں پر نہ پڑ سکے۔

پنجمیہ اپنے عہد میں ہر صحابی کے اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا  
حالات کا عملی تجربہ کر چکے تھے کہ پنجمیہ کو اپنے عہد میں ہر صحابی  
اور ہر مسہاجر اور انصار کا تجربہ ہو چکا تھا کہ کون کس قسم کی بنیاد  
رکھتا ہے اور کس کے کیا کیا خیالات ہیں۔ پنجمیہ بلحاظ اپنے تجربہ کو  
اور بنظر حالت موجودہ کے جس کسیکو بعد اپنے تنظیم اور خلیفہ جو بن کر جائیں  
اوس سے بہتر مذہب اسلام کو اوس کے صحیح مرکز پر چلانے والا



چلاتے والا ہو نہیں سکتا تھا۔

مصنف کے قصہ سقیفہ میں پیغمبر ابو کوئی اسکا قائل ہوا اسکو اسبات  
پر الزامی نتائج کی حقیقت کا قائل ہونا پڑیگا کہ پیغمبر نے اصول ہدایت

سے آگاہ تھے نہ اصول سلطنت داری سے، اور نہ ادن کو اپنے صحابہ  
اور اپنے عہد کے مسلمانوں کے کچھ خیالات معلوم تھے کہ ادن کا رنج امر خلافت  
کے متعلق کس طرف ہے۔ ایسے قائل ہونے سے پیغمبر بڑا قابلیت اور جہل  
کا اطلاق ہوگا جو قطعی خلاف واقع ہے۔

اگر کوئی اسبات کا قائل ہو کہ پیغمبر زنا لایق اور جاہل نہیں تھے  
مگر ادن کو ضرور نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی اور خصوصاً آخر حصہ زندگی میں کسی  
کے لئے استخلاف کرتے تو اسکو اسبات کا قائل ہونا پڑے گا کہ خود پیغمبر  
منافقوں کے خطرے کو اور امر خلافت کے نزاع کو غوراً اور دیدہ و دانستہ  
چھوڑ گئے اور جس کی وجہ سے دین اسلام نہ تمام دنیا میں پھیل سکا اور نہ  
اپنے صحیح مرکز پر چل سکا، اور امر خلافت کی باہمی نزاع سے درمیان  
مسلمانوں کے خونریزی ہو کر سناذان رسالت تباہ اور دین اسلام  
بر باد ہو گیا گویا اوس کے خود پیغمبر بادی ہوئے کہ جو بانی اسلام کی  
شان کے خلاف تھا۔

اس فروگزاشت عظیم کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ پیغمبر نے اپنے کارِ مفسی  
کو نام تمام چھوڑا اور تبلیغ رسالت میں قصور کیا۔ وہ رسالت کہ جسکی  
شرعیت قائم کر کے دنیا کو دین سے الگ نہیں رکھا ہے اور اوس نے  
توحید اور تمدن، سیاست، مدن، معاش، معاو کے کامل مسائل  
بتا دیے ہیں اور اوس کے متعلق احکام ناقہ کر دیے ہیں جن کی تعمیل



بغیر ایسے شخص کے جسکو پیغمبر منظم قرار دے نہیں سکتی تھی۔

۱۔ ہمہ امر کی طرح، مجھے میں نہیں آسکتا کہ جو کام خود پیغمبر کو کرنا ضروری تھا اور اسکو یعنی نزاع امر خلافت کے طے کرنے اور خلیفہ کو قرار دینے کو بعد اپنے ایسے لوگوں کے کہ انہیں میں چھوڑا دین کر جنہیں کثرت سے متناقض ہوں کہ جن سے مدینہ پہرا پڑا ہوا تھا اور جو مدت سے منتظر تھے کہ پیغمبر کا سایہ اودھمے جاوے تو اسلام کو باطل کر دیں۔

اگر پیغمبر کو اپنی زندگی میں ضرورت یقین خلیفہ کی نہیں تھی یا کسی کے لئے استخلاف نہیں کیا تھا کہ جو پیغمبر کے دم نکلتے ہی فوراً دین اسلام کے بموجب خلافت کا چلانے والا ہو، تو وقت وفات پیغمبر سے تا انقرض خلیفہ کے جو بعد وفات پیغمبر قرار دیا جاوے جو امور کہ خلافت امر میں کے لوگوں سے سرزد ہوں اور ان کی سزا دہی کا اختیار کسکو ہو سکتا ہے؟ کیا یہ قبول کیا جاسکتا ہے کہ زمانہ فترۃ میں ایسے پیغمبر نے کہ جب کا دین قیامت تک تبدیل ہونے والا ہو لوگوں کی مہار چھوڑ دی تھی کہ وہ جس طرف چاہیں چلے جائیں۔ اور ان کے بے راہ ہو جانے کا مذاکر کوئی نہ کر سکے، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ خلیفہ اپنے تقرر سے اقبل زمانہ کی بات ہی دارو گیر کا اختیار رکھنے والا ہوگا لیکن یہ دونوں امر خلافت محفل اور اصول تمدن اور سیاست من کے ہیں۔

جب تک یہ امر قبول نہ کیا جائے کہ پیغمبر اپنی زندگی میں قصور آخر حصہ زندگی میں دین اسلام کے قائم اور برقرار رکھنے والے اور اسکی بموجب سلطنت مسلمانوں کو چلانے والے کو بتا اور جتا گئے نہایت تک وہ خدشات اور شبہات جن سے قصور پیغمبر کی ذات پڑا



نامدہوتے ہیں رنج نہیں ہو سکتے۔

سقیفہ میں انصار کے دبا دینے | ذی سلم مصنف بعد ظاہر کرنے اوس  
سے اور حضرت ابوبکر کے انتخاب | نازک حالت سے جسکی وجہ سے وہ  
کے جواز کی حقیقت۔ | انتظام خلافت جزع اور فزع اور

گر یہ وزاری وفات پیغمبر پر مقدم قرار دیتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ بنی انصار  
نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا  
کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار  
اون کے مقابلہ کو نکلے تو عقبہ نے انحضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ محمد باہم نا  
جنسوں سے نہیں لڑ سکتے کی طرح انصار کے آگے سے تسلیم خم نہیں  
کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے تمام عرب کو انصار کی بیعت  
سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اوس میں  
صاف اپنے خیال کو ظاہر کیا اور کہا۔ ان العرب لا تعرف هذا الامر الا  
لهذا المحي من قریش اس کے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے، اوس  
دختر زج، اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔

اسماہیلین ضرور تھا کہ انصار کے دعوے خلافت کو دبا دیا جاوے  
اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جاوے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان  
میں سب سے با اثر اور بزرگ اور سمر حضرت ابوبکر تھے اور فوراً  
اون کا انتخاب ہو ہی جانا لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں۔  
پہنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر فریب تھا کہ تلواریں میان سے  
نکل آئیں۔ حضرت عمر نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتاً حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں  
ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں ساتھ ہی حضرت عثمان



ابوبیدہ جراح، اور عبدالرحمن بن عوف نے یہی ماتہ بڑے اور یہ  
تمام خلقت ٹوٹ پڑی۔

میں ذی علم مصنف کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ ضرور  
الفجار کے دعوے خلافت کو دبا دینا چاہئے تھا، گو ادن وجوہ سے نہیں جو ذی  
علم مصنف نے ظاہر کئے ہیں بلکہ ادن وجوہ سے کہ جن سے حضرت ابوبکر کا  
یہی خلیفہ ہونا چاہئے تھا۔

قرآن اور مذہب اسلام نے مسلمانوں کے لئے خواہ وہ مہاجر  
ہوں یا انصار، جب مسلمان ہو کر خدمت اسلام بجالائے عزت اور شرف  
کی منتزعتین اور ادن کے حقوق برابر کر دئے تھے اور بعد اسلام و حد  
اسلام کے کوئی مہاجر کسی انصار کو اور کوئی انصار کسی مہاجر کو حقیر نہیں  
سمجھ سکتا تھا۔

درمیان مہاجرین و انصار جو بیانی چارہ قرار دے دیا تھا  
اوس کا کیا مطلب تھا۔ البتہ مہاجر ہوں یا انصار ادن میں جو کوئی اعلیٰ  
درجہ شرف کا رکھ سکتا تھا وہ اوسکی ہر پہلو کی فضیلت تھی جس پر  
سقیفہ نبی ساعدہ میں مطلق لحاظ نہیں کیا گیا۔ اور جب کسی حقیقی  
افضل کو مہاجر و انصار خلیفہ قبول کرتے تو عرب و غیر عرب کسیکو مرتع اختلاف  
کا باقی نہ رہتا۔ اور نہ کسی نا اتفاقی پیش رفت ہو سکتی تھی اور امتیاز افضل  
میں اختلاف غیر ممکن تھا کہ اسباب فضیلت اوس وقت سب کی نگاہ  
میں تازہ تھے البتہ دل کی سچائی ہر شخص کی درکار تھی۔ اس بنا پر میں  
بیشک ضرور سمجھتا ہوں کہ انصار کے دعوے خلافت کو دبا دینا چاہئے تھا۔  
بعد و بادوے جانے دعوے انصار کے یہ رائے ذی علم مصنف



سقیفہ میں کسی لائق شخص کے فوراً کی کہ اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب  
انتخاب کئے جانے کی حقیقت کر لیا جاوے۔ ناقص اور نامتسام  
تحقیق پر مبنی ہے۔

پہلے سلسلہ واقعہ سقیفہ نبی ساعدہ کے، واقعات عہد پیغمبر کی بات  
جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں ذی علم مصنف کو یہ طے کرنا تھا کہ وہ پیغمبرؐ اپنی  
زندگی اور اخیر حصہ زندگی میں علیمہ تفسیر کے لئے استخلاط کر چکے تھے یا نہیں؟  
اگر استخلاط کر چکے تھے تو کچھ ضرورت کسی اور کے انتخاب کے نہیں تھی لیکن  
ذی علم مصنف نے کسی وجہ سے اپنے آپ کو اس بحث سے بچا لیا ہے۔ حالانکہ یہ  
بحث حضرت ابو بکر کے خلیفہ قرار پانے کی صحت و غیر صحت پر تقدم اور بیت کچھ  
اہمیت رکھتی تھی۔ اور ایک ایسے محقق مورخ کو جیسے کہ ذی علم مصنف نے اپنی  
شان ظاہر کی ہے، اوس سے گریز زیبائین تھا۔ مگر

ذی علم مصنف نے مذہباً جو اعتقاد آباؤی اوان کا جلا آمانہا اوسیکو  
اپنے عہد پر میں رکھ کر کے بغیر تحقیق امر اہم اور مقدم کے یہ رائے ظاہر کر دی ہے  
کہ یہ کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جاتا۔ اور لیافت کو اوس مجمع میں  
حضرت ابو بکر پر صرف ان الفاظ پر منحصر کیا ہے کہ ”وہ سب سے با اثر“ اور بزرگ  
اور ممتاز تھے۔ لیکن جہاں ذی علم مصنف نے حضرت عمر کے نسب اور سن رشد  
اور تربیت سے بحث کی ہے یا جہاں اور واقعات اوان کے دیدہ اور جلالت  
کے دکھائے ہیں وہاں یہ پایا جاتا ہے کہ اگر خدا جہونٹ نہ بلائے تو اوان کو پیغمبرؐ سے  
بہی زیادہ با اثر قرار دیا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ کہیں تو حضرت عمر کو ذی علم  
مصنف سب سے زیادہ با اثر قرار دیتے ہیں اور کہیں یہ فرماتے ہیں کہ ”حضرت  
ابو بکر سب سے زیادہ با اثر تھے“ جس سے طریقہ ذی علم مصنف کا یہ ظاہر ہوتا



ہے کہ جس موقع پر جیسی ضرورت ہوتی ہے ویسا ہی ان کی زبان سے نکل جاتا ہے۔  
 یہ امر ہی تعجب میں ڈالتا ہے کہ ذی علم مصنف نے حضرت ابوبکر کے  
 اعتبار بباقت کے لئے مجمع کی قید حیاں انتخاب ہوا لگائی ہے۔ کیا اس مجمع  
 کے لئے خلیفہ منتخب کرنے کی ضرورت تھی؟ مگر نہیں۔ حضرت ابوبکر تو گل امت  
 رسول اور گل مسلمانوں کی سلطنت اسلام کی خلیفہ قبول کئے گئے ہیں، ایسی  
 حالت میں گل امت رسول اور گل مسلمانوں حاضر و غیر حاضر سے کسی ایسے شخص  
 کا منتخب کرنا لازم تھا کہ جیسا کہ فضیلت سے وہ اوصاف ہوں جو عموماً سلطان  
 ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن با اثر، اور بزرگ، اور معمر ہونے کے اوصاف  
 حضرت ابوبکر کے با اثر کہیں اصول انتخاب میں نہیں ملتے۔ یہ بھی سمجھ میں  
 ہونے کی حقیقت ہیں آتا کہ با اثر ہونے کی کیا مراد ہے؟ آیا یہ مراد ہے  
 کہ جس قدر اوصاف انبیاء اور حکمرانے جس کا اشارہ قرآن میں موجود ہے  
 اخلاق حمیدہ کے قرار دے ہیں وہ کسی شخص میں ایسی نوعیت سے موجود  
 ہوں کہ ان کا اثر وہ ہر دوسرے شخص پر ڈال سکے۔

مجھ کو یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص قابل اس صفت کا حضرت  
 ابوبکر میں ہو سکے۔ اگر حضرت ابوبکر میں یہ صفت تھی تو افسوس ہے کہ زمانہ نے  
 ان کو خلیفہ کی جگہ پیغمبر کیوں نہ بنایا۔ ذی علم مصنف کو چاہئے تھا کہ بجائے  
 صفت با اثر کے یہ کہتے کہ ”سب سے زیادہ باقت خلافت حضرت ابوبکر میں تھی،“  
 حضرت ابوبکر کے بزرگ اور بزرگ اور معمر کی صفت نہیں معلوم  
 معمر ہونے کی حقیقت ہو تا کہ آیا وہ ایک ہی صفت کا بیان  
 ہے کہ ہم معنی الفاظ فارسی اور عربی میں اس کو لائے ہیں یا بزرگ کا  
 لفظ بمعنی مقدس کے بولا ہے۔



اگر بزرگ اور مہم سہم معنی ہیں جس سے مراد کبیر السنہ ی ہوتی ہے تو اون سے زیادہ عمر کے لوگ بھی اس وقت موجود تھے یہاں تک کہ خود حضرت ابو بکر کے باپ حضرت ابو قحافہ اس وقت زندہ تھے زیادہ تھا کہ اون کے والد بزرگوار کو خلیفہ مقرر کر دیا جاتا ہے کو باپ پر سن کی فضیلت دیکر خلیفہ مقرر کرنا اگر قابل مضحکہ امر نہیں تو حیرت ناک ضرور ہے کہ ان دونوں حالتوں میں سننے والوں کا منہ کھلتا ہے۔

اگر بزرگ سے مراد مقدس ہے تو اون کا الیہ التقدس جو سب سے زیادہ ہو ذی علم مصنف کو بیان کرنا ضرور تھا۔

حضرت ابو بکر کے فوراً منتخب یہ رائے ذی علم مصنف کی کہ یہ حضرت ہو جانے کی کہانی حضرت عمر کی بنا ابو بکر کا فوراً انتخاب ہو جاتا لیکن لو

انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے ایک ایسی رائے ہے کہ جسکی کوئی سند نہیں مانہ روایت نہ درایت اور خلاف قول حضرت عمر کے ہے جو ادھون نے خطبہ اپنے نمبر میں جبکہ سرگزشت سقیفہ بنی ساعدہ ظاہر کی ہے فرمایا ہے کہ ”سقیفہ بنی ساعدہ میں انتخاب حضرت ابو بکر کا فلتہ“ بے سوچے سمجھے ناگہان ہوا اور خدانے اسکی شر سے ہین بچا لیا جسکی مراد یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے نزاع کی باعث عجلت اور گہرا مہٹ میں بے سوچے سمجھے جو انتخاب اون کا ہو گیا اوس میں اندیشہ شر کے پیدا ہو جانے کا تھا جس سے خدانے بچا لیا اگر کسی دوسرے محل اور وقت پر موقع انتخاب خلیفہ کا ہوتا اور سوچ سمجھ کر انتخاب کیا جاتا تو حضرت ابو بکر کا انتخاب نہوتا بر خلاف اس کے ذی علم مصنف



یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اگر الفصار کا جھگڑہ ہوتا تو فوراً اودن کا انتخاب ہو جاتا۔ مسلمان عوز کر لین کہ حضرت عمر کی رائے نسبت انتخاب حضرت ابوبکر کے قابل تسلیم ہے یا حضرت شبلی ذی علم مصنف اس تہد کی،

ذی علم مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت ابوبکر کا وہ فوراً انتخاب اگر الفصار کے جھگڑے میں لوگ نہ پہنچتے تو کس موقع پر اور کس وقت ہو جاتا؟ اور اس کی کیا صورت ہوتی؟ آیا بعد وفات پیغمبر جبکہ تدبیر تجہیز و تکفین ہو رہی تھی اور خانہ پیغمبر میں حضرت ابوبکر و عمر اور علی و عباس اور اودن کے بیٹے اور حسین اور فاطمہ موجود تھیں اور الفصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوتے تو قبل دفن پیغمبر کے خانہ پیغمبر میں حضرت ابوبکر فوراً منتخب ہو جاتے؟ یا اگر الفصار خانہ پیغمبر میں آتے اس وقت قبل دفن پیغمبر کے حضرت ابوبکر کا انتخاب فوراً ہو جاتا۔ یا بعد دفن پیغمبر کے لوگ مسجد نبوی میں جمع ہوتے حسین علیہ السلام اور بنو ہاشم اور دیگر مہاجر و انصار شامل ہوتے اس وقت حضرت ابوبکر بلا نزاع اور اختلاف کے فوراً خلیفہ قبول کر لے جاتے؟ یا جو شخص جہان موجود ہوتا آخر وفات رسول پاک فوراً حضرت ابوبکر کو خلیفہ مان لیتا؟

سوائے ان موقعوں اور وقت و صورت کے اور کوئی موقع اور وقت اور صورت حضرت ابوبکر کے انتخاب اور قبول خلافت کے لئے پیدا نہیں ہو سکتی ہے مگر بلحاظ اودن واقعات اور حالات زمانہ کے جس نے لوگوں کے ارادوں اور خواہشوں اور دل کی کیفیوں کو دکھایا یا حضرت ابوبکر کا فوراً انتخاب اور قبول خلافت کی وقت اور موقع اور حالت میں نہیں ہو سکتا تھا بجز اسی صورت کے جو پیش آئی اور جس کا ذکر حضرت عمر نے کیا ہے۔

ذی علم مصنف نے پورے وہ واقعات اور وہ گفتگو میں کہ



کہ جو باہم حضرات ابو بکر و عمر اور ابو عبیدہ مہاجرین کے اور انصار کے مابین تحریر  
ہونے کی ہیں جس سے معلوم ہو جائے کہ کیا کیا حجتیں اور استحقاق کے وجوہ مہاجرین  
موجودہ اور انصار کے پیش کئے گئے تھے؟

اور وہ حجتیں اور دلیلین کیا وقت رکھتی تھیں؟ اور ان سے کس کا استحقاق پیدا تھا؟  
ناہم ذی علم مصنف کی تحریر سے یہ ظاہر ہے کہ وہ دلت ایسا گہرا سہا اور عجلت  
اور غوت کا تھا کہ انتخاب کے متعلق اوس مجمع میں کیسکی رائے کو یہ نہیں کہا  
جاسکتا کہ صحیح تھی خصوص اس حالت میں کہ ہر کسی نے پیغمبر کی مرضی اور نشان  
کو یا ان کے کسی قول یا فعل کو جو جو خلیفہ کے متعلق ہو سکتا تھا اپنے دل سے  
فراموش کر دیا تھا اور اپنی نظر کو دان تک نہیں پہنچنے دیا تھا جس ایسی حالت  
انتخاب کو حضرت عمرؓ نے غلطہ یعنی بے سوچے سمجھے مانگا تھا، قبول کیا ہے اور خدا  
جس کے شر سے بچا لیا تھا، ایسے انتخاب کو کوئی صحیح قبول کر سکتا ہے؟

**مہاجرین سقیفہ کی حالت** | تین چار مہاجر جو اس وقت موجود تھے

اُن میں سے ہر ایک اپنے اوپر دوسرے کی فضیلت قبول اور اوس کو  
انتخاب کر کے اوس کے ماتھے پر بیعت کرنا چاہتا تھا اور وہ قبول خلافت سے  
انکار کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بزور ماتھے حضرت ابو بکرؓ کا دبا کے کہ اُن میں دو  
آدمیوں کی فوج تھی بیعت کی ہے

کیا یہ امر قابل تعجب اور افسوس کے نہیں ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو قابل کسی  
م منصب کے قرار نہ دیتا ہوا اور قبول خلافت سے انکار کرتا ہو خلافت شریعت  
کے بالجبر اوس کو خلیفہ مقرر کیا جاوے؟

یہ انتخاب اوس حثیت سے نہیں تھا کہ تمام مہاجر اور انصار



حضرت عثمان اور عبد الرحمن بن عوف کے بیعت کرنا کی حقیقت اور اصحاب رسول اور عام خلقت نے کو منتخب کیا ہو بلکہ بقول خود ذی علم مصنف کے ”سفیفہ بنی ساعدہ بن الفاکہ کی بحث و نزاع کے طول سے قریب تھا کہ لواریں کھینچ جائیں اور حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا اور حضرت عثمان اور حضرت ابوعبیدہ جراح اور عبد الرحمن بن عوف نے ہاتھ بڑھائے لیکن اس وقت حضرت عثمان اور عبد الرحمن بن عوف کا بیعت کرنا تسلیم نہیں ہو سکتا کیونکہ دوسری روایت سے عبد الرحمن بن عوف اور حضرت عثمان کا بیعت کرنا مسجد نبوی میں اور اس وقت واضح ہوتا ہے کہ جب بنی امیہ حضرت عثمان کے پاس - بنی زہرہ - سعد اور عبد الرحمن بن عوف کے پاس جمع ہوئے اور بنی ہاشم علی کے پاس اور ادون کے ساتھ زبیر بن العوام بھی تھے۔

حضرت عمرؓ کے ہمدیدی اشعنا لک سے حضرت عثمان و بنی امیہ اور عبد الرحمن بن عوف نے مع قبیلہ بنی زہرہ کے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور علی اور عباس و زبیرؓ اپنے ساتھیوں کے آگے کر اپنے گھروں کو چلے گئے جسکا صاف حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب مشورہ نتیجہ یہ ہے کہ سفیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ اور اتفاق سے نہیں ہوا۔

کام انتخاب کسی مشورہ اور اتفاق سے قطعی نہیں ہوا۔ بلکہ مہاجرین میں سوائے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و ابوعبیدہ جراح کے اور کوئی وہاں موجود ہی نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کا حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا اور کسی دوسرے کا ہاتھ نہ ہوا جس حیثیت سے ذی علم مصنف ظاہر کرتے ہیں اور اس سے صورت انعقاد و خلافت کی حضرت ابوبکرؓ اور ادون کے ہاتھ پر بیعت کی پیدا نہیں



ہوئی تھی۔۔۔ بصورت ظاہر ایسا عمل بعض لغزش باز رہنے انصار کے اون  
کے دعوے سے تھا نہ کہ حقیقی انتخاب حضرت ابوبکر کا اور اون کے ہاتھ پر بیعت  
صرف ایک چال تھی کہ چل گئی۔

حضرت ابوبکر سے بیعت کے لئے یہ امر کہ ”پہر تمام خلقت ٹوٹ پڑی“  
تمام خلقت کے ٹوٹ پڑنے کی حقیقت صحیح نہیں ہے۔ سقیفہ میں نہ تمام مخلوق

ہی نہ تمام مخلوق اون پر ٹوٹ پڑی ہے۔ البتہ کتب توارخ سے یہ ضرور  
پایا جاتا ہے کہ بعض انصار نے سقیفہ میں بیعت کی لیکن سعد بن عبادہ انصار  
کے سردار نے تادم مرگ حضرت ابوبکر و عمر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور  
جب اون سے حضرت ابوبکر نے کہا ”اے اب تو تمہاری قوم نے بے بیعت  
کر لی ہے تم ہی آؤ اور بیعت کر لو“ اونہوں نے جواب دیا کہ ”قسم خدا کی  
جب تک میرے ترکش میں جتنے تیرہن ان سب سے تلو مجروح نہ کروں  
اور تم سے اپنی تلوار اور نیزے کو خضاب نہ کروں اور جب تک تلوار میرے  
ہاتھ میں رہے گی خدا کی قسم ہرگز بیعت نہ کروں گا“

جب اون پر بیعت کے لئے تہدید کی گئی ہے ”تو قیس بن سعد  
نے ایک دن حضرت عمر سے کہا کہ میری بیعت قبول کرو، سعد نے قسم  
کہا ”اے اب کہ تمہاری بیعت نہ کروں اور اس سے بالجبر بیعت نہ لینی چاہئے  
اور نہیں تو اس کے قتل کے ساتھ قبیلہ خزرج قتل ہو جائیگا اور قبیلہ خزرج  
کے ساتھ قبیلہ اوس اور قبیلہ اوس کے ساتھ اہل یمن، اور یہ مقدور تمہارا  
نہیں ہو سکتا اور تمہاری بیعت سے زیادہ ہے“

سعد بن عبادہ کا قتل | ”عہد خلافت حضرت عمر میں سعد بن عبادہ  
ایک روز بازار مدینہ میں تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اے سعد بیعت کرو یا اس شہر



سے باہر چلے جاؤ، سعد نے کہا کہ جس شہر میں تم ایسے مردوں میں رہنا سزا حرام ہے  
اور شام کو چلے گئے۔ آخر کار سعد بن عبادہ کو بخاطر حضرت عمر کے شام کے بلعین  
خالد بن ولید نے کچھ تیر انداز ساتھ لجا کر دختون کی آڑ میں تیسرے قتل کیا اور پیش حضرت  
عمر جو سعد سے ناخوش تھے خون سعد سے اپنی سرخ روئی حاصل کی۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کی بیعت کے بعد دوسرے لوگوں نے تدبیریں  
اور کوشش کے بعد جس کسی نے بیعت کی ہے آہستہ آہستہ اوقات مختلف پر بیعت کی  
مالک بن نویرہ کا قتل | قصہ مالک بن نویرہ نام کتب تو اس مخ میں درج ہے

کہ وہ سردار قوم بنی حنیف عرب بادیه سے تھا اور وہ حضرت ابوبکر کا خلیفہ ہونا قبول نہ  
کرتا تھا اور اس نے حضرت ابوبکر کے رو برو کچھ گفتگو کی وہ قائل تھا کہ علیمرضے کو رسول  
نے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے مالک بن نویرہ کو انین زکوٰۃ سے قرار دیا  
حالانکہ اس نے صدقات کو اپنی قوم کے فقرا پر تقسیم کر دیا اور یہ کہتا تھا کہ پیغمبر نے حکم  
یہ حکم نہیں دیا ہے کہ ہم تم کو زکوٰۃ دین اور نہ تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم ہم سے زکوٰۃ طلب  
کر دو، پھر کس واسطے تم ہم سے زکوٰۃ لگتے ہو کہ جس کے طلب کے لئے خدا اور رسول نے  
تم کو مقرر نہیں کیا ہے۔ مگر حضرت ابوبکر نے خالد کو مدد سے سوار کے اس کے قتل  
کرنے کے لئے بھیجا اور خالد نے وہو کہ سے اس کو اور اس کی قوم کو قتل کر کے قوم  
کے زن و فرزند کو اسیر کیا جو غلام اور نوٹدیان بنائے گئے اور خالد نے زوجہ ماہ  
پر شب قتل اس کے تصرف کیا۔ حضرت عمر خالد کو واجب القتل قائل نہ جانتے تھے  
اس فیض سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر برخلقت ٹوٹ نہیں پڑی تھی  
بلکہ ان کے انتخاب کو کچھ خلقت ماجاز جانتی تھی مگر ایسے لوگوں کا قتل دفع  
کیا گیا۔

اگر نام خلقت حضرت ابوبکر پر ٹوٹ ہی پڑتی تو اس سے صحت انتخاب



لازم نہیں آسکتا تھا۔

تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عام خلقت کم عقل ہوتی ہے مگر خاص اُن کے عقل اور سے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں عام خلقت کے لئے پیٹریا جال، مشہور ہے کہ جس طرف کو بے سوچے سمجھے اور گڑھا، کہاالی بغیر دیکھے ایک پیٹریا جال اور تھادیتی ہے اسی کے پیچھے پیٹریا جال جاتی ہیں۔

صحیح العقاد خلافت کے لئے ارباب دانش کا جسکو علمائے اہل حل و عقد کہا ہے اتفاق اور شریک مشورہ ہوا ضرور ہے۔ ذی علم مصنف کی تجربہ سے یہ تو ظاہر ہے کہ ارباب حل و عقد نے حضرت ابوبکر کو مشورہ کر کے بالاتفاق خلیفہ قرار نہیں دیا مگر یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ کس کس صحابی نے مجاہدین سے اُن کا بہ دل خلیفہ ہوا قبول کر کے بیعت کی جس سے حضرت ابوبکر پر بیعت کی کیفیت شکست ہو کر عام خلقت کا ٹوٹ پڑنا ظاہر ہو جاتا۔ لیکن

ذی علم مصنف کے خیال میں حضرت ابوبکر پر عام خلقت کے ٹوٹ پڑنے بنی ہاشم کے ساتھ سلوک کے بعد صرف بنو ہاشم باقی رہ گئے تھے۔  
عدم بیعت ابوبکر پر۔  
اُن کا بیان یوں کرتے ہیں کہ وہ اس

کارروائی (حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دے جانے اور عام خلقت کو ٹوٹ پڑنے) سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رگ گیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنی ہاشم اپنے ادعا پر رگے رہے اور حضرت فاطمہ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر شور مچاتے رہتے تھے حضرت عمر نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علی کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے فاطمہ کے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ



خدا کی قسم آپ ہر کو سب سے زیادہ محبوب بننا ہم اگر آپ کے ان لوگ اس طرح جمع کرتے رہیں تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہلکا نہیں معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں حضرت عمر کی تیز مزاجی اور آپے حضرت عمر کی تندگی اور تیز مزاجی بے اعتدالیان بمقابلہ جناب سید سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں حقیقت یہ ہے

کہ اس بزرگ وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو جو کارروائیاں کیں ان میں گولبعین بے اعتدالیان پائی جاتی ہوں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہیں بے اعتدالیوں نے اڑھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا، بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اس وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھرتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔

اگرچہ یہ امر صحیح نہیں ہے کہ جس وقت حضرت فاطمہ کے گھر میں لوگ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے اس وقت سوار بنو ہاشم کے گل مہاجر و انصار نے حضرت ابوبکر کا خلیفہ ہونا قبول کر لیا تھا یا ان کے ہاتھ پر گل مہاجر و انصار کی بیعت ختم ہو گئی تھی اور صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر قائم رہ گئے تھے تاہم اس تحریر سے پھر ظاہر ہے کہ بنو ہاشم نے، جن کا خاندان سردار قریش اور سردار ملک عرب کا رہا ہے اور خود سید العرب علیہم تھے نے جن کے سوار اور کسی کے اگے بنو ہاشم سر نہیں جھکا سکتے تھے اور یہی خاندان عرب میں خاص النخاص تھا،

حضرت ابوبکر کو خلیفہ قبول نہیں کیا تھا۔ اور وہ حضرت ابوبکر کے خلیفہ قرار پانے کے خلاف مشورہ کرتے تھے۔ اور درحقیقت سوار بنو ہاشم کے دیگر صحابہ رسول



جنگ کا ذکر کتب توارخ میں درج ہے مثل طلحہ وزیپڑ اور سعد بن ابی ذفاص،  
و مقداد بن اسود، و سعد بن عبادہ، اور اسید بن الحصین اور سلمہ بن اسلم و سلمان  
فارسی نے تحلف بیعت حضرت ابوبکر سے کیا تھا اور خانہ فاطمہ میں مشورہ کے لئے  
جمع ہوئے تھے اور علیمہ تفسی کی طرف میل اور رجحان رکھتے تھے۔

جب علیمہ تفسی اور بنو ہاشم اور دیگر صحابہ رسول صلعم جو اہل حل و عقد کا  
رتبہ رکھتے تھے اور عام خلقت سے بہن تھے سقیفہ میں موجود نہ تھے تو جاہلے تھا  
کہ ان صحابہ اور بنو ہاشم کی رائے کا انتظار کیا جاتا کہ ان کی تعداد اوس تعداد  
سے بہت زیادہ تھی کہ جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کو خلیفہ قرار  
دیا تھا اور اول بیعت کی تھی اپنی حضرت عمر و ابوعبیدہ جراح، مگر بہن اوس کو  
ادن کی حالت پر بہن چھوڑا۔ خصوص بنی ہاشم، اور ادن میں سے فاضل النخول  
علیمہ تفسی کے ساتھ حضرت ابوبکر کے قبول خلافت گیلے ادن شاید کا بتا دیا گیا  
جس کا ایک شمع ذی علم مصنف نے ظاہر کر کے قبول کیا ہے اور حضرت عمر کی  
تندی اور تیز مزاجی کے حرکات کو ادن کی بے اعتدالیوں سے تعبیر کیا ہے  
کہ جنگو ہیشہ ظاہر ہم پہلو ذی علم مصنف کے چہ پاتے رہے ہیں حالانکہ وہ واقعات  
شاید کافی تفصیل سے کتب توارخ اسلام میں درج ہیں لیکن وہ شاید  
فاطمہ اور علی اور حسین علیہ السلام پر اور تندی اور تیز مزاجی کا وصف اور ادن  
کی وہ حرکت بے اعتدالیوں کی نہ کہیں قانون اخلاق کے کسی باب میں ملتی ہیں  
اور نہ کہیں سیاست مدن کی کسی فصل میں۔

جس پہلو اور حیثیت سے ذی علم نے واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ لکھا ہے اہل  
نظر تقلید کی عینک اوتا کر دیکھے کہ انتخاب حضرت ابوبکر کا بیجا ہوا یا بجاء۔ اور  
وہ صحیح خلیفہ رسول یا بادشاہ مسلمانوں کے قرار پاسکتے ہیں یا نہیں؟۔



ذی علم مصنف نے بحث سقیفہ کے متعلق جو باتیں غور طلب قرار دی  
 تھیں اُن کو وہ دکھایا ہے اور محکمہ ہی جو کچھ ذی علم مصنف کی تحقیق اور رائے  
 سقیفہ میں حضرات صحیحین کو کی بات کہنا تھا کہ چکا۔ لیکن محکمہ کو اپنی طرف سے  
 کیا کرنا چاہئے تھا؟۔ یہ دکھانا باقی ہے کہ حضرت عمر و حضرت ابو بکر  
 سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے تو اُن کو دُعا کرنا کیا چاہئے تھا؟ جس کا تعلق اسی امر  
 سے ہے جس کو سقیفہ بنی ساعدہ کی بحث میں ذی علم مصنف نے اسیر قرار دیا  
 ہے یعنی دُعا جو کچھ کیا وہ بھی تھا یا بجا؟۔

جب حضرت عمر و ابو بکر بنی ساعدہ پیغمبر کو بے گور و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ  
 میں پہنچے تھے راہ میں اُن کو ابو عبیدہ جراح لگے جیسا کہ کتب تواریخ اسلام  
 میں موجود ہے اور غالباً وہی محبہ حضرت عمر کے ہونگے جنہوں نے دیوار خانہ پیغمبر  
 کے پیچھے سے حضرت عمر کو بلایا تھا اور اُس روایت میں جو ذی علم مصنف نے لکھی  
 حضرت عمر نے اپنے بیان میں ام اُن کا کسی مصلحت سے ہنیں کیا۔

اُس وقت چلے گئے تھے کہ انصار سے یہ کہا جاتا کہ قبل پیغمبر و دفن پیغمبر کے اتر  
 امر کو کہ کس کو بعد رسول خلیفہ قبول کیا جائے مثنوی رکھو۔ آؤ چلو، اول پیغمبر کے جنازہ  
 سے فراغت کر لین پھر سجد نبوی میں یہ امر طے کر لیا جاوے گا کہ اُس وقت تمام  
 مہاجر و انصار موجود ہوں گے۔ اگر انصار اس امر کو نہ مانے تو انصار کے سامنے کیا  
 کہو؟ الامتہ من قریش کے بیان کیا تھا پیغمبر کا علم تقضے کی نسبت اختلاف یا  
 مرضی اور انتشار پیغمبر جو بمنزلہ اختلاف کے تھا جس کو حضرت عمر و ابوجہل و  
 اپنی سچائی دل سے ظاہر کرتے کہ بہت کچھ اُس کے متعلق پیغمبر فرما چکے تھے اور  
 عمل کر چکے تھے اور وہ پیغمبر کا ارشاد و عمل الیادیرمہ ہنیں ہو گیا تھا کہ یہ حضرات



اوسے پہول گئے ہون بہت کچھ ان حضرات کی نگاہ میں تازہ تھا۔

درحقیقت بعد وفات رسول اللہ بن امر فوراً تحقیق طلب تھے (۱) آیا قرآن

میں کوئی ہدایت یا حکم تھا یا نہیں کہ بعد وفات رسول اللہ کوئی جانشین ہو؟ (۲) اگر

قرآن میں ایسی کوئی ہدایت یا حکم نہیں تھا تو قول رسول اللہ میں ایسا کوئی حکم اور

ہدایت تھی یا نہیں؟ (۳) اگر قول رسول میں بھی ایسا کوئی حکم اور ہدایت نہیں تھی

تو رسول اللہ کے طرز عمل سے ایسا کوئی قیاس پایا جاتا تھا یا نہیں کہ بعد وفات رسول

کون شخص خلیفہ قبول کیا جاسکتا ہے؟ سقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں ابتداءً بحث

تقرر خلیفہ کی ہوئی وہاں ہر مذکرہ کی بابت کوئی بحث پیش نہیں ہوئی اور

نہ اوسپر کوئی مباحثہ ہو کر تقرر خلیفہ کا ہوا پس جب تک کہ اُن امور پر بحث ہو جاتی

تک کہ کسی کا خلیفہ رسول مقرر ہونا صحیح قرار نہیں پاسکتا اور بغیر بحث اسر مذکرہ

سے جو کسی کو خلیفہ قبول کیا گیا وہ مطابق دین اسلام کے خلیفہ رسول نہیں سمجھا جاسکتا

ہے اور کل مسلمانوں پر اوس کی اطاعت لازم نہیں آسکتی ہے کیونکہ ایسا تقرر

اوں لوگوں کی رائے سے عمل میں آیا ہے جو نہ خود اپنے لئے دعوے دار عصمت اور

محفوظ عن الخطا ہونے کے تھے نہ اوس کے لئے جسکو مقرر کیا گیا اور نہ وہ

خود اپنے لئے جو مقرر کیا گیا۔ بلکہ ایسا تقرر مثل روئیدگی خس و خاشاک کو

ہے جو اعلیٰ ترین عمارتوں پر پیدا ہو جاتی ہے اگر اس روئیدگی کو ادرخس و

خاشاک کو سالانہ مرمت میں صاف نہ کیا جائے تو عمارت کی خوبصورتی اور

استحکام کو گزند پہنچتا ہے۔

علی مرتضیٰ کے بعد پیغمبرؐ

خلیفہ ہونے کے دلائل

بہ امر بہت قابل تعجب کے ہے کہ حضرت

ابوبکر نے قریب اپنی رحلت کے حضرت عمر کے

لئے اختلاف کیا۔ اور حضرت عمر نے (جبکہ اوں کو اپنے زخم شکم سے ابید



زلیست کی نہیں رہی تھی) مجلس شورے کی ممبر مقرر کر کے تعین خلیفہ اودن  
 پر منحصر رکھا کہ جو بذریعہ وصیت کے اختلاف ہے۔ حضرت عثمان کو اپنے ایسے قتل کے  
 سبب سے کہ جس میں ذرا بھی مہلت زلیست نہیں ملی موقع کسی کے اختلاف یا امر  
 خلافت کے انتظام کا بعد اپنے بذریعہ وصیت کے مطلق نہیں ملا۔ ورنہ وہ بھی  
 مثل حضرت ابو بکر و عمر کے جنگی سیرت پر عمل کرنا وقت قبول خلافت قبول کیا تھا  
 کسی کا اختلاف یا کسی کے لئے وصیت کر جاتے۔

طریقہ اختلاف شیخین  
 اب یہ سوال ہے کہ اگر پیغمبر اختلاف نہیں  
 نے کہا ان سے سیکھا تھا؟ اگر گئے تھے یا پیغمبر سے وہ امور جو بمنزلہ اختلاف  
 کے ہوں سرزد نہیں ہوئے تھے یا پیغمبر کا منشاء اور مرضی اس امر کے لئے ظاہر  
 نہیں ہوا تھا تو مسلماً بطریقہ اختلاف یا بذریعہ وصیت کے تعین خلیفہ جو بمنزلہ اختلاف  
 کے ہے حضرت ابو بکر و عمر نے کہا ان سے سیکھا تھا؟۔

کیا حضرت ابو بکر اور کیا حضرت عمر نے پیغمبر کی صحبت میں دین اسلام کی  
 اس قدر ہی تعلیم نہیں پائی تھی کہ وہ یہ جان سکتے کہ مذہب اسلام پیرو ملت ابراہیم  
 کا ہے؟ جو امور ملت ابراہیم کے بعد حضرت اسماعیل کے لوگوں نے خراب کر دیے  
 تھے اودن کی اصلاح پیغمبر صلعم نے امر و نہی کے ذریعہ سے کی اور جن امور  
 میں کہ تفصیل کی ضرورت تھی اودن کو صراحت سے بیان فرما دیا۔

ملت ابراہیم کے طریقہ جانشینی اور جو امور کہ صحیح طور پر برقرار چلے آئے  
 میں آنحضرت نے کچھ تفسیر نہیں کیا تھے اودن کو قبول کر کے صرف تازہ کر کے  
 دکھا دیا۔ اودن بن نہ کسی امر کی حاجت تھی نہ نہی کی اور نہ کسی تفصیل کی، اور  
 امر جانشینی اسی صورت آخر کو شال تھی جسکو پیغمبر نے تازہ کر کے دکھا دیا تھا۔  
 کیا اودنوں نے بھی یہ نہیں سمجھا تھا کہ مذہب اسلام میں دین و دنیا دو



جسٹین علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں اور قرآن صرف مجموعہ ہندو لفظ کا نہیں ہے بلکہ اوس میں اور شریعت میں جو قرآن کے بموجب پیغمبر نے قرار دی اور تمدن اور سیاست من، قائم کئے گئے ہیں۔ اور اصول سیاست من، مذہب اسلام میں اکثر وہی امور تسلیم کئے گئے ہیں جو قدیم حکما اور فلاسفوں نے اور انبیاء، سابقین کے مسلمہ تھے۔ اور

علیم تفسیر کے بعد پیغمبر خلیفہ ہونے کی تائید دستور قدیم ملک عرب کے تھا کہ جزیرہ عرب میں شیوخ یعنی سردار

قبائل کے اہتہ میں ہر ایک قبیلہ کی حکومت ہوتی تھی جو شخص بہ سبب دولت یا وجہ کسی صفت کے تمام قبیلہ میں اعلیٰ گنا جاتا تھا وہی اوس قبیلہ پر حکومت کرتا تھا اور مجموعہ شیوخ تمام قبائل کے جزیرہ عرب پر اس طرح حکومت کرتے تھے۔ صلح جنگ انفصال حضرات بالکلہ انہیں شیوخ کے اہتہ میں تھا۔ اور ہر قبیلہ و قوم میں ایک امیر جو اپنے خاندان میں کسی وجہ سے افضل ہوتا تھا چلا آتا تھا اور بعد ایک دوسرے کے قوم و قبیلہ بلکہ اوس خاندان والے اوس کے قریب تر رشتہ دار افضل کو امیر قبول کر لیتے تھے؟۔

کیا یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ قبیلہ قریش میں نسل حضرت اسماعیل سے حضرت اسم کو امارت قوم اور حفاظت خانہ کعبہ پہنچی اور اوس سے یکے بعد دیگرے حضرت عبدالمطلب جد پیغمبر اور حضرت ابوطالب پدر علیم تفسیر تھے؟ اگر حضرت محمد پیغمبر نہ مانے جاتے تو اپنے دیگر اوصاف کی وجہ سے بعد حضرت ابوطالب کے حضرت محمد امیر قبیلہ قریش کے بموجب دستور قدیم ملک عرب کے قبول کئے جاتے اور بعد اوس کے علیم تفسیر۔ لیکن حضرت ابوطالب کے اخیر زمانہ زندگی میں حضرت محمد کی صفت نبوت اور رسالت ظاہر ہونی لگی



اور بعد وفات حضرت ابو طالب کے مذہب اسلام نے جو تعدد و امارت قبائل عرب کا تھا اوس کو سٹاکر گل قبائل عرب کو شامل امارت قبیلہ فریش کے کر لیا۔ مگر دستور قدیم امارت اور خلافت کے متعلق جو چلا آتا تھا اوس وسعت قومی اور ملکی نے اوس میں کچھ خلل نہیں ڈالا بلکہ آنحضرت صلعم کو گل قبائل نے اپنا امیر اور سلطان قبول کر لیا اور اوسے دستور قدیم کو اوس وقت پیغمبر نے قبول کر کے اور اپنے آپ کو امیر گل قبائل عرب کا سمجھ کر آہستہ آہستہ اور وقتاً فوقتاً اصلاح امیر گل قبائل عرب کی کر کے اوس کام کو اپنے عہد میں پورا کر دیا۔

مثل اپنی ذات کے پیغمبر کا علیؑ کیا علیؑ تھے سے جب کوئی کام لیا جاتا، سے کار تبلیغ رسالت لینا تھا خواہ وہ محض امر تبلیغ رسالت سے

متعلق ہو جیسے سورہ برات کا کفار اور مشرکین کہ پرہیزگارانہ جس میں علیؑ تھے نے ظاہر کیا ہے کہ میں رسول خدا کا رسول ہوں، یا میں کو ہدایت کے لئے علیؑ تھے کا بھیجا جانا جس میں اون کے ماتھے پر لوگ سلمان ہوئے۔ خواہ وہ کام سرداری لشکر سے متعلق ہو۔ خواہ حملہ وقت جنگ سے ہو۔ خواہ کسی کام میں امانت و نصرت پیغمبر کو علیؑ سے مطلوب ہوتی تھی۔ اوس میں خصوصیت ینابیت اور قائم مقامی پیغمبر کی نہیں ہوتی تھی؟۔ یعنی جو کام بہ نفس نفیس خود پیغمبر کرنا چاہتے تھے وہ کام پیغمبر مثل پیغمبر کی ذات کے علیؑ تھے علیہ السلام سے لیتے تھے اور بجائے اپنی اون کو سمجھتے تھے۔ اور علیؑ تھے اسی حیثیت سے بہ قائم مقامی پیغمبر خدا صلعم

۱۔ خلاصہ الامام سہابی و تفسیر و تفسیر سید محمد و از النسخۃ فی تفسیر ابن فلدون و تاریخ ابو الفدا و معالم النبیل بنی و تاریخ سعید بن سعد و ازول دریا ص النسخۃ و ذخائر العقبۃ و ازول ابن کثیر و ذکرہ خواص الامم و تفسیر ثعلبی و تفسیر شیخ فقیہ بن برکت و تفسیر تلمیذ کو اشعی و عمدة القاری و فتح الباری شرح صحیح بخاری و جامع الجوامع و مناقب اخطب خوارزم و مستدرک حاکم ۱۲ منہ۔

۲۔ تب صحاح و مسند امام احمد جز اول صفحہ ۱۸۸ و اخطب خوارزم تاریخ نفیس و رضیہ الصفاح و دریم صفحہ



اوس کو انجام دیتے تھے۔

علی کو پیغمبرؐ کا کہی کسی کا  
ما تحت کر کے نہ بھیجنا | پر کسی کا ماتحت کر کے نہیں بھیجا البتہ حضرات شیخین

کو علیؑ تھے یا کسی دوسرے کا اکثر ماتحت کیا ہے۔

پیغمبرؐ کا علیؑ کا تبلیغ رسالت کو | پیغمبرؐ نے علیؑ تھے سے جو کام لئے۔  
اپنی زندگی میں بقبضہ علیؑ تھے | اور علیؑ تھے نے جو کارروائی کی اور ہر  
رکھنا اور سلب نہ کرنا | امر میں تمندی حاصل کی جس کا نتیجہ

دین اسلام کا قائم ہو جانا اور قومی سلطنت مسلمانوں کی پیدا ہو جانا ہوا پیغمبرؐ  
نے اوس کارروائی کو اپنی زندگی میں علیؑ تھے کے قبضہ میں رکھنا اور اپنے خیر  
زمانہ تک علیؑ تھے کے اوس اختیار علیؑ کو سلب نہیں کیا جس سے مرضی اور انتشار  
پیغمبرؐ صریح ظاہر ہوا تھا کہ وہ علیؑ سے کار خلافت اور سلطنت ہمیشہ کو برابر لینا  
چاہتے ہیں۔

طرق تقرری بادشاہ آئندہ | کیا حضرات شیخین یہی اصول نہ جانتے

تھے کہ کسی سلطان کے مرنے کے بعد تین ذریعے اوس کے خلیفہ یعنی جانشین  
اور بادشاہ آئندہ ہونے کے لئے ہیں۔ اول استخلاف۔ دوسرے قرابت  
تیسرے انتخاب؛ یعنی کسی سلطنت اور خلافت فی الارض کا موجودہ سلطان  
اور بادشاہ اپنی زندگی میں جس کسی کے لئے استخلاف کرنا چاہے اور اوس کو اپنا  
ولیہم مقرر کر دے تو وہ استخلاف اور ولیہم مقرر ذریعہ حق خلافت اور سلطنت  
کا اوس کے لئے ہوگا۔ اور اگر یہ ہو تو سلطان اور بادشاہ کا قرابت و ارتباط  
تر ہو سکتی خلافت ہوگا۔ اور قرابت حق خلافت کے لئے ذریعہ ہوگی۔ اور اگر  
یہ بھی ہو تو وہ لوگ جو قابلیت انتخاب کرنے کی رکھتے ہیں جس کسی کو منتخب کریں



منتخب ظلیفہ یا بادشاہ میں چند  
ضروری اوصاف کا ہونا۔  
لیکن ضرور ہے کہ انتخاب کے وقت دست  
خانہ دانی، اور علم، اور شجاعت، اور سخاوت  
کو پیش نظر رکھیں۔

اگر کسی میں یہ سب اوصاف اعلیٰ درجہ کے موجود ہوں اور سوائے اس کے  
دوسرے کا انتخاب کیا جاوے تو وہ انتخاب غلط ہوگا۔

اگر حضرات شیخین ان امور کو نہیں جانتے تھے تو چاہئے تھا کہ کسی عالم کو بلاتے اور اُن  
کے آنے تک معاملہ طے کرنے خلافت میں توفیق کرتے جیسا کہ اپنے عہد میں بارہا  
علیمہ تفسیر سے دریافت کر کے امور اہم کے طے کرنے پر عمل کیا ہے۔ اور اگر اُن امور  
کو جانتے تھے اور اختلاف پیغمبر یا مفسر اور مرضی پیغمبر جو مفسر لہ اختلاف کے تھی  
اوس کو نہیں جانتے تھے یا نہیں مانتے تھے تو قرب و قرابت رسول جو علیمہ تفسیر کو پیغمبر  
کے ساتھ تھا جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا اور وہ ہی اصولاً ذریعہ استحقاق  
خلافت کا تھا اوس کو انصار کے سامنے پیش کرتے اگر شیخین نے اس سے ہی گریز  
کیا اور جس کی وجہ اُن کا دل جانتا ہوگا تو اُن کو چاہئے تھا کہ امر انتخاب کو انصار  
سے سامنے پیش کرتے اور صحیح طریقہ انتخاب کا عمل میں لاتے اول کل صحابہ اور  
مسلمانوں کو جمع کر کے یہ دریافت کرنا تھا کہ کون کون دعوے دار خلافت ہیں اور  
کیا کیا وجوہ اپنے استحقاق کے رکھتے ہیں۔ پھر انتخاب کرنے والے افضلیت دست  
نسبی و خانہ دانی اور علم اور شجاعت اور سخاوت ہر دعوے دار کو پیش نظر رکھ کر  
انتخاب کرتے۔

یقین کرنا چاہئے کہ جب اس صحیح طریقہ سے انتخاب کیا جاتا تو یہی سوائے  
علیمہ تفسیر کے کوئی منتخب نہیں ہو سکتا تھا۔

علی مرتضیٰ کی شرافت نسبی شرافت نسبی اور خانہ دانی علیمہ تفسیر کی دہی



ہستی کہ جو پیغمبر کی۔ پدر پیغمبر اور پدر علمبر تھے فرزندان حضرت عبد المطلب انجامی  
 بہائی تھے۔ پیغمبر اور علمبر تھے کی دادی ایک تھیں۔ بموجب ارشاد پیغمبر کے پیغمبر  
 اور علی ایک لڑکھیں اور ایک جڑے دو شاخہ درخت ہیں۔ علی کا گوشت اور خون  
 پیغمبر کا گوشت اور خون ہے۔

خدا نے قرآن میں علی کو نفس پیغمبر فرمایا ہے۔ علی سے بہتر شرافت نبی  
 اور خاندانی میں بعد پیغمبر کے کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

**علی مرتضیٰ کا علم** علم علمبر تھے کا وہی تھا کہ جو پیغمبر نے اپنا علم تعلیم کیا تھا  
 علمبر تھے نے مثل فرزند کے اور پیدائش سے اپنی جوانی تک جب تک پیغمبر زندہ  
 رہے زیر سایہ عاطفت پیغمبر کے تعلیم و تربیت پائی اور شروع سے پیغمبر نے اسی  
 دین پر اون کو چلایا کہ جس پر خود پیغمبر تھے۔ علمبر تھے نے برابر اسی گھر میں تعلیم  
 و تربیت پائی جس گھر میں کہ پیغمبر تھے اور جس گھر میں کہ قرآن نازل ہوا تھا۔  
 شروع سے جیسے قرآن نازل ہوا گیا ویسے ہی پیغمبر اون کو سکھاتے تھے  
 اور حقیقی معنی اور مراد ہر آیت کی علمبر تھے پر ظاہر ہو جاتی تھی۔

جو کچھ پیغمبر پر اُتتا ہوا گیا وہی پیغمبر علی پر اُتتا کرتے گئے اسی تعلیم خالص  
 میں پیغمبر نے تمام علم الہی اور علم اولین اور آخرین کی علمبر تھے کو تعلیم دی اور  
 تمام راز مذہب اسلام اور حقیقت دین کے بتائے۔

علمبر تھے کو ہمیشہ پیغمبر سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک خاص وقت ایسا  
 ہوا تھا کہ جیسا ایک خاص وقت پیغمبر کو خدا کے ساتھ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے

۱۔ خطب خوارزم دتکرہ خواص الامہ وزین الفتنہ از عاصمی و تفسیر درختہ سیوطی (عندہ علم الکتاب) و اتقان

۲۔ کتاب الانوار و ارتقانی و خطب خوارزم دسند البعلی و محب طبری در کتاب ذفا العقبہ و راجع

دسند امام احمد حنبل و خصائص نسائی۔ وزین الفتنہ علامہ عاصمی ۱۲ منہ ۳۵ خصائص نسائی و ارشاد



پیغمبر نے علی کی نسبت فرمایا کہ ”مجھ کو یہ بمنزلہ ارون کے ہے مٹو سے، اگر بے شک  
بعد میرے نبی نہیں ہے“ جس سے باستثنا امر نبوت کے یہ امور علی کے لئے باقی  
رہ جاتے ہیں کہ وہ وزیر اور امیر پیغمبر تھے اور ان میں شریعت پر قائم ہونے والی  
اور تصریح کرنے والے کلیتہً واسطے احکام شریعت کے تھے اور خلیفہ ہونے پیغمبر کا  
حق رکھتے تھے۔

حضرت موسیٰ نے خدا سے ارون کے لئے یہی چاہا تھا کہ ”کہوے نو میرے واسطے  
” واجعل لی وزیر“ اس اہلی ارون اخی وزیر میرے اہل سے ارون میرے پالی  
داشتدوبہ اور ری داشتہ کہ فی امری“ کو، اور استوار کرو اوس کو میرے بار  
کے اوٹھانے اور شریک کرو اوس کو تو کام میں میرے“ وہی منزلت علی کی  
پیغمبر نے فرمائی ہے اور یہ فرمانا پیغمبر کا کہ ”اقضی کم علی بعدی“ اس بات  
پر دلالت کرتا ہے کہ فضا جو کہ انواع علوم کی طرف محتاج ہے۔ رسول نے علی کو  
اول عمر سے تربیت دیکر بذریعہ علم کے اعلیٰ مراتب کمال نفسیہ کو پہنچا دیا تھا  
اور پیغمبر نے جو یہ فرمایا کہ ”انا بمنۃ العلم و علی بابہا“ اوس سے مقصود یہ ہے کہ  
پیغمبر علوم اسلامیہ اور اسرار حکیمہ کے منبع ہیں اور قرآن اور سنت علوم اسلامیہ  
اور اسرار حکیمہ کو شامل ہے اوس کے مصدر ہیں اور اوس کو احاطہ کئے ہوئے  
ہیں۔ اور علی اوس اسرار اور علوم کی تفریع اور جمال کی تفصیل سے ہدایت کرنی  
والے ہیں اور احکام اوس کے کلیتہً جاننے والے ہیں۔ اور قوت استدراودن  
کی ایسی کامل ہو گئی تھی کہ اون کو بے راہبر کے چلنے میں کمال ہو گیا تھا اور بمقابلہ

۱۵ ینابیع المودة، سند رک، فاکم و سیرت ابن ہشام جز ثمانیۃ صفحہ ۳۴، ۳۸ و مطالب السؤل  
درمقاہ شرح مشکوٰۃ از علامی قاری و فضائل لسانی ۱۲۵۲ روضۃ الاحباب صفحہ ۳۶۳۔

۱۶ کتاب مناقب ابن مغازی و فضائل مولانا الحسن شاذان و تفسیر سند رک و جامع الجوامع بیوطی و تاریخ  
بکسر طبری و ارشاد مرشد صفحہ ۵۳۔



تمام مخلوق کے اسرار کی مہولتین کر سکتے ہیں اور اخذ کے نزدیک ہو گئے ہیں۔

اور یہ فرمانا پیغمبر کا کہ قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ اور حق اسی طرف کو پہنچا ہے جس طرف کو علی پہنچا ہے ظاہر کرتا ہے کہ علی کو ہر قسم کے علوم و مہینہ اور حکیمہ میں اسے درجہ کا کمال ہو گیا تھا اور بعد پیغمبر علی سے برتر کوئی متفہم عالم نہیں تھا۔

**علی مرتضیٰ کی شجاعت** شجاعت علی مرتضیٰ کی زمانہ پر ظاہر ہے کہ

جب پیغمبر کا رسالت پر مبعوث ہوئے اور مذہب اسلام کا ظاہر اور جاری کرنا چاہا علی مرتضیٰ نے زیر اطاعت پیغمبر کے بلا خوف بہ کمال جرات اس کی تعمیل کی اور کسی وقت اس کی تعمیل میں علی مرتضیٰ سے سستی ظہور میں نہ آئی۔ امر رسالت میں پہلے مسئلہ توحید مذہب علی کے جاری کرنا شرک کا ٹھکانا تھا اور شرک مٹ نہیں سکتا تھا جب تک کہ وہ لوگ جو مزاحم اس مسئلہ کے تھے اور سوائے ذات کبریا کی وحدہ لا شریک کے دوسروں کو خدا قرار دیتے تھے وہ اور ان کے بت معبود و نابود نہ کئے جائیں۔

تمام نامور کفار اور مشرکین جو مسئلہ توحید کے مخالف تھے علی مرتضیٰ کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ لڑائیوں میں جن جن مقامات پر کہ اوہنوں نے جنگ کی اور شہر امان عرب کو قتل کیا ان کے مقامات حرب مشہور ہیں۔ اور ان کی جنگ قیامت تک معروف رہیگی کبھی میدان جنگ سے فرار نہیں کیا۔ سب سے پہلی ہوئی دیوار کی طرح جھمے رہے اور کبھی کسی لشکر سے خوف نہیں کھایا کوئی دشمن مقابلہ میں نہ آیا کہ زندہ پہرا ہو اور ایک ضربت نہیں لگائی کہ حاجت دوسری کی رہی ہو۔ جو بہادر کہ آپ کے ہاتھ سے مقتول ہوا اس کی قوم مہلات کرتی تھی۔



عمر ابن عبید و مقتول کی بہن نے اپنے اشعار میں کہا ہے کہ ادس کا قاتل نہج  
یگانہ و دیس بے مثل، پسر بادشاہ کہ ہے ادس کے کشتہ کے لئے عیب و عار نہیں اگر  
کسی اور کے ماتھے سے مارا جاتا تو عمر بہر ادس کو روٹی۔ سہ

علیمہ تفسیر نے جیسے کفار اور مشرکین کو تہ تیغ اور مطیع کیا ویسے ہی تمام بت مکر اور  
ظالفس کے بلا چیک علیمہ تفسیر کے ماتھے سے توڑے گئے یہاں تک کہ نبی کے دشمن  
مبارک پر قدم رکھ کر بالادست بتوں کا نہ کعبہ کو علی نے زمین پر گرا دیا۔

علیمہ تفسیر کی قوت بازو سے جو پیغمبر کے قوت بازو تھے ہر قسم کی فتح مندیان  
حاصل ہوئیں اور تمام واقعات کا نتیجہ مذہب اسلام کے فاکم اور سلطنت کا قرار  
پا جاتا ہے۔

مولوی احسان اللہ صاحب جیاسی وکیل گورکھپور اپنی مصنفہ تاریخ اسلام  
میں لکھتے ہیں کہ "ہوش سنبھالنے کے بعد علی سے ایسے ایسے نمایان کام ہوئے اور  
اشاعت اسلام میں ایسی کچھ مدولی کہ آنحضرت کے نزدیک یہ بہت ہی زیادہ  
ممتاز اور پیارے تھے جو غوثی تعلق آنحضرت کو ان کے ساتھ تھا ادس سے قطع  
نظر کر کے دیکھے جب یہی مسلمانوں کی جماعت میں علی سے زیادہ کوئی دوسرا بہر  
صفت موصوف نہ تھا۔ شجاعت، ہمت، راستی، اتحاد، شہمندی، سخاوت، توکل  
اسلام کے جانشین محمد صلعم پر جان قربان کرنے والے، جس پہلو سے دیکھو بیٹہ  
شخص اپنا نامانی بہنیں رکھتا تھا۔ ان کو پیغمبری کا درجہ نہیں ملا ورنہ مار دن  
نے موسیٰ کے ساتھ اتنا بہنیں کیا جتنا علی نے محمد صلعم کے ساتھ کیا۔"

علی مرتضیٰ کی سخاوت | علیمہ تفسیر کی شجاعت جیسے مشہور زمانہ  
ہتی ویسے ہی ادن کی سخاوت۔ حقیقت میں وصف سخاوت وصف شجاعت



کو لازمی ہے جس کسی میں وصف شجاعت ہوگا ضرور ہے کہ اوس میں وصف سخاوت ہو۔ قانون قدرت شجاع کو سخی ہی پیدا کرتا ہے۔

علیم تفسیر کی بود و سخا کے ادن کی سیرت میں کثرت سے واقعات مروی ہیں وہ نخلستان یہود میں اپنے ماہتہ سے پانی دیتے تھے یہاں تک کہ ماہتہ زخمی ہو جاتے تھے اوس کی اجرت کو تصدق کرتے تھے اور خود بہتر شکم پر باندھ لیتے تھے۔ کہی سائل سے ”ہنین“ ”ہنین“ کیا۔

ادن کے واقعات سخا کا ذکر جا بجا قرآن میں ہے۔ ایک وہ واقعہ ہے کہ ”ایک سائل نے مسجد نبوی میں سوال کیا اوس کو کسی نے کچھ نہ دیا پس بلند کئے اوس سائل نے ماہتہ اپنے طرف آسمان کے اور کہا کہ خداوند اتو گواہ بنا کہ اس وقت میں نے مسجد رسول میں سوال کیا پس کسی نے مجھ کو کچھ نہ دیا اور حضرت علی اوس وقت رکوع میں تھے ادھون اشارہ کیا دست راست کی اونگی سے، طرف سائل کے اور اونگی میں ادن کی ایک انگشت تھی، پس سائل نے آگے بڑھ گئے وہ انگشتی ادن کی اونگی میں سے اذاری اس پر ”انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذلیمہ آیت نازل ہوئی کہ۔ ”سوائے اللہ یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وہم الکوٰفون“ کہ ہنین ہے کہ ولی تمہارا اللہ ہے اور رسول اوس کا اور وہ لوگ کہ ایمان لائے ہیں، ایسے لوگ کہ قائم کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ درحالیکہ رکوع کرنے والے ہیں۔

ایک وہ واقعہ ہے کہ ”علیم تفسیر نے تین روزے رکھے اور شمعون یہودی سے تین صاع جو قرض لئے اور حضرت فاطمہ نے اوس کو پیسا اور روٹیاں بکائی

۱۵ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وکنز العمال و تذکرہ خواص الامہ وکفایت الطالب و مناقب ابن مغازی و تفسیر در مشور تفسیر بیضاوی۔ تفسیر مشکوٰۃ و تفسیر معالم الزیل لجوسی و تفسیر کشف المحجوب للعلی تفسیر کبیر رازی و تفسیر ثعلبی ۱۱۔ سنہ و البسطۃ الالبیہ یعنی مشاظرہ کلمہ۔



تین روز تک مسکین و یتیم داسیرنے آکر مانگا کہ "اے الہیت محمدؐ ہم کو کہا اود،  
 تین روز روٹیاں برابر اودن کو الہیت نے دیدین اوس پر سورہ و ہر نازل ہو  
 و لطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیمنا و اسیرنا جس میں یہ آیت ہے "اور کہلاتے ہیں وہ  
 کہا نا اود چرب اوس (خدا) کے مسکین و یتیم داسیر کو" ۱۰

ایک وہ واقعہ ہے کہ "ایک مرتبہ علیؑ کے پاس سوار چار درہم کے اور کچھ نہ تھا  
 پس علیؑ نے ایک درہم رات میں ایک درہم دن میں ایک درہم پوشیدہ ایک  
 درہم غلامیہ تصدق کر دیا اوس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "وہ لوگ کہ خرچ کرتے ہیں  
 الذین یفقون اموالہم باللیل والنہار (راہ خدا میں) مال اپنے کورات میں اور  
 سر او غلامیہ فلہم اجرہم عند ربہم ولا خوف لہم دن میں پوشیدہ اور ظاہر پس  
 علیہم ولا ہم یحزنون" ۱۱

نزدیک پروردگار اودن کے کے اور بہنیں ہے خوف اودن پر اور نہ وہ غمگین ہو  
 یقین کرنا چاہئے کہ علیہ تفسیر سے افضل کسی میں وصف سخاوت ہی بہنیں تھا  
 اب غور کرنا چاہئے کہ ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمرؓ نے سفیفہ بنی ساعدہ میں کیا  
 وہ اودن کو کرنا چاہئے تھا یا بہنیں؟ اور حضرت ابو بکرؓ کو جو خلیفہ قرار دیا وہ کس اصول  
 پر بنی تھا؟ اور کون مجبوری اودن کے خلیفہ مقرر کرنے پر تھی؟ اور کس بنا پر کوئی  
 کہہ سکتا کہ جو کچھ ہوا وہ بجا تھا؟ ان دہی اصول تھا جسکو حضرت عمرؓ نے فرمایا  
 ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا خلیفہ قرار دینا "فلتہ" ان گمان ہے سوچے سمجھے تھا جس کے شر  
 سے خدا نے بجا لیا" ۱۲

ایسے فقر سے کوئی خلیفہ برحق قرار نہیں پاسکتا اور نہ اوس کو برحق

۱۰ تفسیر میضائی تحت تفسیر آیہ یونان بالتذکرہ ابن الفقی فی شریک سورۃ ہل انی و تفسیر مشکاوی  
 و معالم التبیان و ثبات ۱۲ منہ ۱۱ تفسیر معالم التشریح میضائی تعلیمی ۱۱ حدی تفسیر کبیر رازی  
 ۱۲ تفسیر مشکاوی الخاف و القارح حصہ دوم ۱۱ منہ



ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کے لئے اختلاف کرے۔ اختلاف کا حق وہ شخص رکھ سکتا ہے جو جائز اور صحیح طور پر بادشاہ قرار پایا ہو۔

جن واقعات اور امور کو میں نے ظاہر کیا ہے اور ان کو ذی علم مصنف نے حضرت ابو بکر کی خلافت پر اس کے عمدہ آنک کر کے اور ان پر کوئی محققانہ رائے نہیں لکھی ہے اس لئے سیف بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا اس کے متعلق کوئی عندیہ ذی علم مصنف کا کہ وہ بجا ہوا پایا نہیں جاتا۔ اور جب تقرر حضرت ابو بکر خلافت پر صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی اصول پر بنی تھا تو پھر حضرت عمر کو ہرگز حق نہیں تھا کہ وہ حضرت ابو بکر کے لئے اور ان لوگوں سے بزورِ سبیت یسار ہا بن جو غانہ فاطمہ میں جمع ہوتے تھے۔ جنہیں فاطمہ علی اور حسین علیہم السلام ہی داخل تھے اور نہ حضرت عمر کو یہ جائز ہو سکتا تھا کہ وہ ا مادہ حضرت فاطمہ کے گھر جلانے کے ہو جا دیں۔

ایسی ہتھ دیز پر اطاعت لانے کے لئے اس وقت روا ہو سکتی ہے جب کوئی صاف یہ کہے کہ حضرت ابو بکر ایسے برحق خلیفہ تھے کہ علی و فاطمہ اور جو لوگ کہ فاطمہ کے گھر میں جمع ہوتے تھے وہ سب باغی اور واجب القتل تھے۔

ذی علم مصنف یا کوئی اور اس فرقہ مسلمانوں میں جس میں وہ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں صریح اس بات کا قائل نہیں ہے کہ علی و فاطمہ اور جو لوگ کہ غانہ فاطمہ میں جمع ہوتے تھے وہ باغی اور واجب القتل تھے۔ اس لئے اس وقت جو کچھ تندی اور تیز مزاجی کے حرکات حضرت عمر سے سرزد ہوئے یا نہایت تیزی اور سرگرمی سے جو کارروایاں کیں جس میں بے اعتدالان پائی گئیں وہ سب نا واجب اور بے محل قرار پائیں گی۔

ایک مشکل مسئلہ اہل سنت | یہ ایک عجیب مسئلہ مشکل جس کا حل محال ہے نہ ولی کرایا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے خلیفہ مقرر کئے جانے سے جو کو



مخالفت کرنے والے ہیں وہ قابل اطاعت حضرت ابو بکر ہی قرار دے جائیں اور جو  
کوشش اُن کے زیر اطاعت لانے کے لئے کی جاوے اُس کو مکروہ اور ناپسندیدہ  
کیا جاوے۔

امر مرتجح ہی ہے کہ یا تو مخالفت کرنے والوں کو واجب الاطاعت قرار  
دیا جاوے اور اُن کے زیر اطاعت لانے کے لئے جو تہدیدی تدبیر عمل میں لائی  
گئی وہ روا اور پسندیدہ مانی جائے۔ یا مخالفت کرنے والوں کو واجب الاطاعت  
نہ مانا جائے۔ اور اُن کے زیر اطاعت لانے کی کوشش کو ناجواب کہا جائے۔

اگر علیرقم مسائل خلافت حق پر تھے اور خلافت حق اہلبیت پیغمبرؐ کا تھا تو حضرت  
ابوبکرؓ کا نصب خلافت پر نافع تھا اور علیرقم مسائل اور اہلبیت پیغمبرؐ پر جو سخت بڑاؤ اُن  
کے مطیع کرنے کے لئے کئے گئے وہ ناجواب تھے۔ اور

اگر حضرت ابوبکرؓ کا نصب خلافت پر حق تھا اور علیرقم مسائل اور اہلبیت پیغمبرؐ واجب نصب  
ابوبکرؓ سرکشی کرنے والے تھے تو اُن کے ساتھ اُن کے مطیع کرنے کے لئے اُس  
سے زیادہ سخت عمل کرنا روا ہو سکتا تھا جو کچھ کر کیا گیا۔

حل مسئلہ مشکل سے مصنف کا گریز | افسوس ہے کہ ذی علم مصنف  
اور اُس کا نتیجہ لازمی حضرت | نے اپنی محققانہ رائے سے اس مشکل  
عمر سے بیزاری۔ | مسئلہ کو صاف طے نہ کر کے اور حضرت عمرؓ کی

حرکات تند مزاجی اور بے اعتدالوں کو خلاف مسلک اپنے فداکار کے قبول  
کرنے کی اپنے فرقہ کے مسلمانوں کو اور زیادہ مشکل میں ڈالا ہے۔ لیکن اُن کے  
فرقہ کے مسلمانوں کو اگر سچی محبت اور مودۃ ذوی القربی پیغمبرؐ کی ہے کہ جو امت  
پیغمبرؐ پر موجب نص قرآنی (قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودۃ فی القربی) کو واجب  
کی گئی ہے تو حضرت عمرؓ کے حرکات تند مزاجی اور بے اعتدالانہ جس قدر کہ



ذی علم مصنف نے بمقابلہ علی وفاطمہ اور حسنین کے قبول کی ہیں کہ یہ سب اسی گھر  
 میں تھے جس کے جلا دینے کا ارادہ حضرت عمر نے ظاہر کیا ہے حضرت عمر سے نفرت  
 پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ مسلمان باسانی حرکات تند مزاجی اور براعتدالیوں  
 حضرت عمر کا یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں جبکہ وہ یہ تصور کریں کہ پیغمبر اور سوت موجود تھی  
 جس وقت حضرت عمر سے وہ حرکات تیز مزاجی کے اور وہ بے اعتدالیان نہ ہو  
 ہوئیں اور جس غرض سے کہ وہ سرزد ہوئیں۔ اور پھر سوچیں اور ایمان  
 سے اپنے دل کی شہادت لیں کہ اس وقت پیغمبر کی کیا مرضی ہوتی اور  
 پیغمبر حضرت عمر کو مرصا اور شاہ اسٹ کہہ کر ان کی پشت ٹوکتے یا کیا کلمہ  
 ان کے حق میں مونہہ سے نکالتے۔ کیونکہ فاطمہ کے حق میں تو وہ یہ فرماتے تھے کہ  
 فاطمہ بارہ جگر میری ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی  
 اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت  
 دی پس وہ کافر ہے ۷

ذی علم مصنف نے جیسا کہ واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر  
 مصنف کا عندیہ ثانی حضرت عمر کے خلیفہ مقرر ہونے پر بلا تحقیق اپنا عندیہ  
 کی بے اعتدالیوں سے فتنہ ظاہر کیا ہے ویسا ہی یہ ادن کا عندیہ ہی  
 کا و بنا۔ کہ یہ انہیں حضرت عمر کی بے اعتدالیوں

نے اڑھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو اشتم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی  
 وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھرتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں  
 جو آگے چل کر خیاب امیر غریبہ السلام اور امیر معاد یہ میں واقع ہوئیں ۷

ذی علم مصنف کو پہلے یہ ملے کرتا تھا کہ وہ فتنہ کیا تھا جس کو حضرت عمر  
 کی بے اعتدالیوں نے دبا دیا؟ اور وہ فتنہ کس نے اڑھایا تھا؟ اول فتنہ



کو تحقیق کر لیا جاوے تب اس پر کوئی رائے دی جاسکتی ہے کہ آیا حضرت عمر کی  
بے اعتدالیوں نے اس فتنہ کو دبا دیا۔ یا اس فتنہ کو مضبوط اور مستحکم کیا۔

مقصود فتنہ جسکو حضرت عمر کی ظاہر ابہ معلوم ہوا ہے کہ ذی علم مصنف  
بے اعتدالیوں نے دبا دیا۔ حضرت ابو بکر کے لفظ خلافت کی مخالفت

کو فتنہ جانتے ہیں اور علیہ السلام نے اپنی ہاشم اور اون کے ساتھیوں کو جو خانہ فاطمہ میں  
حضرت ابو بکر کی خلافت پر مخالفت کا مشورہ کرتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ علیہ السلام  
کو خلیفہ قبول کریں اور ان کو فتنہ بردار سمجھتے ہیں۔ اور یہ اون کے ذہن میں ہے کہ  
حضرت عمر کی بے اعتدالیوں نے اسی مخالفت کو جو فتنہ تھا دبا دیا۔ لیکن باعتبار  
واقعات تاریخی کے جس پر مصنف نے توجہ نہیں کی ایسا نہیں ہے۔

فتنہ کیا تھا؟ بعد وفات پیغمبر اور قبل دفن پیغمبر معاملہ خلافت کے متعلق

جو امر کہ پیش آیا حقیقت میں وہ فتنہ تھا۔ جاسکتا ہے کہ بعد دفن پیغمبر معاملہ  
خلافت کے متعلق جس کسی کو جو کچھ خیال تھا وہ مجمع تمام صحابہ اور اکابر مسلمان  
کے ہمیش ہو کر طے کیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ ابتداء فتنہ کے  
برپا ہونے کی یہ ہرلی کہ انصار نے سقیفہ نبی ساعدہ میں جمع ہو کر امر خلافت کو  
اپنے حق میں قائم کرنا چاہا حضرت عمر اور حضرت ابو بکر نے وہاں پہنچ کر اس فتنہ  
کو اس بنا پر تو نہ روکا کہ بعد دفن پیغمبر کے جس وقت کہ تمام صحابہ اور اکابر مسلمان  
جمع ہوں اس وقت معاملہ خلافت کو طے کر لیا جائے بلکہ نزاع امر خلافت کو  
اپنی ایک سمت مخالف انصار کے قائم کر کے اور حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنا کر فتنہ برپا  
کیا۔

در اصل معاملہ خلافت میں نزاع برپا کرنا فتنہ ہے۔ حضرت ابو بکر کے خلیفہ  
مقرر ہونے کو نہ تسلیم کرنا یا ان کے لفظ خلافت پر مخالفت کرنا فتنہ نہیں ہو سکتا۔



خصوص علم تفسیر اور نبوہاشم اور ادون کے نایید کرنے والے اور یہ چاہتے والے  
کہ علم تفسیر کو خلیفہ قبول کریں کہ جن کے بیان امارت قریش مدت سے چلی آتی تھی  
اور علم تفسیر میں خلیفہ ہونے کی قابلیت ہر طرح تسلیم ہو چکی تھی اطلاق فتنہ پروازی کا  
ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔

اسی لئے میں شروع سے یہ کہتا چلا آیا ہوں کہ ذی علم مصنف کو پہلے یہ  
صاف طے کرنا تھا کہ پیغمبر نے علم تفسیر کے لئے اختلاف نہیں کیا یا علم تفسیر کے خلیفہ  
ہونے کے لئے منشاء پیغمبر کا نہیں تھا۔ یا علم تفسیر حق خلافت پیغمبر کا نہیں رکھتے  
تھے یا ادون میں خلافت کی قابلیت نہیں تھی۔ اور حضرت عمر نے جو حضرت ابو بکر کو خلیفہ  
مقرر کیا وہ صحیح اور برحق تھا۔

جب تک یہ امور صاف طور پر طے نہ ہوں تب تک علم تفسیر اور نبوہاشم اور  
ادون کے ساتھی جو خانہ جناب فاطمہ میں واسطے مشورہ کے حضرت ابو بکر کی مخالفت  
پر اور علم تفسیر کے خلیفہ قبول کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے نہ وہ فتنہ پرواز قرار پاسکتے  
ہیں نہ ادون کے اس امر کو فتنہ کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ

در اصل وہ مشورہ واسطے قائم کرنے امر حق کے قرار بادے گا جس میں  
نزاع کرنے والوں نے فتنہ اڑھایا تھا اور اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے وہ مشورہ تھا  
اس بنا پر حضرت عمر کے لئے بے اعتدال بیان واسطے دبانے فتنہ کے نہیں سمجھی  
جاسکتی بلکہ واسطے اس حکام فتنہ کے قرار باقی ہیں۔

علم تفسیر نے حملہ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ نبوہاشم کی سازشیں تھیں۔  
کیونکہ کیا؟ بلکہ مخالفت حضرت ابو بکر کے خلیفہ مقرر ہونے پر اگر اس حیثیت

سے قائم رہتی کہ حضرت ابو بکر سے مقابلہ اور مقابلہ کیا جائے تو اسی وقت جماعت اسلامی  
کا شیرازہ بکھرتا اور وہ فائز جنگیان مسلمانوں میں برپا ہو جاتیں جس کا نتیجہ بیزاری



اور براہوی اہل اسلام کے کمازہ تھا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی وجہ سے علیمہ تفسیر نے کہ جن کے دیگر بنو ہاشم تابع تھے اور سوائے بنو ہاشم کے دیگر مہاجر صحابہ اور مسلمان اہل بیت کے ساتھ تھے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت میں غلہ بنین ڈالا اور اہل بیت کو اہل بیت کی حالت پر چھوڑا جیسا کہ علیمہ تفسیر نے ایک مقام پر مقابلہ سے ساکت رہنے کی یہی وجہ ظاہر فرمائی ہے اور دوسرے مقام پر یہ فرمایا ہے کہ میں مدت تک سوچتا رہا کہ آیا میں حاکم کروں یا امر خلافت کے متعلق جو اندام دہندہ کیا ہے اس پر صبر کروں، اور بالآخر رائے صبر کی قرار پائی۔

علیمہ تفسیر کے عدم حاکم کے نتائج | حقیقت میں علیمہ تفسیر نے جو اپنی مخالف

خلافت پر حاکم بنین کیا اور اس خلافت کی برداشت کی۔ یہ صبر و سکوت اہل بیت کا دلالت کرتا ہے اس پر کہ وہ معصوم تھے اور کوئی خطا ان سے سرزد نہیں ہو سکتی تھی۔ اہل بیت کے ایسے صبر و سکوت نے مسلمانوں پر احسان عظیم کیا اور عموماً دین اسلام کو تباہ و برباد ہونے سے بچالیا۔

یہ امر نہیں ہے کہ حضرت عمر کی بے اعتدالیوں نے اس مخالفت کو جو بنی ہاشم کے خلیفہ مقرر ہونے پر تھی دبا دیا۔ نہ حضرت عمر کی تند مزاجی یا کوئی بے اعتدالی مخالفت بنو ہاشم کو دبا سکتی تھی۔ بلکہ خود علیمہ تفسیر کی رائے۔ مخالف خلافت پر حاکم کرنے کی نہیں ہوئی۔ اور یہی مناسب سمجھا کہ مخالف خلافت کو اس کی حالت پر چھوڑا جائے تاکہ دین اسلام اور قومی سلطنت مسلمانوں کی محفوظ رہے۔

اگر بنو ہاشم کی مخالفت کو حضرت عمر کی تند مزاجی کے حرکات اور اہل بیت کی بے اعتدالیان دبانے والی ہوتیں تو تاریخ اسلام میں مذکور ہوتا کہ خلیفہ حضرت عمر سے تیز مزاجی کے حرکات اور اہل بیت سے بے اعتدالیان سرزد ہوئیں اسی وقت بنو ہاشم نے اطاعت حضرت ابو بکر کی قبول یا اہل بیت کی ہمت پر بیت کر لی۔



تاریخ اسلام پر جب غور کیا جاتا ہے تو صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر کی  
 علمِ تفسیر کے ساتھیوں میں تیز مزاجی کے حرکات اور بے اعتدالیوں کی  
 نے اودن کا اتباع کیا | بنو ہاشم اور اودن کے ساتھیوں نے کچھ پرواہ نہیں  
 کی۔ بلکہ جب اودن نے خود علمِ تفسیر کی رائے دیکھی کہ مخالف سلطنت پر حملہ نہ  
 کیا جائے اور اوس کو اوس کی حالت پر چھوڑا جائے تب اودن نے اتباع علی  
 مرتضیٰ کا کیا۔ اور حضرت ابو بکر کی خلافت کی مخالفت سے باز آئے۔

کچھ شبہ نہیں کہ علمِ تفسیر نے اپنے صبر و تحمل سے اس وقت، مخالف خلافت  
 کو اوس کی حالت پر چھوڑ کر اوس جنگ سے کہ جو باہم مسلمانوں کے ہوتی ہیں  
 جناب امیر کے عہد میں خانہ اسلام کو تباہی اور بربادی سے بچا لیا۔  
 جنگیوں کے اسباب۔ لیکن جو خانہ جنگیان آگے بلکہ جناب امیر

علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں جیسا کہ ذی علم مصنف کہتے ہیں  
 وہ بے شک صرف درمیان علمِ تفسیر اور حضرت معاویہ کے نہیں، بلکہ علی  
 مرتضیٰ اور بی بی عائشہ اور حضرات طلحہ و زبیر کے یہی اسی سبب سے باہم ہوئے  
 کہ علمِ تفسیر نے جیسے مخالف خلافت کو اوس کی حالت پر چھوڑا تھا اور اوس پر حملہ  
 نہیں کیا تھا ویسا ان حضرات کی خواہش اُسے نفسانی اور طمع خلافت کو نہ ہونے دیا۔  
 بعض نے نکتہ بدعت کر کے اور بعض نے خلافتِ علمِ تفسیر کو قبول نہ کر کے  
 مثل فرزدان و عاملان غسانی جس کا قبول کرنا ہر طرح سے اودن پر لازم تھا مخالفت  
 کر کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے کہ اوس وقت علمِ تفسیر پر رفع کرا اوس فتنہ کا  
 جو حقیقت بغاوت تھی واجب تھا چنانچہ اوس فتنہ کے فرو کرنے میں بمقام  
 بی بی عائشہ اور حضرات طلحہ و زبیر علمِ تفسیر نے کامیابی حاصل کی اور مقابلہ حضرت  
 معاویہ کے فتنہ رفع کرنے میں ذرا کشر باقی رہی تھی کہ حضرت عمر و ماس و زبیر حضرت



حضرت معاویہ کی تدبیر سے اوس وقت جنگ ملتوی ہو گئی اور دوبارہ جنگ کے  
بندوبست میں ملیر تھے۔ فتنے کے سبب کوفہ میں اوس کے زخم سرسبز ہو گئی ریش  
مقدس مخضب ہو گئی جس کا بر سچسپا خدا نے دی تھی۔

لیکن بمقابلہ خلافت ملیر تھے کے جو فتنہ برپا ہوا اوس کی بنیاد وہی فتنہ ہے  
جو سقیفہ بنی ساعدہ میں بشرکت حضرات عمرو ابوبکر برپا اور قائم ہوا تھا۔

اور اوس کے سبب سے ہر کسی کو حوصلہ و جرات ادا غلامت اور اپنے لئے امر خلافت  
کی کوشش کا پیدا ہو گیا تھا۔

حضرت عمر کی جیسی ہی تھی۔ ادھون نے صرف  
کے متعلق جیسی۔ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا کر اوس کے استحکام کی کوشش

بنین کی تھی بلکہ اپنے زمانہ خلافت میں خاندان نبی امیہ کو جو دشمن خاندان بنوت تھا  
بہت تقویت پہونچائی تھی۔ اور ہر حضرت معاویہ کو گورنر شام مقرر کیا جو مذاتہ  
ایک سلطنت تھی۔ اور اپنی وصیت میں ایسے شورے کا بندوبست کیا کہ بعد اوس  
کے سوا حضرت عثمان کے جو کاتب ہی اوس کے استخلاف کی کتابت کے تھے اور کوئی  
خلیفہ نہ ہو سکے۔

جو فتنہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں نزاع خلافت کا برپا اور قائم ہوا تھا اور  
جس کو تدبیر و تدبیر سے مستحکم کیا گیا آخر کار اوس فتنے نے اپنا رنگ کر لیا میں دکھا دیا  
جس میں ابن رسول اللہ اور خاندان رسالت حضرت یزید فرزند حضرت معاویہ  
اور اوس کے اصحاب و انصار کو ماتم سے قتل اور تباہ و برباد ہو کر ذلیل اور فرار ہو گیا۔

حضرت عمر کی پورے کل غلطی یہ حیثیت معاشرہ ملکی کے یہ سخت غلطی کی گئی کہ جس خاندان  
سے مسلمانوں میں نا اتفاقی میں امارت چلی آتی تھی اور اوس خاندان میں رسالت  
آئی اور اوس خاندان کی اوس امارت قدیم کو وسعت ہوئی اوس خاندان



سے سلطنت نکالی جائے اور اس خاندان سے جس خاندان یعنی بنی امیہ کو دشمنی ہو  
اون کو موقع اور تقویت دیکارے۔ بنو ہاشم سے بنی امیہ کو مدت سے اسی امارت  
پر رکبش چلی آتی تھی۔ ابراہی امیہ کی دعویٰ داری امارت، عہد حضرت پیغمبر  
میں چکی تھی پس چاہئے یہ تھا کہ خلافت اسی خاندان میں رکھی جاتی جس خاندان  
میں چلی آتی تھی اور اس کے مخالفوں کو موقع نہ دیا جاتا کہ اون کے جس سے حوصلہ  
بڑھتے۔ اس صورت میں ممکن نہیں تھا کہ باہم مسلمانوں کے کوئی نا اتفاقی ہوتی جس  
نے مذہب اسلامی کی بنیاد سلطنت کو ہلا ڈالا۔

اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں نزاع خلافت کا فتنہ برپا نہ ہوتا اور علیمہ تھے بکبر  
سلم خلیفہ رسول اسی وقت قبول کر لئے جاتے یا جس وقت کہ فتنہ بنی فاطمہ میں  
مشورے ہوتے تھے اور علیمہ تھے چاہتے تھے کہ بلا جنگ لوگ اون کو خلیفہ قبول  
کر لیں اور خود حضرت ابو بکر نے اقالہ خلافت ظاہر کر کے علیمہ تھے کو خلیفہ قبول کرنے  
کا ایما رٹا یہ کیا تھا علیمہ تھے نبی قبول کر لئے جاتے تو یہ کسی کو حوصلہ اوعار خلافت کا  
نہ ہوتا اور خلافت برابر نسل رسول میں چلی آتی اور کوئی خانہ جنگی باہم مسلمانوں کو پیدا  
نہ ہوتی اور دین اسلام جو ٹھہر کر رہ گیا تمام روئے زمین پر شائع و رائج ہو جاتا۔ اور  
بہتوجہ نا اتفاقی معاملہ خلافت کے متعلق باہم مسلمانوں کے شائع ہو گئی ہے وہ اس وقت  
تک رفع نہیں ہو سکتی جس وقت تک بنی فاطمہ میں سے جس زمانہ میں کوئی قابل اور لائق ظاہر  
ہو اس پر کل مسلمان مجتمع اور متفق ہو جاویں جس کی پیشین گوئی حضرت پیغمبر ائمہ الزمان  
مسلمانوں سے نا اتفاقی نہ مانگے ہیں۔ ان وہ نا اتفاقی قبل اس کے کہ کوئی  
دور ہو سکتی ہے۔ بنی فاطمہ میں سے خلیفہ قبول کیا جائے یوں رفع ہو سکتی

ہے کہ کل مسلمان اس امر پر متفق ہو جاویں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا وہ  
غلط تھا اور جہان تک اس کی تقلید کی گئی وہ سب باطل تھا اور خیر نسل پیغمبر



سے جو خلفاء ہو گئے جسکی ابتداء حضرت ابو بکر سے بلکہ اخیر خلیفہ عباسیہ تک ہے اُن کی خلافت اسی حیثیت سے تھی کہ جس پر علم بر تھے یا دیگر ائمہ الہیت نے حملہ نہ کیا یا نہ کر سکے اور اوس میں خلل نہ ڈالا اور نہ ڈال سکے۔ ایسی حالت میں بے شک امید ہو سکتی ہے کہ کل مسلمان متفق ہو کر اپنی پہلوی اور ترقی کا بندوبست کر سکیں جو طریقہ کہ ذی علم مصنف نے اختیار کیا ہے اوس کو باہم سلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے اور اصلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ذی علم مصنف کے قدامت نے جو رنگ جمایا تھا اوس سے زیادہ ذی علم مصنف نا اتفاقی کا بیج بوتے ہیں۔

حضرت عمر کے استخلاف  
ذی علم مصنف مدت خلافت حضرت  
ابو بکر کا ذکر کے حضرت عمر کے استخلاف کی تمہید

یوں شروع کرتے ہیں کہ ”حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں بڑے بڑے کام حضرت عمر کی شرکت سے انجام پائے“ مگر ادن کے لکھنے سے ”الفاروق“ میں یہ کہہ کر دستکش ہوتے ہیں کہ ”ادن کے لکھنے کا اوس شخص کا حصہ ہے جسکو حضرت ابو بکر کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو“

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر کے ساتھ ہر واقعہ تھے اور عموماً کار خلافت کا سر انجام حضرت عمر کی رائے اور سعی سے ہوا تھا۔ لیکن ذی علم مصنف کو حضرت عمر کی ادن راؤن اور کوششوں کا ہی ذکر کرنا ضرور تھا جیسے کہ عہد پیغمبر میں ادن کی راؤن اور سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے تاکہ حضرت عمر کی ادن بڑے بڑے کاموں میں شرکت کی حالت ہی ظاہر ہو جاتی۔ مگر

مالک بن نویرہ کا قتل

ہم انہوں سے دیکھتے ہیں کہ واقعہ مالک بن نویرہ اور ادن کی تمام قوم کا جس کو منکر زکوٰۃ قرار دیا گیا تھا ایسا ہی ہے کہ جہان حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کی بات کو نہیں مانا ہے۔



خالد بن ولید کو حضرت ابو بکر نے سو فتنے کے جوہم مالک بن نویرہ پر پہنچا اور  
 ادھنوں نے ادس کا اور ادس کی قوم کا قتل و قمع کر کے مالک کی زد و برادری میں  
 کو تصرف ہی کیا اور اس کی نسبت حضرت عمر کی جس سے علم تھے ہی متفق تھے یہ رائے  
 تھی کہ خالد واجب القتل اور قابلِ سزا ہے لیکن حضرت ابو بکر نے یہ بڑا کام بغیر  
 شرکت حضرت عمر کے صرف اپنے حق میں رکھا ہے۔

حضرت ابو بکر کا ذاتی بہر ذی علم مصنف اس قدر تہید کے بعد

تجربہ بابت حضرت عمر یہ بیان کرتے ہیں کہ ”حضرت ابو بکر کو اگرچہ مدتوں

کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمر کے سوا اور کسی سے ہو

نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب ادھنوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لئے

اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔“

اگرچہ ذی علم مصنف نے حضرت ابو بکر کے مدتوں کے تجربہ کو تفصیل

سے بیان نہیں کیا لیکن ظاہر ہے کہ وہ تجربہ عہدِ پیغمبر میں یا بعد وفات پیغمبر

اپنے دو سالہ زمانہ خلافت میں ہوا ہوگا۔ مگر عہدِ پیغمبر میں حضرت عمر کے کسی کارنامے

کرنے کا کوئی نشان نہیں ملتا جس سے ذی علم مصنف حضرت ابو بکر کے تجربہ کے

قائل ہوئے ہیں۔ اخیر کسی نشان کے ذی علم مصنف کا عندیہ صحیح یا نہیں ہو سکتا۔

پیغمبر کا تجربہ مدتِ العمر اسی موقع پر میں اس تا سفا ظاہر کرنے

سے باز نہیں رہ سکتا کہ ذی علم مصنف نے اپنا یہ حندیہ تو ظاہر کیا کہ ”حضرت ابو بکر

کو مدتوں کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمر کے سوا کسی اور

سے ادھتہ نہیں سکتا، لیکن اس تحقیق سے گریز کیا کہ پیغمبر کو ہی کسی کی نسبت

اپنے تجربہ مدتِ العمر سے ایسا یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں سوائے اسی

کے اور کسی سے نہیں ادھتہ سکے گا؟ اور آیا حضرت ابو بکر ہی اس تجربہ پیغمبر



کے آگاہ ہو گئے تھے یا نہیں؟۔

البتہ بعد وفات پیغمبر، حضرت ابو بکر کو بیشک

حضرت ابو بکر کا حضرت عمر کی بابت ایک خاص یقین

اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ حضرت عمر کی

شخص بن کہ گو پیغمبر کا عمل اور مرضی کچھ ہی ہو حضرت عمر جس کسی کو جاہلین خلیفہ بنا سکتے ہیں اور اسی مرضی کے موافق خلافت کا بار گران کسی کے دوش پر رکھ کر اوس کو جس طرح جاہلین جلا سکتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے تجربہ کا یقین حضرت عمر کی نسبت حضرت ابو بکر کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت ابو بکر کو یقیناً غیر مترقبہ بار گران خلافت کی، حضرت عمر کی بابت سے نصیب ہوئی تھی اور اس بار گران کو حضرت عمر ہی نے حضرت ابو بکر کے دوش مقدس پر رکھا تھا اور اسی کام خلافت حضرت ابو بکر کے لئے جو تدریس اور تشریح حضرت عمر نے کی ہیں وہ سب حضرت ابو بکر کے انکہ کے سامنے تھیں۔ اس لئے حضرت ابو بکر نے اسی کا بدلہ یہ کرنا چاہا کہ اسی نسبت خلافت کے بار گران کو حضرت عمر کے سپرد رکھ دیں۔ عطایت بہ نفایت، گو حضرت عمر کی اوس عطائیں یہ دانی تھی کہ ایسے ابتدائی معاملہ میں سچے دعوے دار کی طرف سے اگر حملہ ہو تو اوس کا صدر حضرت ابو بکر کی جان کو پہنچے اور حضرت عمر اوس صدر سے محفوظ رہیں۔

ذی علم مصنف حضرت ابو بکر کے مشورہ

اکابر صحابہ کی رائیں

اکابر صحابہ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے

حضرت عمر کے اختلاف پر

پسے عبد الرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا اور انہوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے، حضرت ابو بکر نے دناؤ اور ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا جب کام اور نہیں پر آپ سے گاتو وہ خود بخود نرم ہو جاوین گے۔

پھر حضرت عثمان کو بلا کر پوچھا اور انہوں نے کہا میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں، جب اس بات



کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو بعضوں کو تر و دہوا  
 چٹا پنچہ طلبی نے حضرت ابو بکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ  
 کیا براؤ تھا اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے آپ خدا کے ان ہلاتے  
 یمن یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت ابو بکر نے کہا میں خدا سے کہوں گا  
 کہ میں نے تیرے بند و نپہر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب  
 سے زیادہ اچھا تھا۔

بنی ہاشم مشورہ کے لئے ہنین بلائے گئے | ذی علم مصنف کی تخریج سے ظاہر ہے کہ انکا  
 صحابہ جن سے حضرت ابو بکر نے مشورہ کیا وہ ہی شخص  
 سمجھے گئے عبد الرحمن بن عوف، عثمان بن عفان، جود و نون آپس میں خالازادہ ہوا  
 تھے۔ اور حضرت طلحہ کو مشورے کے لئے حضرت ابو بکر نے ہنین بلایا تھا، وہ خود  
 حضرت ابو بکر کی تجویز استخلاف پر جو حضرت عمر کے لئے تھی اعتراض اور شکایت  
 کرنے لگے تھے۔ افسوس ہے کہ حضرت ابو بکر نے علمبرقے یا حضرت عباس یا کسی  
 اور بنی ہاشم کو مشورے کے لئے نہ بلایا۔ اس وقت تو وہ لوگ پیغمبر کی تجویز و تکفیز  
 میں مصروف ہنین تھے۔ ادن کو نہ بلائے جانے پر سلمانوں کو غور کرنا چاہی  
 کہ اذکوالیہ امیر عظیم کے مشورے کے لئے کلبوں نہ بلایا۔ ۱۹

اکابر صحابہ کی آراء کا نتیجہ | یہ امر بھی تعجب سے خالی نہیں ہے کہ سوا

حضرت عبد الرحمن بن عوف و حضرت عثمان بن عفان کے اور کوئی بھی ہنین بلایا گیا  
 حالانکہ اور اکابر صحابہ ہی موجود تھے تاہم جن دو اکابر صحابہ سے حضرت ابو بکر نے مشورہ کیا  
 اون میں سے عبد الرحمن بن عوف نے جو حضرت عمر کی قابلیت جب سے قبول کی ہے وہی  
 ہی ادن کی سخت مزاحمت اور حضرت ابو بکر نے ہی ادن کی سخت مزاحمت کو تسلیم کیا اگرچہ  
 یہ اسد ظاہر کر کے کہ وہ نرم ہو جاویں گے اور حضرت طلحہ نے جو اعتراض



حضرت ابو بکر کی رائے پر اور شکایت بڑا اور حضرت عمر کی کی جس کا جواب حضرت ابو بکر نے اپنی  
عذریہ سے دیا ہے وہ یہی خلاف حضرت عمر کے ہے۔

ان راؤن کو جب جمع کیا جاوے تو غلبہ آرا اسی پر ہوتا ہے کہ سخت مزاجی کو  
سبب سے حضرت عمر الباقی اختلاف کے نہیں تھے۔ اور حقیقت میں یہی سخت مزاجی  
کا وصف ایسا ہے جو قابلیت خلافت کو اگر دوسرے اوصاف ہوں یہی ملنے والا ہے۔  
حضرت عثمان کی رائے بلا شک حضرت عثمان کی تنہا ایسی رائے  
کی حقیقت۔

ہی کہ جس میں کوئی عیب حضرت عمر کا ظاہر نہیں کیا  
گیا مگر جب یہ فرمانا اون کا کہ ہم لوگوں میں حضرت عمر کا جواب نہیں، بمقابلہ ارشاد  
پیغمبر کے جو علی رضی اللہ عنہ کی قابلیت کی نسبت صادر ہوئے ہیں دیکھا جائے تو لا جواب ہی۔  
بہر حال جو کچھ ہو حضرت عمر کے اختلاف کے لئے مشورے میں صرف ایک

رائے تھی اور یہ درجہ اوس سے بھی کم تھا جو حضرت ابو بکر کے لئے سیفہ نبی سا عدہ میں  
اختلاف حضرت عمر سر اجماع  
مخالفت صحابہ۔  
اختلاف کے متعلق اختلاف اور اعتراض صحابہ

کو بہت نرمی سے دکھایا ہے ورنہ کتب تواریخ اسلام میں اس واقعہ کو تصریح سے  
لکھا ہے اور اوس سے ظاہر ہے کہ جس درجہ پر کہ حضرت عمر کے مزاج میں شدت  
ہی اسی شدت سے مجمع صحابہ نے مخالفت کی ہے۔ بعض روایتوں میں وقت  
بخویر حضرت ابو بکر کے اور بعض میں بعد تحریر کے وہ مخالفت چمک رہی ہے اور یہ  
ظاہر ہوتا ہے کہ سوائے حضرت عثمان کے کوئی صحابی بھی حضرت عمر کے اختلاف پر  
راضی اور متفق نہیں تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر نے کسی کے سخن کو نہیں مانا اور انہوں  
نے وہی ضد اور بڑا اور حضرت عمر کے اختلاف میں کیا جو حضرت عمر نے اون کے غلبہ مقرر  
ہوئے وقت سے سیفہ میں کیا تھا جو درحقیقت ان کو بدل کر نامعقد و تھا۔



حضرت عمر کے استخلاف پر علیم رضی  
 کا حضرت ابو بکر پر تعجب -

کو بعینہ آگاہ کئے نہیں رہ سکتا ہوں۔ وہ حضرت ابو بکر کی نسبت فرماتے ہیں: ”  
 اقالہ یعنی دایسی خلافت اپنی حیات میں کراتا تھا اور منعقد کر گیا دوسرے کے لئے  
 بعد اپنی وفات کے جس میں سخت تعجب کا امر یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو لایق خلافت  
 کے اپنی زندگی میں نہ سمجھے اور خلافت کو واپس کر دے وہ اپنی وفات کے بعد  
 دوسرے کا استخلاف کرے۔ یعنی ایک شخص قبول کرتا ہے کہ میں مستحق ایک چیز کا  
 نہیں ہوں پہر وہ سوائے حق دار کے دوسرے کو کیسے حوالے کرتا ہے؟ کہ وہ ایسی  
 حوالے کرنے کا مجاز نہیں ہے۔“

استخلاف حضرت عمر غلط تھا | ایسی حالت میں یہ امر سب قابل غور کے

ہے کہ حضرت ابو بکر نے کر اپنے آپ کو قابل خلافت اور اس کا مستحق نہیں سمجھتے تھے جو  
 حضرت عمر کے لئے استخلاف خلافت رائے صحابہ کے کیا بیکر صحیح ہو سکتا ہے؟ مگر اسی  
 خلیفہ کا کہ جس کا خود تقرر یہی صحیح ہو۔

کیفیت کتاب عہد نامہ | اب وہ کیفیت یہی قابل دیکھنے کے ہے کہ اس  
 استخلاف حضرت عمر | طرح حضرت ابو بکر نے عہد نامہ خلافت بعد نامنظوری

رائے صحابہ کے لکھوایا جس کو ذی علم مصنف اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ: ”  
 حضرت عثمان کو بلا یا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا ابتدائی  
 الفاظ لکھوا چکے تھے کہ خش آگیا حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے  
 لکھ دئے کہ میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں، نہوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت  
 عثمان سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھ کر سناؤ؟ حضرت عثمان نے پڑھا تو بے ساختہ  
 الہ اکبر پکارا دٹھے، اور کہا کہ خدا نکو جزا خبر دے، عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت



حضرت ابوبکر نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں سنائے۔ پھر خود بالا خانہ پر جا کر لوگوں سے جو بیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بیٹائی بند کو خلیفہ بنین مقرر کیا بلکہ عمر کو مقرر کیا کہ تم لوگ اس پر راضی ہو سب فرمنا و اطعنا کہا، پھر حضرت عمر کو بلا کر نہایت سوئرا در مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجائے کام میں آئیں ۷

نوحیت کتابت اختلاف  
کی مفصل حقیقت

افسوس ہے کہ پیغمبر اپنے مرض موت میں ایسے وقت کہ نہ اذ کو بخش آتا تھا نہ بیہوش ہوتے ایسی کتاب لکھنا چاہیں جس کی وجہ سے بعد پیغمبر صحابہ اور مسلمان گمراہ نہ ہو جائیں تو پیغمبر کے فرمانے کو ہدیان کہہ کر اور نزاع کا شور و غل برپا کر کے پیغمبر کی ماتمیر کتابت سے مزاحمت کی جائے۔ اور حضرت ابوبکر اپنے مرض موت میں عہد نامہ خلافت کا لکھوا دیں جبکہ اذ کو بخش بخش آتے تھے اور بیہوش ہو ہو جاتے تھے اور سپر کوئی طرح قدح نہ کیا جائے۔ اور اس عہد نامہ خلافت کا بڑا حصہ خصوص نام حضرت عمر کا جنکے لئے وہ اختلاف ہو حالت غشی اور بیہوشی حضرت ابوبکر میں حضرت عثمان کا تب عہد نامہ اپنے اختیار سے لکھ دین وہ صحیح سمجھا جاوے گو یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ بعد از غشی اور بیہوشی کے حضرت ابوبکر نے اس تجویز کو قبول کر لیا کہ ان کی مرضی کے موافق ہے اور حضرت ابوبکر نے اپنے غلام کی معرفت اس عہد نامہ کو مجمع کو سنوایا اور خود بالا خانہ پر سے لوگوں کو آگاہ بھی کر دیا کہ حضرت عمر کے لئے اختلاف کیا ہے اور لوگوں نے اس کو قبول ہی کر لیا۔ لیکن

اس امر پر کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ ایسے مرض کے ایسے آخری وقت میں جبکہ اس کو بار بار بخش آتا ہو رائے اور ہمسہ نہی صحیح تھا اور ایسے



قرب موت کا کتبہ جائز ہو سکتا ہے مگر عیسے کہ خود حضرت ابوبکر کا خلیفہ مقرر کیا جانا  
 ناگہان بے سوچے سمجھے (فلتہ) حضرت عمر کی طرف سے تھا ویسے ہی حضرت ابوبکر  
 کی طرف سے استخلاف حضرت عمر کا حالت بغیر مجلس میں جبکہ قابلیت فہم کا زوال  
 ظاہر تھا ظہور میں آیا۔ ایسی حالت غشی اور مہوشی مرض موت میں ایسے امر عظیم کا  
 کتبہ لکھا جانا اور مسلمانوں کی قسمت کا ایسے کتبے کا بلع ہونا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون  
 ذی علم مصنف نے اپنے اصول مقررہ  
 مفصل حقیقت کے بموجب حالات متعلقہ واقعہ کچھ بیان نہیں کر  
 سکا کہ حضرت ابوبکر سے ان امور کا واقع ہونا قبول کیا جاسکے۔

حضرت ابوبکر نے جو عہد نامہ غلام کو مجمع کے سنائے واسطے دیا وہ مجمع  
 کہاں تھا؟ آیا وہ مجمع کہیں بازار میں تھا؟ یا حضرت ابوبکر کے دروازہ پر؟ اگر  
 اون کے دروازہ پر تھا تو وہ مجمع کیون ہوا تھا؟ اور غلام جس مجمع میں گیا تھا  
 آیا وہ مجمع اور تھا اور حضرت ابوبکر نے جس مجمع کو مخاطب کیا وہ مجمع اور تھا یا دونوں  
 مجمعے ایک ہی تھے؟ اور خود حضرت ابوبکر اپنی حالت مرض میں تھے دے مکان میں  
 تھے یا اوپر دے مکان میں؟ اگر تھے دے مکان میں تھے تو مجمع میں نہیں آسکتا  
 کہ جب اون کی حالت ایسی تھی کہ اون کو خوش خوش آتا تھا اور بے ہوش ہو جاتا  
 تھے تو وہ مجمعے کے مکان سے اوپر کے مکان میں کیون کر گئے؟ اور اون کو کیا  
 اسانی تھی کہ مجمعے کے مکان سے اوپر کے مکان میں جائیں اور مجمع کو استخلاف کا  
 مضمون سنائیں اور مکان سے نکل کر مجمع کے سامنے نہ آدین؟ اور

اگر اپنی حالت مرض میں وہ بالا خانہ پر تھے تو غلام کی معرفت عہد نامہ خلافت  
 کے مجمع کو شانے کی کیا ضرورت تھی؟ خود آپ سنا دینا یا اونکو آگاہ کر دینا کافی  
 تھا۔ اور پھر یہ بیان کہ بالا خانہ پر جا کر مجمع کو مخاطب کیا کیونکر صحیح ہو سکتا ہی



جبکہ وہ حالت مرض میں وہاں تشریف ہی رکھتے تھے۔ ۱۱  
یہی نہیں معلوم ہوا کہ اس مجمع میں کون کون لوگ تھے جن کو وہ عہد نامہ  
سنایا گیا اور جن سے حضرت ابوبکر مخاطب ہوئے اور جنہوں نے حضرت ابوبکر  
کی تحریر و تقریر کو قبول کیا؟۔ حالانکہ جو ڈیپوٹیشن حضرت طلحہ لیکر اون کی پاس  
گئے تھے اس وقت حضرت ابوبکر کی اس تجویز اور تقریر پر سب لوگ معتز  
اور شکایت کرنے والے تھے۔

کسی بہائی بند کے عدم استخلاف حضرت ابوبکر کا مجمع کے رد بروصحت  
کے بیان کی حقیقت۔ استخلاف کے لئے یہ فرمانا کہ ”میں نے

اپنے کسی بہائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا“ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ پہلے  
کسی شخص نے دین اسلام میں اپنے بہائی بند کے لئے استخلاف کر کے اوسکو  
خلیفہ مقرر کیا تھا یا مقرر کرنا چاہا تھا اور وہ استخلاف اور تقریر خلیفہ کا قبول  
نہیں کیا گیا صرف اسی وجہ سے کہ وہ بہائی بند کے لئے تھا غیر کے لئے نہیں تھا  
اور یہ امر صریح ہے کہ استخلاف اور خلیفہ مقرر کرنے کا بہائی بند کے لئے  
جو بیان حضرت ابوبکر سے پیدا ہوا ہے وہ سوائے پیغمبر کے استخلاف اور خلیفہ  
مقرر کرنے علیحدہ تفسیر کے اور کسی نسبت سمجھا نہیں جاسکتا کہ دین اسلام میں  
اول پیغمبر نے اپنے بہائی چچا زاد کے لئے استخلاف اور اذکو خلیفہ مقرر کیا تھا۔  
پس حضرت ابوبکر کے بیان کا مفاد یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر نے جو استخلاف علیحدہ  
اپنے چچا زاد بہائی کے لئے کیا تھا اور وہ تم نے قبول نہیں کیا۔ میں اپنے کسی  
بہائی بند کے لئے استخلاف اور اس کو خلیفہ مقرر نہیں کرتا ہوں اور خلاف  
پیغمبر غیر شخص یعنی عمر کے لئے استخلاف کر کے اذکو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

حضرت ابوبکر نے جس وجہ کو صحت استخلاف اور تقریر خلیفہ کے



لئے ظاہر کیا ہے افسوس ہے کہ وہ اصول سلطنت کے یہی خلاف ہے، اور ملک  
عرب کے رسم و رواج کے یہی جو اصول سلطنت کے موافق تھا خلاف ہے۔  
اور پیغمبر نے جو اصول سلطنت اور رسم و رواج ملک عرب کے موافق  
استخلاف کر کے خلیفہ مقرر کیا تھا یا کرا چاہا تھا اس کے یہی خلاف ہے افسوس  
ہے کہ اس قدر مخالفتون پر یہی حضرت ابو بکر نے جو استخلاف کر کے حضرت عمر کو  
خلیفہ مقرر کیا وہ صحیح سمجھا جاوے۔

حضرت ابو بکر کے نہایت موثر اور اون نہایت موثر اور مفید نصیحتوں کی  
مفید نصائح کی حقیقت۔

بلا کہ حضرت ابو بکر نے کین جو حضرت عمر کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجائے کام  
آئیں، اگر اون نصائح کو ظاہر کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ حضرت عمر کی قابلیت میں  
کن کن چیزوں کی کمی تھی اور انہوں نے کہاں تک اون پر عمل کر کے اور  
کے فائدہ اٹھایا اور آج ہی سلمان اون نصائح سے متاثر اور مستفیض ہوئی ہیں۔  
درحقیقت یہ فقرہ بمقابلہ اس پسند و نصائح اور وصایا کے ہے جو کتب  
تواریخ اسلام اور اخبار میں موجود ہیں جو پیغمبر نے اپنے قریب زمانہ وفات  
میں علمبر تغئے کو کی تھیں۔

افسوس ہے کہ حضرت عمر نے پیغمبر سے کچھ پسند و نصائح نہیں پائے تھے  
اور وہ محتاج حضرت ابو بکر کے پسند و نصائح کے تھے۔

اگر ذی علم مصنف یہ بھی کہہ دیتے کہ وہ نصیحتیں جو حضرت ابو بکر نے حضرت  
کو کی تھیں وہ وہی نصیحتیں تھیں جو پیغمبر صلعم نے حضرت ابو بکر کو کی تھیں تو وہ  
زیادہ بالاتر اور حضرت عمر کے لئے عمدہ دستور العمل سمجھی جاتیں۔

فارس و شام سے تعلقات عرب خلافت و فتوحات۔ و علم مصنف نے بعد ذکر استخلاف اور



خلیفہ ہو جانے حضرت عمر کے دن کی خلافت اور فوجات کا ذکر شروع کرتے  
سے پہلے یہ دیکھا گیا ہے کہ عرب کو فارس اور شام سے کیا تعلقات تھے۔

اون کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب میں اور عراق میں اپنی اپنی  
حکومتیں قائم کرتے تھے اور ایران نے اون کو اپنا باج گزار بنالیا تھا مگر عرب بغاوت  
کرتے رہتے تھے، اخیر میں بعہد پرویز، ایک لڑائی میں جو امانتی تہیاروں ایک  
عرب کے متعلق ہوئی جس میں رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے فارسیوں کی  
شکست کہانی، لیکن ایران کی حکومت جو عرب پر تھی ادھم بہن گئی تھی۔

رسول اللہ نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے، جو خط ہر وزیر کو  
دعوت اسلام کا لکھا تھا اوس پر اوس نے عامل میں کو لکھا تھا کہ محمد کو گرفتار  
کر کے دربار میں لاؤ۔ ایسے ہی عرب کے چند قبیلے جو شام میں آباد ہوئے تھے  
اویہون نے شام کے اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ بادشاہ کہلانے لگے تھے  
مگر حقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبیدار تھے۔ ان لوگوں نے اسلام  
سے بہت پہلے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اسلام کے زمانہ میں وہ بھی  
مشکین عرب کی طرح اسلام کے دشمن نکلے۔ رسول اللہ نے قبصر روم  
کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو انہیں شامی عربوں نے بزدلہ خط کا مال و اسباب  
لوٹ لیا۔ اور جو خط بصرے کے حاکم کے پاس بھیجا تھا بزدلہ خط کو قتل کر دیا۔  
اوس پر رسول اللہ نے شکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ پھر  
اسامہ بن زید کو سردار لشکر بنا کر بھیجا۔ اسامہ کی روانگی کی نوبت نہیں ہوئی  
ہتی کہ پیغمبر نے انتقال فرمایا۔

جب تعلقات عرب کو فارس اور شام  
کے ساتھ دیکھا جاتا ہے تو وہ سب

فارس اور شام سے تعلقات  
عرب پر رائے۔



ایک ملکی معاملہ نظر آتا ہے اور ہر ملک والا اپنی سلطنت قائم اور برقرار کرنا چاہتا تھا۔ عہد پنجمین جب اسلام قائم اور رائج ہوا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جداگانہ حکومتیں قبائل عرب کی امارت فریش کے ساتھ جس کے امیر حضرت محمد صلعم تھے منقسم ہو کر ملک عرب کی متحد سلطنت قائم ہو جائے۔ یہ سلطنت فکر حضرت محمد صلعم اور عمل علیہ تھے سے جو بعد حضرت محمد امیر انبیاء فریش کے تھے قائم ہوئی۔

آنحضرت کا ارادہ تھا کہ تمام روئے زمین پر ایک مذہب پھیل کر ایک سلطنت قرار پا جائے۔ اور آنحضرت نے اپنی زندگی میں ملک شام اور فارس کی نسبت اپنے ارادہ کو پورا کرنے کے بند و لبت شروع کر دیے تھے لیکن آنحضرت کی موت نے اُن کی زندگی میں اُن کے اس ارادہ کو پورا ہونے دیا۔ اور عہد حضرت عمر میں ملک شام اور فارس فتح ہوئے۔ مہمات کے سر انجام پانے کا ذی علم مصنف نے عرب کے تعلقات شرف کس کو ہو سکتا ہے؟ فارس اور شام کے ساتھ جو اس غرض سے دکھائے ہیں کہ ”عہد پنجمین جن مہمات کی ابتدا ہوئی تھی اور حضرت ابو بکر نے اُس کا پورا کرنا شروع کیا تھا اور حضرت عمر نے انہیں مہمات کا انجام دیا اور اُس کی تکمیل کے لئے وہی اسباب تھے جو عہد پنجمین میں پیدا ہو گئے تھے“ مطلق قابلِ نکتہ چینی کے نہیں ہیں۔ لیکن

اُن مہمات کے سر انجام پانے کا فخر اور شرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے کہ جس کے قوتِ بازو سے سلطنتِ ملکِ عرب کی قائم ہو چکی تھی اور سقیفہ بنی ساء میں اگرچہ ایسی بنیاد ڈالی گئی کہ اُس وقت جمعہ مسلمانوں میں تفرقہ اور باہم مسلمانوں کے جنگ ہو کر سلطنتِ ملکِ عرب اور اُس کے ساتھ دینِ اسلام



تباہ اور برباد ہو جائے۔ لیکن اس شخص نے کہ جس نے اپنے قوت بازو اور اس  
سلطنت کو قائم کیا تھا اپنے صبر و سکوت سے اس قوت مجتمعہ کو برقرار رکھا اور  
اسی شخص کے صلاح اور مشورے کو عمل میں لانے سے شام اور فارس پر فتح  
سندیان حاصل ہوئیں۔

اگر علیمہ تفسیر کے قوت بازو سے سلطنت ملک عرب کی قائم نہ ہوتی یا علیمہ تفسیر سقیفہ  
بنی ساعدہ کے خلیفہ یا اون کے استخلاف والے کے مقابلہ میں قتال کے لئے کھڑی  
ہو جاتے تو قوت مجتمعہ مسلمانوں کی پر اگندہ اور باہم مسلمانوں کے جنگ سی خود  
سلطنت ملک عرب کی تباہ اور برباد ہو جاتی۔ اور عہد حضرت عمر بن فتومات  
شام اور فارس کا موقع ہی نہ ملتا۔ اور نہ اون فتومات کا سامان ہو سکتا کہ  
اسی وقت جماعت اسلامی کا شیا زہ بکھرتا اور وہی جنگ باہم مسلمانوں کے  
شروع ہو جاتی جو آگے بلکہ جناب امیر علیہ السلام کے عہد میں واقع ہوئی۔

علیمہ تفسیر نے جسے عہد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بن قتال بر باکر کے قوت  
مجموعہ مسلمانوں کو نابود نہیں کیا ویسے ہی حضرت عثمان کو زمانہ میں متعلقہ  
قوت مجتمعہ کو قائم رکھا جس سے افریقہ میں غیظہ محمدی حائل ہوئی۔ مگر

بعد قتل ہو جانے حضرت عثمان کے جب علیمہ تفسیر خلیفہ قبول کئی گئی اور بی بی  
عائشہ اور حضرت طلحہ اور زبیر اور حضرت معاویہ نے علیمہ تفسیر سے قتال بر کیا  
(جنگی و عویداری سلطنت کے حوصلہ اور جرات کا ماقد وہی سقیفہ بنی ساعدہ تھا  
کہ جہان غلط اور خلافت اصول خلیفہ اور سلطان قرار دیا گیا تھا) تب وہ قوت  
مجموعہ مسلمانوں کی منتشر ہو کر تباہ اور برباد ہو گئی۔ اور سلطنت ملک عرب ابھی  
زیادہ توسیع اور ترقی نہ کر سکی اور اسی امر نے دین اسلام کا شیوع اور اس  
کی سلطنت کو تمام روسے زمین پر قائم ہونے دیا۔



جہاں کہیں کسی حصہ روئے زمین پر سلطنت مسلمانوں کی اور دین اسلام کی مثل چھوٹے تارے کو چمکتی ہی ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ دین اسلام ایسے بخت اور صحیح اصول پر مبنی ہے کہ وہ قیامت تک کلیتہً کہیں نابود نہ ہوگا جس کی پیشین گوئی بانی اسلام فرمایا ہے۔ ورنہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ایسی بنا ڈالی گئی تھی کہ جس کے اثر سے کچھ تعجب نہیں تھا کہ دین اسلام اور اس کی سلطنت کسی حصہ روئے زمین پر نمودار نہ رہتی۔

حضرت عمر کے زمانہ میں جو فتوحات ہوئیں جن کا سبب فوتِ مجتہد مسلمانوں کو برقرار رہنے و پنا تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کی غلطی کے قبومات کو جس کی وجہ سے تمام روئے زمین پر دین اسلام کے رواج کو، اور اس کی سلطنت کے قائم ہونے کو خطرہ پہنچا۔ رفعِ ہین کر سکتیں۔

ذکر فتوحات عراق

فتوحات عراق کا ذکر شروع کیا ہے اور اس کے بیان میں کہتے ہیں کہ ۲۲ حضرت عمر نے ابو عبیدہ ثقفی کو سپہ سالار مقرر کیا جو صحابی نہ تھے ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ اے صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دو، مافوق میں سیکڑوں صحابہ ہیں اور ان کا افسر ہی صحابی ہے ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ ہم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا لیکن اس شرف کو تم نے خود کہو دیا۔ یہ سب گزشتہ نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی جراتیں وہ افسر مقرر کیے جائیں گے۔ ابو عبیدہ ثقفی کی سرداری کے یہ تجویز حضرت کی ٹھیک تھی جس میں متعلق حضرت عمر کی رائے تھی۔

پہلے پنجہ کا تھا جس کو عہدِ پیغمبر میں حضرت عمر اسی طرح دیکھتے تھے۔ پچھلے نے ہی بعد امتحان ان لوگوں کو جنہوں نے ہمت و استقلال چھوڑ دیا تھا اور لڑنے سے دل جراتے تھے



جس کی خبر قرآن میں ہی ہے کسی مہم پر سردار مقرر نہیں کیا اور اکثر علیمہ تھے گو مقرر  
 مقرر کر کے دوسرے صحابہ کو تابع اور ان کے کیلئے ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر نے اپنے  
 مرض موت میں کہ علی کو اپنے پاس رکھنا منظور تھا ملک شام کی مہم پر اسامہ بن زید  
 کو سردار لشکر مقرر کیا اور تمام بڑے بڑے صحابہ مثل حضرات ابو بکر و عمر و عثمان کو اؤپر  
 کا ماتحت کیا۔ حضرت عمر نے جو غیر صحابی کو صحابہ پر سردار لشکر مقرر کیا ابھہرے اور ان  
 کی نہایت صمیمی تھی جس کا ادنیٰ نہ ہونے مہم پیغمبر میں تجربہ حاصل کیا تھا۔ مگر اس قدر  
 افسوس ہے کہ وہ اپنی ایسی رائے صرف سردار لشکر کے ہی متعلق رکھنے والی تھی۔  
 بعد پیغمبر، جانشین پیغمبر یعنی امیر امارت فریش ہی اسی کو قبول کرنا تھا جو ان اوقات  
 سے منصف تھا جس نے مہم پیغمبر میں کبھی کسی جنگ میں ہمت و استقلال کو بھڑکاتا  
 جنگ سے کراہت، یا جی بڑانا، یا گریز کرنا، یا کجا، جو جنگ میں قبل سر ہو جانے  
 مہم کے پشت کی طرف موڑنے پیر کر ہی نہ دیکھتا تھا اور جو غزوات پیغمبر میں اپنی خدا  
 کے صلہ میں خدا کی طرف سے "کاہنم بنیان مرموص" اور لافتمے کے اسناد بائے ہوئے  
 تھا۔ اور اب ان شخص کون تھا؟ حضرت عمر اس کو خوب جانتے تھے کہ پیغمبر تھے کے کوئی  
 دوسرا نہ تھا۔

پہلی جنگ عراق میں عرب عراق کی جنگ اول میں ایرانیوں سے  
 مسلمانوں کے فرار پر مصنف کا افسوس ان عرب مسلمانوں کو شکست ہوئی جس میں  
 عرب مسلمان اس طرح پہلے کہ چل کا راستہ نہ لانا تو دریا میں کود پڑے "اس میں  
 ذی علم مصنف اظہار نہ امت سے بون اشک الی کرتے ہیں کہ "اسلام کی تاریخ میں  
 میدان جنگ سے فرار کرنا ہمت شاد و ذمہ اور وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی الیاد اللہ  
 پیش آگیا ہے تو اس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں  
 کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک غمانہ بدوش بھرتے رہے اور شرم سے



اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے، اکثر رویا کرتے تھے اور لوگوں سے ہوسنہ چلاتے بھرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو انہیں ہلکا ہوا۔ لوگ مسلمانوں کی ہستی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے اور جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں رہنا شروع کرے اور شرم سے باہر نہ نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس کے پاس جا کر ادن کو تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم نے اوجھڑا الیٰ فتنہ، بن داخل ہو لیکن ادن کو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوتی تھی مصنف کے بیان افسوس اور تاریخ اسلام کا زمانہ عہد آنحضرت اشک مالی کی حقیقت اسے شروع ہوتا ہے جس سے عہد حضرت عمرؓ ثابت قریب تھا۔ افسوس ہے کہ ذی علم مصنف واقعہ فرار کا ایسا بیان کریں جسکی صحت مسلمانوں کے دل قبول نہ کر سکیں۔

اسلام کی تاریخ میں خود عہد ہجرت میں میدان جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ و نادر نہیں بلکہ ہر ایسے موقع پر کہ جہان معسر کہ آرائی ہوئی ہے فرار کا واقعہ پیش آیا ہے جیسے اہد خیبر۔ مین، ماکہ عہد ہجرت میں یہی تین موقعے معسر کہ کے پیش آئے ہیں جس میں فرار کا نشان اکابر صحابہ کے سروں پر لہر اٹھا ہے جس کی خبر قرآن میں موجود ہے اور جس میں سے بعض ایسے مقام دور دراز کو چلے گئے ہیں جو تین دن کے بعد حاضر خدمت نبوی ہوئے ہیں۔ اور بعض موقعوں پر جہان مسلمانوں کی حالت محصور یا بنسرتہ محصور کے تھی جیسے خندق اور بدر۔ ادن میں حریف اور دشمن اکابر صحابہ کا نام لے کر پکارتے تھے لیکن کوئی مقابلہ کئے نہیں نکلا ہے کہ جو بنسرتہ فرار کے ہے۔ اگر ان موقعوں پر راہ فرار ملتی تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہی راستہ اختیار کرتے جیسا کہ ادن کی عادت سے آئندہ معسر کون میں ظاہر ہو گیا۔ ان تمام ہر قسم کی جنگوں میں سوائے علیمہ تھے اور چند جانبازوں کے جنگی ذات شجاعانہ سے فتح مند بان حاصل ہوئے ہیں کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہا ہے با اور



نے جنگ سے دل جبرایا ہے۔

مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ جو اکابر صحابہ میدان جنگ سے بہاگ جاتے

تھے وہ پہنچ کر اس کسی نہ کسی وقت آجاتے تھے۔

عہد معینہ اور عہد حضرت عمرؓ کے  
فرایون کی ندامت کا موازنہ سے بہاگ جاتے تھے اور ادن بن کریم

عہد حضرت عمرؓ میں جنگ عراق سے پہلے، البتہ یہ فرق ضرور پایا جاتا ہے کہ وہ پہنچ کر  
کے پاس عود آجاتے تھے۔ اور یہ مدت تک فائدہ بدوش پہرتے رہے اور شرم  
سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے، اکثر روپا کرتے تھے اور لوگوں سے سنہ چایا  
کرتے تھے۔ باقوان کو شرم نہیں تھی، یا ان کو شرم کا بہانہ تھا۔

دوبارہ عربی عیسائیوں مدوسے اس شکست کے بعد حضرت عمرؓ نے نہایت  
عراق پر فتحیابی اور دود واقعہ فاصلہ زور شور سے صولک تباربان کین جس میں

عربوں نے ابراہیم کو شکست دی۔ اس جنگ میں دود واقعے ایسے ہیں جو خاصہ قابل  
نذکرہ ہیں۔ ذی علم مصنف نے ادن کو لکھا ہے لیکن مسلمانوں کو ادسپر توجہ نہیں دلا۔  
پہلا واقعہ قابل توجہ مسلمانان۔ ایک واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی

تباربان کر رہے تھے تب نہرا اور ثعلب کے عیسائی سردار دن بنے جو مذہباً عیسائی  
تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس فوجی معرکہ  
میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سردار دن کے ساتھ ادن کے قبیلے کے  
ہزار دن آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لہر رہے تھے۔

مسلمانوں کو نور گزنا چاہیے کہ عیسائی قوم میں اپنی قوم کے ساتھ کس قدر ہمدرد  
ہے اور وائے ادن مسلمانوں پر کہ جو باہم ایک دوسرے کے مناصب اور عزت  
کے فوائمان ہو کر بنیاد تفریقہ کی ڈالیں اور سچاے ہمدردی کے ایک دوسرے کے



دن کا پیا سا ہو جن کو مذہب نے سب سے زیادہ ہمدردی سکھائی۔ یہ امر بھی  
مسلمانوں کو مد نظر رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں نے اپنے دشمن ابراہیموں کو ایسی حالت  
میں شکست دی جبکہ عیسائی مسلمانوں کے شریک تھے اس زمانہ کے مسلمانوں کو  
چاہئے کہ وہ اس آیت قرآنی کو ہمیشہ زیر نگاہ رکھیں جس میں خدا نے حضرت عیسیٰ کو مخاطب  
کے فرمایا ہے۔

”وَجَاعِلُ الَّذِينَ ابْتَوٰكُفُوفُ الَّذِينَ كَفَرُوا“ اور گردانے والا ہوں میں ادن لوگوں  
اے بوم القیامت۔  
لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا قیامت کے دن تک۔

دوسرا واقعہ قابل غور مسلمانان۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ۔ اس بن ہلال  
جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانیازی سے ٹرانا ہناز خم کہا کر گرا۔ ثمنے نے خود گھوڑے  
سے اونتر کر اس کو گود میں لیا اور اپنے بہائی سعود کے برابر لٹا دیا۔

مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں مسلمانوں کا اخلاق اور بڑا  
کس درجہ پر تھا کہ ایک مسلمان ایک عیسائی کو اپنے بہائی کے برابر جانتا تھا۔

پہر جنگ اور حضرت عمر کے خوشامیگر بعد اس جنگ کے جس میں ابراہیموں  
جنگ ہونے ہونے پر ووٹ۔ کو شکست ہوئی تھی ذی علم مصنف نے یہ

بیان کیا ہے کہ ”یزدگرد کی تخت نشینی سے سلطنت میں نئے سرے سے جان آگئی  
اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ماتہ سے نکل گئے۔ اس پر حضرت عمر نے بڑے  
سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں اور حضرت علی کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد  
کئے اور مدینہ سے تین منزل پر خمیہ زن ہو کر لوگوں سے رائے طلب کی عوام نے کہا کہ  
پہر ہم بغیر آپ کے سر نہوگی۔ عبد الرحمن ابن عوف نے کہا کہ اگر شکست ہوئی اور  
آپ کو کچھ صدمہ پہونچا تو پیر اسلام کا خاتمہ ہے۔ اس پر حضرت عمر خود پیش گئے اور



سعد بن ابی وقاص کو بھیجا۔

**حضرت عمر کا حضرت علی کو کار و بار خلافت سپرد کرنا۔** صرف اسی موقع پر نہیں بلکہ جب حضرت عمر

بیت المقدس کو واسطے مسر انجام صلح کے گئے ہیں تب ہی خود ذی علم مصنف نے لکھا ہے کہ ”حضرت علی کو نائب سفر کر کے خلافت کے کار و بار ادا کرنے کے سپرد کئے۔“ اور عموماً اس کی دہر کے بعد ہی ذی علم مصنف نے لکھا ہے کہ ”دہر کی وجہ سے فتوحات کا سہلاب رک گیا حضرت عمر نے شام کا قصد کیا اور حضرت علی کو مدینہ کی حکومت دی۔“

مگر افسوس ہے کہ جب وقت حضرت عمر نے سفر آخرتہ کیا ہے تب ادھنون نے علیمہ تفسیر کو کار خلافت سپرد نہیں کیا اور اتخلافت کے لئے ایسا شورائے قرار دیا کہ جس میں علیمہ تفسیر کے ماہرین کا کار خلافت نہ آسکا۔

**حضرت عمر کو ہم ابران پر نہ جانے کی صلاح کس نے دی** اس نے دی تاریخ اسلام میں، میں یہ باتا ہوں کہ ہم ابران پر جب حضرت عمر نے اپنے جانے کا مشورہ کیا ہے تو علیمہ تفسیر نے دہرائے حضرت عمر کو دی ہے جو ذی علم مصنف نے عبدالرحمن ابن عوف کی طرف منسوب کی ہے اور علیمہ تفسیر کی اسی رائے کو بخلاف رائے دوسرے اہل الرائے کے حضرت عمر نے مانا ہے لیکن ذی علم مصنف نے عراق عجم کی ہم پر قبول کیا ہے کہ ”سب کی رائے کے خلاف حضرت علی نے یہ رائے دی کہ شام، اور بصرہ اور یمن، کو ایک ایک ٹلٹ فوج بھیج دیجادین اور آپ مدینہ سے یمن اور اسی را کو حضرت عمر نے قبول کیا۔“

اسی جنگ میں ذی علم مصنف نے مسلمانوں کا عراق کو فتح کر لینا



فتح عراق کے مال عنمت میں ایوان بیان کیا ہے اور منجملہ عنمت کے ایوان کسے  
کسے کافرشن بہار سے جو فرش بہار مانتا آیا۔ جس کے بیسجیز

ایک سبہ کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولین تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں  
میں شگونے، اور پھول اور پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تہا زرو جواہرات کا تھا۔ یعنی  
سونے کی زمین، از سر و کا سبہ، بکھرا ج کی جدولین، سونے چاندی کے درخت،  
حریر کے پتے، جواہرات کے پھل، جو اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا  
موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹیکر شراب پیتے تھے۔ اس کی نسبت ذی علم مصنف  
یہ رقم طراز ہیں: "قرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود  
حضرت عمر کا ہی یہی منشا تھا لیکن حضرت علی کے اصرار سے اس بہار پر ہی خزان  
آئی اور دولت نوشیر دانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔ بورپ کے موجودہ مذاق  
کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانہ کا مذاق جدا ہے۔ وہ معتدل  
زمانہ جبہن زفارت دنیوی کی عزت نہیں کجاتی تھی دنیاوی بادگار دن کی کیا پروا  
کر سکتا تھا؟"

فرش بہار کی تقسیم میں عالمی تفسیر | گمراہی کے مذاق کا جواب صرف  
پر حسد کی حقیقت۔ | تقدس زمانہ نہیں ہے بلکہ زمانہ میں تقدیر

جن امور سے پیدا ہو جس سے مراد یہودی سلطنت و قوم ہے وہ بورپ کے  
کا جواب ہے۔ بورپ کے مذاق کا مار صرف اسی خیال پر ہو سکتا ہے کہ ایسی  
بادگار خاندانہ دولت کسے کا نام رکھنا چاہئے تھا لیکن ایسے چاندی سونے  
کے فرش فروش جواہرات ٹکے ہوئے یا اینٹ پتھر کی عمارات ہمیشہ باقی نہیں  
رہ سکتیں۔ حوادث زمانہ ان کو خود بخود نیست نابود کر دیتے ہیں ایسی چیزوں  
کی بادگار صفحہ روزگار پر اسی حالت میں باقی رہتی تھی اس وقت تک



جب تک کہ نسل انسانی اور ادبہن علم اور فن تاریخ باقی رہے گا جس حالت میں  
 کہ ایسی چیزوں کے بنانے کی وجہ اور ادس کے باقی نہ رکھنے کی رائے اور ادس  
 پر جو فائدہ مرتب ہو زمانہ اپنے ورق بیل و نہار پر ہی روشن حروف میں لکھ دیا جائے۔  
 فرش بہار کی وضع صرف تفریح اور سامان عیش و نشاط پر تھی جس سے  
 شان و شوکت دولت کسرے نمودار ہوتی تھی لیکن ایسے ہی سامان عیش و نشاط  
 سلطنت اور بادشاہ در عیال کے لئے جبکہ وہ ادس میں مبتلا ہو جاتے ہیں باعث  
 خرابی اور زوال کا ہوتے ہیں ایسی سلطنت اور ادس کے ارکان کے دل و  
 دماغ قابل سلطنت داری کے نہیں رہتے ہیں۔

ایسی دولت کے تقسیم کر دینے سے وہ اصول قائم رہتا ہے جس کی  
 رو سے دولت ایک جگہ جمع نہ رہے کہ جس سے کوئی فائدہ ملک کو نہیں پہنچ  
 سکتا جب ایسی دولت اہل ملک پر تقسیم ہو جاتی ہے تو بے انتہا ادس سے فائدہ  
 ہوتا ہے اور ملک میں اسباب ترقی قوم کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی جب  
 کوئی سلطنت یا ادس کی قوم یا بادشاہ عیش و نشاط مصروف ہو جاتے ہیں تب  
 دوسری قوم جو عیش و نشاط میں مصروف نہیں ہوتی اور جب کو ادلی العزم کہلا جائے  
 ہے وہ ادس سلطنت پر تصرف ہو جاتی ہے۔

یہہ فرش بہار اگر خلافت رائے علیم تفسیر کے باقی رکھا جاتا تو ضرور وہ۔  
 دار الخلافہ میں سند نشینی کے لئے اور خلیفہ وقت کی تفریح اور عیش و نشاط  
 کے واسطے کام میں لایا جاتا جس سے مسلمانوں کی سلطنت اور ادس کے بادشاہ  
 میں ابتدائی آثار عیش و نشاط کے پیدا ہو جاتے اور اسی وقت سے نیا و خرابی  
 قائم ہوتی تھی۔ علیم تفسیر سلطنت مسلمانوں اور ادس کے بادشاہ کے عیش و  
 نشاط کے کی طرح روادار نہیں ہو سکتے تھے جو سبب زوال کا ہوتا۔ خود اپنی



چند روزہ اور غیر مستقل خلافت میں بیت المال میں جب کہیں سے مال اگر جمع ہوتا تھا تو اسکو فوراً تقسیم کر کے اور بیت المال میں چھاڑ دلو اگر نماز پڑا کرتے تھے۔

بعد خلافت حضرت عمر کے حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں ابتدا عیش و نشاط کی شروع ہوئی اور عہد بنی امیہ میں اس کو ترقی ہوئی گئی جب اس کا کمال عہد بنی عباس میں ہو گیا تب ترکوں نے کہ جو ایسے عیش و نشاط میں مصروف نہ تھے اسی سلطنت مسلمانوں کو ایک حملہ میں تباہ و برباد کر دیا۔

علمی تفسیر نے جو فریض بہار تقسیم کر دیا تھا وہ جانتے تھے کہ ایسی روپیہ کو مسلمان نہ دیکھیں اور اسی غرض سے اپنے سامنے ادھون نے سامان عیش و نشاط کو قائم نہیں ہونے دیا۔

فردوسی پر شعبانہ اور غلط الزام۔ ذی علم مصنف قتل رستم کا ذکر کر کے یہ افسوس کرتے ہیں کہ یہ واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جو سن کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خرومشے بکردار رعد۔ زبک سوئے رستم زبک سو سعد  
چو دبدار رستم بہ خون تیر گشت۔ جو انمرد تازی بر وچیر گشت  
ہمارے شاعر گو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک نہ تھے۔  
الزام کی حقیقت۔ یہ اشعار ملک الشعراء کے نہیں بلکہ فدائے

شاعران کے ہیں کہ جو فارسی النسل تھا اور مذہباً حضرت عمر کی خلافت کا حامی نہ ہوا  
ہو گیا تھا۔ ایسی ذی علم مصنف نے اس کی کلام پر نکتہ چینی پسند کی ہے۔ لیکن  
وہ نکتہ چینی ادن کی ایسی ہی ہے جیسی کہ ذی علم مصنف کے اس فقرہ پر نکتہ  
چینی ہو سکتی ہے کہ ”سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے“  
مالا کہ خود ذی علم مصنف نے لکھا ہے کہ ”اس ہمس پر سعد سپہ سالار فوج



کے مقرر ہوئے تھے اور وہ فائزہ جنگ تک سہ سالاری فوج کی کرتے رہے  
 ہیں اور اپنی تجویز اور رائے سے فوج کو لڑتے رہے ہیں البتہ بذاتہ کسی دشمن  
 سے قتال نہیں کیا، سعد کے بذاتہ قتال نہ کرنے کے موقع پر ذی علم مصنف کا وہ  
 فقرہ ہے۔ ایسے ہی عدائے شاعران کا اپنے اشعار میں یہ مقصود ہے کہ ایک  
 طرف رستم سہ سالار رہا اور ایک طرف سعد، وقت جنگ دونوں لشکروں  
 میں خردش رعہ کی مانند پیدا ہوا یعنی ایک طرف لشکر رستم اور ایک طرف لشکر  
 سعد جب جنگ میں مصروف ہوا اور اسی حالت جنگ میں جب رستم فوجیں  
 الیا غرق ہو گیا کہ اس کو کوئی پہچان نہ سکے ایک عرب مرد نے اس کا کام نام  
 کر دیا، اس میں کسی واقف کی لاعلمی کا الزام اس شاعر پر نہیں آسکتا۔ وہ بی  
 شک نہیں جانتا تھا اور کوئی بھی نہیں جانتا تھے کہ جو ذی علم مصنف کہ سعد  
 اس واقعہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے، اور شاعر نے وہ واقعہ کچھ ہی  
 غلط نہیں لکھا ہے۔ جبکہ وہ شاعر مسلمان اور قوم مسلمانوں میں داخل تھا  
 تو اس کو رستم یا ایرانیوں سے حالت غیر اسلام کے زمانہ پر خیال کر کے قوی  
 جوش پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ ذی علم مصنف نے شاعر کے مذہب پر جو  
 مخالف حضرت عمر کے تہا نظر کر کے محض غلط لکھتے چینی کی ہے۔

فتوحات شام جنگ یرموک ذی علم مصنف اس جنگ کے بعد  
 میں بذاتہ حضرت عمر کے جانے فتوحات عراق کا حاتمہ کر کے فتوحات  
 نہ جانے پر راین۔ شام کا ذکر کرتے ہیں۔ اور یرموک

کی لڑائی میں جب حضرت عمر کو یہ خبر پہنچی ہے کہ رومی بجزوہ سے ادلی  
 پڑے ہیں اور بڑے جوش سے حملہ کے لئے آتے ہیں اس موقع پر ذی علم  
 مصنف لکھتے ہیں کہ ”حضرت عمر سے عبد الرحمن بن عوف نے کہا، امیر المؤمنین



نہ خود سپہ سالار بن اور ہکو ساتھ لیکر چلے لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے افضل  
کیا اور رائے یہ تھی کہ اور اندادی فوجیں بھی جائیں۔

علم تفسیر کی رائے پر  
حضرت عمرؓ نے عمل کیا

حضرت عمرؓ نے جس وقت اس مہم پر  
خود جانے کا مشورہ صحابہ سے کیا ہے۔ خود اون کے  
نہ جانے کی رائے علم تفسیر نے دی تھی اور یہ فرمایا ہے کہ جب تم جاؤ گے دشمنوں  
کی طرف، اور اون سے مقابل ہو گے، اور تم کو کوئی صدمہ پہنچ جائے گا تو  
مسلمانوں کی، اخیر کفار تک کوئی پناہ نہ ہوگی، اور کوئی مرجع مسلمانوں کے لئے  
نہیں ہوگا، پس دشمنوں کی طرف کسی جنگ آزمودہ کو بھیج دو اور اس کے  
ساتھ تجربہ کار اور مخلصین کو کر دو۔ اسی رائے کو حضرت عمرؓ نے پسند اور اسی  
رائے پر عمل کیا ہے۔

ذی علم مصنف نے جو اس موقع پر علم تفسیر سے نام کو چسپایا ہے  
اوس پر ہر ایک مسلمان کو غور کرنا چاہئے کہ ذی علم مصنف نے ایسی رائے دینے  
والے نام کو جس کو حضرت عمرؓ نے پسند اور اوس پر عمل کیا ہے کیون چسپایا۔ ۹۔

فوتات شام سلمہ کے واقعات میں  
حضرت عمرؓ کی مغرولی اور  
حضرت عمرؓ الزام

واقعہ ہے جیسا کہ ذی علم مصنف کہتے ہیں۔ فوتات شام میں حضرت خالد کی  
جو ریسرٹہ کوشش ہوئی جن سے ملک شام پر کامیابی حاصل ہوئی اور ان کا مغرول  
کیا جانا مورخین کی نگاہ میں البتہ استبداد ہے کہ جس سے حضرت عمرؓ کی طرف  
جنہوں نے اون سے تمام خدمات فوتات کے کر مغرول کیا مثل غاؤل اور غریق  
بادشاہ کے دیکھا نہیں جاسکتا۔ ذی علم مصنف نے بہت کوشش کی ہے  
کہ اس مغرولی کا عجب حضرت عمرؓ کے ذمہ قائم نہ ہو اور اپنی کوشش کے اخیر



میں یہ کہا ہے کہ ان واقعات سے ایک نکتہ میں شخص باسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد  
کی مغزولی کے کیا اسباب تھے اور او میں کیا مصلحتیں تھیں؟

حضرت عمر سے دفع الزام کے | اول خود ذی علم مصنف قبول کرتے ہیں  
لئے تاویلین۔ | کہ عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر

نے عمان خلافت باہتر میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی مغزولی تھی۔  
ابن الاثیر پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے خود ہی سلسلہ کے واقعات میں  
خالد کا مغزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی سلسلہ کے واقعات میں او کی مغزولی کا الگ عنوان  
قائم کیا ہے۔ یہ تو علم مصنف بہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ حضرت عمر خالد کی بعض اہل بیت  
کی وجہ سے موت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت میں ان کی کچھ لغزش کرنا نہیں چاہا۔

حقیقت متعلق تاویل | ظاہر ہے کہ تمام واقعات عہد خلافت حضرت  
اختلاف سنیں | عمر کے ادھی زمانہ میں قلمبند نہیں کئے گئے ہیں بلکہ کسی

سو برس کے بعد ان روایات کے متعلق روایات جمع کی گئی ہیں ایسی حالت میں نہ  
سنہ کے اختلاف کے کسی واقعہ پر شبہ ہو سکتا ہے نہ زمانہ کے اختلاف سے جب کہ  
اصل واقعہ جسکی تحقیق منظور ہو دوسرے واقعات سے ثابت ہو جائے۔

جب کل مورخ متفق ہیں کہ خالد شام کی جنگوں میں معرکہ آرا تھے۔  
سو سلسلہ ہر با عثمان حکومت باہتر میں لینے کے ساتھ مغزول کیا۔ کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟  
مگر حضرت عمر کی نافوشی خالد کے ساتھ باربخون میں زمانہ قبل اسلام اور  
بعد حضرت ابو بکر قصہ مالک بن نویرہ میں اہی طرح ثابت ہے تو مورخین نے بنیاد  
ارادہ مغزولی کو ابتدا زمانہ خلافت میں سمجھ لیا تو ان پر کیا نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔

حضرت عمر حقیقی الزام | اصل الزام یہ ہے کہ جب حضرت عمر کو عثمان  
انتظام باہتر میں لینے کے وقت خالد سے نافوشی تھی اور وہ خالد کو کسی فوجی خدمت



ہر امور کرنا پسند نہیں کرتے تھے تو اوہنوں نے شروع ہی سے اون کو افسر فوج کیوں  
مقرر کیا؟ یا

**خالد پر مصنف کا الزام** جو الزام ذی علم مصنف خالد کی نسبت  
لگاتے ہیں کہ خالد کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہیں پہنچتے  
تھے اور جب اون پر تاکید کی گئی تو جواب دیا کہ حضرت ابو بکر کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا  
آتا ہوں اور اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر کو اون کی یہ خود مختاری  
کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بے دریغ کیونکر کسی کے  
ہاتھ میں دے سکتے تھے چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج  
کے مصارف کا حساب ہمیشہ پہنچ رہا ہو خالد نے اس شرط کو نا منظور کیا اور اس بنا پر وہ  
سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کر دیا گیا۔

**خالد پر مصنف کی الزامی تاویل کی حقیقت** خالد کی یہ خود مختاری اور بیت المال پر ولنگ  
اون کے ہاتھ میں ہونا حضرت عمر کو محمد حضرت ابو بکر میں  
ضرور معلوم تھا کیونکہ زمانہ خلافت حضرت ابو بکر کو یہی دراصل زمانہ حکومت حضرت عمر کا  
اہل الرائے نے شمار کیا ہے۔ بس تعجب ہے کہ حضرت عمر نے حضرت خالد کو فتوحات  
شام تک کیون ڈھیل دی؟ اور فتوحات شام میں خالد کی خود مختاری اور بیت المال  
بے دریغ اون کے ہاتھ میں رکھنا کیون گوارا کیا اور روار کہا؟ البتہ حضرت عمر کی  
یہ بالیسی تھی کہ بضرورت فتوحات شام حضرت خالد سے آشتی رکھی جاوے۔ ہمیشہ  
کنز و سلطنت جس کے استحقاق کو قوت نہیں ہوتی اندرون سلطنت کے اقویار  
یا سرکشوں سے ایسا براہ کرتی ہے کہ وہ اقویار یا سرکش و فساداری کے ساتھ زیر  
اطاعت رہیں لیکن جب سلطنت قوی ہو جاتی ہے تو اوہنیں اقویار یا سرکشوں



کو کمزور کیا جاتا ہے۔

یہ علمبر تفسی کی ہی شان تھی کہ جب وہ خلافت کے لئے قبول کئے گئے

تو سب سے پہلے حضرت معاویہ گورنر شام کے عزل کا فرمان جاری کیا۔ یہ انہیں  
سلطان عادل کا طریقہ تھا جو مد سے تجاوز کرنے والوں کو اور جسے بے اعتدال بیان ظہور  
میں آوین اور ان کو ایک لمحہ رکن اپنی سلطنت کا نہیں بنا سکتے۔

حضرت عمر نے حضرت خالد کو گورنر نصب فرمایا

تیسری تاویل و فتح

الزام کی حقیقت سے جدا کیا لیکن جیسا کہ ذی علم مصنف کہتے ہیں ۷۷ اور ان

کو بالکل مغرور بنین کیا بلکہ ابو عبیدہ کے تخت کروا ۷۷

یہی ہی ایک اور طرہ ہے کہ خود مختاری اور بے دریغ بیت المال کی رقم کو ہاتھ میں  
دینے پر ان کی انگلی کی رہے۔

ذی علم مصنف نے اول تو حضرت خالد کی

مغرولی خالد کی چوتھی

تاویل مصنف کی حقیقت سو قوفی اس بنا پر ظاہر کی ہے کہ ادھون نے فوج کو

مصارت ہمیشہ سمجھتے رہنے کو نامنطور کیا ۷۷ بہرہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ۷۷ حضرت  
خالد نے ایک شاعر کو دستہ ارار و پیہ انعام میں دیدیا پر جب نو بیسوں نے اسی قوت  
حضرت عمر کو پر جب لکھا۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گروہ  
سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی دونوں صورتوں میں  
وہ مغرولی کے قابل ہیں ۷۷

افسوس ہے کہ ذی علم مصنف حضرت خالد کی وجہ مغرولی میں عذوبی اخلا

کرتے ہیں اور ادھر ادھر قدم اٹھا کر وجہ مغرولی کو ٹٹوتے پھرتے ہیں۔ اگر وہ حضرت  
عمر کی بخشش کو وجہ مغرولی قرار دیتے تو ان کو یہاں وہاں ہانے میں حیرانی اور  
پریشانی ہوتی۔



شان مغرولی خالد  
سننے کے قابل ہے

ذی علم مصنف جس شان سے کہ مغرولی حضرت  
خالد کی ظہور میں آئی اوس پر ہون تقیر و بشرع کرتے  
ہیں۔ خالد جس کیفیت سے مغرول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ (مین بھی ذی  
علم مصنف سے اتفاق کرنا ہوں کہ خالد جس کیفیت سے مغرول کئے گئے ضرور سننے  
بلکہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔) قاصد نے جو مغرولی کا خط لیکر آیا تھا مجمع عام میں پوچھا  
کہ یہہ العام تنے کہاں سے دیا؟ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر کا حکم ہوتا  
کہ اوس سے درگزر کیا جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد  
نے مغرولی کی علامت کے طور پر اوس کے سر سے ٹوپی اتار لی اور اوس کی تیلی  
کی سزا کے لئے انہی کے عامہ سے اوس کی گردن باندھ لی۔

شان مغرولی خالد پر  
مصنف کی رائے

اس واقعہ کو ذی علم مصنف حیرت انگیز  
ظاہر کر کے یہہ رائے دیتے ہیں کہ ایک ایسا  
بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے  
عراق اور شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح دلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں  
مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت  
ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عجم کی سلطنت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد کی تمام اسلام میں بی نظیر  
سپہ سالار ہونے کی حقیقت

اگرچہ یہہ امر کہ خالد ایسے بڑے سپہ سالار  
تھے جن کی نظیر تمام اسلام میں کوئی  
شخص موجود نہ تھا از حد مباغض ہے۔ یہہ ایسے بڑے سپہ سالار تھے کہ جو معہ اپنے  
رسالہ کے جس بن قبیلہ بنی سلیم کے لوگ تھے جنہیں میں سب سے اول بہا گئے تو  
ان پہ کہنا صحیح ہو سکتا تھا کہ جو افسر فوج اوس زمانہ میں مقرر کئے گئے یا جن جن  
لوگوں نے اوس وقت کام افسری فوج کا قبول کیا تھا اوس میں حضرت خالد



بڑے سپہ سالار تھے۔

حضرت خالد کی نیک نفسی اور  
حق پرستی اور حضرت عمر کے سطوت  
اور جلال کی حقیقت۔

کرتے ہیں افسوس ہے کہ ذی علم مصنف نے اپنی رائے قائم اور ظاہر کرتے  
وقت واقعات متعلقہ پر جو اس واقعہ سے مسلسل بن مطلق غور نہیں کیا زمانہ قبل  
اسلام میں باہم دونوں کے مافوقی تھی اور بعد حضرت ابو بکر حضرت خالد نے  
مالک بن نویرہ کے قتل کے سلسلہ میں جو مالا لائق کارروائی کی تھی اس پر حضرت عمر  
از حد برہم ہوئے تھے اور ان کو واجب القتل قرار دیتے تھے مگر حضرت ابو بکر کی  
حمایت نے اس پر بھی کو چٹنے نہیں دیا تھا اور عہد حضرت عمر میں کاغذات حساب  
دربار خلافت کو نہیں سمجھتے تھے اور حضرت عمر کی تاکید پر حضرت خالد نے صاف انکار  
کر دیا جس کو ذی علم مصنف نے لکھا ہے کہ ”حضرت عمر کو ان کی یہ خود مختاری  
کیونکر پسند ہو سکتی تھی۔ اور بیت المال کی رقم اس طرح بے دریغ بکھونکر کسی کو ہاتھ  
میں دے سکتے تھے“

پھر جب حضرت خالد کو یہ لکھا گیا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے  
مصارف کا حساب ہمیشہ سمجھتے رہو۔ خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا، پھر شاہ کو  
دس ہزار روپے دیدے اور خالد نے اپنی خطا کا اقرار نہ کیا،

ان تمام واقعات سے حضرت خالد کی اذمانی اور سربازی شدت کے ہمت  
بمقابلہ اطاعت حضرت عمر کے ظاہر ہے۔ اگر حضرت عمر کی اطاعت اور ان کے  
احکام کی تسلیم واجب تھی تو حضرت خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی جس حقیقت  
سے کہ ذی علم مصنف ظاہر کرتے ہیں کیونکر قبول کیا جاسکتی ہے۔ اور نہ حضرت عمر کی



سلطنت اور جلالت کا حضرت خالد کے مقابل میں کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جبکہ حضرت خالد برابر مخالفت اور ماذناتی حضرت عمر کی کرتے رہے۔

اسی جگہ سے یہ امر اہی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خالد نے جس کیفیت سے اپنی مغرولی اور ستمیابی کی سزا پر دم نہیں مارا یہ امر کسی اور وجہ سے تھا۔ اگر حضرت خالد حضرت عمر کی اطاعت کو حق جانتے ہوتے اور اوس کے سلطنت و جلالت کو مانگتے ہوتے تو نوبت اپنی مغرولی کی نہ آنے دیتے۔ اور سر تسلیم خم کئے رہتے۔ لیکن ادھون نے قبل مغرولی جو اپنی گردن حضرت عمر کے سامنے نہیں جھکائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہمسر حضرت عمر کا سمجھتے تھے مگر وقت مغرولی کے جو دم نہیں مارا یہ وہی امر تھا کہ جس کو علیم تھے نے قرار دیا تھا یعنی خلافت جس نوعیت سے کہ قائم ہو جائے اور جس ڈھب سے جو کوئی خلیفہ ہوا دوس کی خلافت میں مفاہرت شروع نہ کرنا چاہئے کہ باہم مسلمانوں کے جنگ ہونے سے دین اسلام تباہ ہوتا اور مسلمانوں کی سلطنت تباہ اور برباد ہو جاوے گی۔ اسی طریقہ نے حضرت خالد کو وقت مغرولی اور مغرولی کے بعد سر نہیں اٹھانے دیا۔ چنانچہ حضرت خالد کی تقریر جو ذی علم مصنف نے نقل کی ہے اوس پر غور کرنے سے اہل نظر نتیجہ نکال سکتے ہیں اور جس سے تاہید میرے سخن کی ہو سکتی ہے نہ ذی علم مصنف کی رائے کی۔

حضرت عمر کی نسبت  
خالد کے خیالات

وہ واقعہ تقریر حضرت خالد کا ذی علم مصنف یوں بیان کرتے ہیں کہ "خالد نے حصص پہنچ کر اپنی مغرولی کے متعلق ایک تقریر کی جس میں کہا کہ امیر المومنین عمر نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو مغرول کر دیا، اس فقرہ پر ایک سپاہی ادھٹہ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہ، ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے، خالد نے کہا ان! لیکن عمر کے ہوتے فتنہ کا کیا



کیا احتمال ہے ۱۱۹

## خالد کے خیالات کی تشریح

اس تقریر میں وہ امور نو کہلے کہلے ہیں کہ حضرت

خالد کو حضرت عمر کی اطاعت اور حق اپنی اور اون کے سطوت و جلال کا کس نوع کا خیال تھا مگر اخیر فقرہ نہایت پر مغرور و مہکا ہوا ہے۔ جبکہ ایک سپاہی نے کہا کہ اے سردار چپ رہ ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے خالد نے کہا ان! لیکن عمر کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے؟ جس کے درپردہ معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ خالد حضرت عمر کی اطاعت کو مغرور لی میں مدد و رجحان پسند کرتے تھے اور حضرت عمر کی طرف سے بدگمانی نہیں بلکہ نہایت خراب خیالات تھے اور حضرت خالد یہ بھی سمجھتے تھے کہ سیرے خیالات کے شائع ہونے سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن جہان حضرت عمر میں وہاں فتنہ کا احتمال نہیں۔

سیف الشرقان بہادر کی  
مغروری کی ایک اور وجہ

پہر ذی علم مصنف حضرت خالد کی مغروری

کہ خالد نے حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمر خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں نا انصافی کرتے ہو۔ حضرت عمر نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟ خالد نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ قسم نکلے وہ میں آپ کے حوالہ کر رہا ہوں۔ چنانچہ بیس ہزار روپیہ زیادہ نکلے اور وہ بیت میں داخل کر دے گئے۔ حضرت عمر نے خالد کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالد اللہ تم مجھ کو محبوب ہی ہو اور میں تمہاری عزت ہی کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر تمام عمالان ملکی کو کہہ دیا کہ میں نے خالد کو ناراضی سے باخیزانت کی بنا پر متوٹ نہیں کیا لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اون کے مفتون ہوتے جلتے ہیں اس لئے میں نے انکا مغرور کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ جو کچھ گمراہی خدا کرتا ہے۔ یہ واقعہ اور یہی تعجب افسوس ہے۔ حضرت خالد حضرت عمر پر اپنی مغروری



اس حیرت افروز و بھہ مغرولی  
کی مفصل حقیقت -

مغرولی کے معاملہ میں نا انصافی کا الزام لگاتا  
تھے اور خود اُن کے پاس اُن کے حق سے زیادہ

جو دوسروں کا حق تھا مال غنیمت نکلا۔

حضرت عمرؓ نے وقتِ مغرولی قاصد سے وہ بے عزتی خالد کی کرائی جو سر اسر ملا  
اطلاق تھی (یہ غیر ممکن تھا کہ وہ بے عزتی خالد کی خود قاصد نے بغیر ہدایت حضرت عمرؓ کے اپنی  
طرف سے کی ہو) اور خالد سے فرمایا یہ کہ دالثر تم مجھ کو محبوب ہی ہو اور میں تمہاری عزت  
ہی کرتا ہوں۔ اور

باوصف اس کے کہ بیس ہزار روپہ خالد سے پاس لیا نکلا جو بیت المال میں  
داخل کیا گیا اور پھر حضرت عمرؓ نے مال کو لکھ لیا کہ اراضی سے با خیانت کی بنا پر موقوف  
ہیں کیا، اور ایک نئی وجہ مغرولی کی ظاہر کر دی۔

میں ہی اس امر سے اتفاق کرتا ہوں کہ بے شک حضرت عمرؓ کے دل میں یہ ظہر  
پیش ہوا ہو گا کہ خالد کے لوگ مفتوں ہوتے جاتے ہیں ایسا ہونکہ فوت اور جمعیت ہم پہنچا  
کہ خالد حضرت عمرؓ کو خلافت سے مغرول نہ کر دیں مگر یہ ظہر حضرت خالد کی مغرولی کے لئے  
حجت نہیں ہو سکتا۔

اگر مسلمان حضرت خالد کو اُن کی نمایاں کارروائیوں سے خلافت کے لئے  
بند کر لیتے اور حضرت عمرؓ کو مغرول کر دیتے تو اسی بنا کی تائید ہوتی جس کو خود حضرت عمرؓ نے  
قائم کیا تھا یعنی جس کو مسلمان قبول کر لیں وہی قلیفہ ہو جاوے اور لوگوں کے اس  
اصول پر مفتوں ہو جانے سے حضرت عمرؓ کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ اُن کی بنا پر قائم کردہ  
کی لوگ تقلید کرتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایسی تقلید کو اپنے عہد  
اور اپنے مقابلہ میں گواہ نہیں کرتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا اصول اُن  
لوگوں کے زوال و استحقاق کے لئے قرار دیا تھا جو دوسرے اصول سے حق ظاہر کرتے۔



ایسے واقعات اور اسباب اور مصلحتوں پر غور کر نیسے ہر شخص اور ہر مکہ میں بیشک  
 آسانی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے امور جو کچھ کرتا ہے وہ خدا کا بندہ اپنے اختیار سے  
 کرتا ہے خدا اس کا ادس کو ایسے اعمال پر مجبور نہیں کرتا ہے۔

ذی علم مصنف نے تہذیب خلافت حضرت عمر

ایک اجمالی رائے

میں جو فتوحات عراق اور شام اور عراق اور ایران و مصر

کے دکھائے اسکے دیکھنے سے ضروریہ امر ظاہر ہو رہا ہے کہ اس عہد میں مسلمانوں کو  
 ملک و دولت کو بہت کچھ ترقی ہوئی لیکن جب واقعات فتح مندوں پر نظر ڈالی  
 جاتی ہے تو ادن فتح مندوں میں محض مسلمانوں اور ادن کے انسر و ن کے کارنامی  
 ہیں جو ادن کی شجاعت کی داد دلاتے ہیں۔ اور وہ ادن کی اس قوت مجتہ  
 کی علامت ہیں جو تہذیب سہنسرین قائم ہوئی تھی اور جو بعد وفات پیغمبر برقرار رکھی گئی  
 مگر ادن فتح مندوں اور کارناموں میں حضرت عمر کے فکر و عمل کا ذاتی حصہ کچھ ہی  
 نہیں ہے۔ جیسا کہ عہد پیغمبر میں حصہ فکر و عمل کا پیغمبر اور علمبر تھے پر منحصر تھا۔

حضرت عمر نے نہ کسی ہم کو بذاتہ سر کیا ہے نہ کسی جنگ میں بذاتہ شریک ہوئے

اور جیسے حضرت عمر نے عمل میں کچھ حصہ نہیں لیا ہے ویسے ہی بذاتہ فکر میں ادنوں نے  
 کوئی حصہ نہیں لیا ہے۔ جس قدر امور اہم ملک گیری کے پیش آئے ہیں اور جہین  
 یہ فتوحات عظیم ہوئے ہیں ادن میں برابر رائے اور مشورے علمبر تھے کو قبول کیا ہے۔

انتخاب خلیفہ کے موقع بچا رہا ذی علم مصنف فاتحہ فتوحات کر کے

حضرت عمر کی تقلید کی و تنجید گئی کیفیت زخمی ہونے حضرت عمر کی جس سے

ادن کی زندگی منقطع ہونے اور ادس زخم سے ادن کی جان برہنہ کئے پر یقین ہو جائے

اور بی بی عائشہ سے اجازت و دفن پہلوے پیغمبر میں ماحل کرنے کے بعد ظاہر کرتے

ہیں کہ دے ادس و مت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا

انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ ابراہار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس ہم کو آہ



آپ طے کر جائے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اوسکو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے اون کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ نشکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلط پہچان ہیں۔

**حضرت عمرؓ کے سوچ بچار کی حقیقت** نیزنگی زمانہ بہت تناسف کرتی ہو جیہ نظر آجاتی ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنے اخیر حصہ زندگی میں جب یہ فرمایا کہ ”اے اوسیرے اس وادات اور کاغذ“ تاکہ لکھ دوں میں ایسی کتابت کہ تم بعد میری گمراہ نہ ہو“ اوس وقت خلیفہ کے نام کا اظہار از روئے کتابت امر اہم نہ سمجھا گیا اور بجائے اس کے کہ صحابہ خود درخواست پیغمبرؐ کے کرتے، پیغمبرؐ نے اپنی طرف سے اوس کا اظہار جانا، تو پیغمبرؐ کے فرمانے کو ”ہذیان“ کہا گیا، اور اوس وقت اہم صحابہ کے ایسا شور و غل ہوا کہ پیغمبرؐ کو بہ مجبوری یہ حکم دینا پڑا کہ میرے پاس سے اوتھ جاؤ۔ کس قدر قابل افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ سے تو بار بار صحابہ درخواست کریں کہ وہ ہم ملے کر جائے اور پیغمبرؐ کی درخواست کو اوسی اہم کے لئے کوئی نہ سنے۔

حضرت عمرؓ نے مدتوں خلافت کے معاملہ پر غور کیا ہو گا اور مفکر بیٹھے رہتے ہو مگر اور اوس بارہ میں غلطان پہچان ہونگے۔ وہ مدتوں کا زمانہ اون کے ایام خلافت کا ہو گا جس کو ذی علم مصنف نے دس برس چھ ہفتہ جاؤں بیان کیا ہے مگر نہیں وہ زمانہ مدتوں کا حضرت عمرؓ کے زور اسلام سے ہو گا اوسی وقت سے وہ سلو جتے ہونگے کہ بعد پیغمبرؐ خلافت کس کا حق ہے؟ اور کس میں اوس کی قابلیت ہے؟ لیکن جب مدتوں اپنے زمانہ صحت میں وہ معاملہ خلافت کو طے نہ کر سکے اور ہمیشہ غلطان اور پہچان رہے تو اخیر وقت بآنگاہی ہر اوس معاملہ میں جو کچھ اونہوں نے تجویز کی بہت مشکل سے اطمینان ہو سکتا ہے کہ وہ رائے اون کی صحیح تھی۔ مگر پیغمبرؐ نے

الخلافت  
میں  
جو  
کچھ  
ہو  
گا  
اس  
کا  
اظہار  
ہو  
گا



شروع سے اس معاملہ کو کہ اوس کے بعد کون خلیفہ ہوگا قرار دے دیا تھا اور اپنی تمام زندگی میں تجربہ کر لیا تھا کہ کون اوس کا مستحق ہے اور کون اوس کی لیاقت رکھتا ہے اور چند مرتبہ باجو کوئی اوس کی قابلیت اور لیاقت رکھتا تھا اوس کو تبا اور قبا ہی دیا تھا۔ اپنے اخیر حصہ زندگی میں ہنہر کو بذریعہ تحریر کے اوس کا نام ظاہر کر دیا ہی کچھ دشوار نہ تھا۔ اوس کو اپنے زمانہ وفات کے قریب نہ سوچنے کی ضرورت تھی اور نہ متفکر ہونے کی حاجت تھی نہ اوس کی تجویز میں غلطان و ہنجان ہو سکتے تھے۔ بالہنہر زمانہ نے بذریعہ کتابت کے نام اوس شخص کے ظاہر کرنے کو کہ وہ شخص بعد اوس کے خلیفہ ہوگا افسوس ہے کہ روک دیا۔

**نوحیت تجویز انتخاب خلیفہ** حضرت عمرؓ نے جو تجویز انتخاب خلیفہ کی اپنے بعد ظاہر کی اوس کو ذی علم و صف یوں بیان کرتے ہیں کہ۔ مدت کی غور اور فکر پر یہی اوس کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی بار اوس کے موقع سے آہ نکلی کہ افسوس اس بارگران کا کوئی اٹھا بنا والا نظر نہیں آتا۔ نام صحابہ میں چھ شخص تھے جنہر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد و قمار عبد الرحمن بن عوف، لیکن ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا اوہو نے مختلف موقوہ ہنہر اظہار ہی کر دیا تھا چنانچہ طبری و غیرہ میں اوس کے بارگاہ تفصیل مذکور ہیں۔

مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے اوس کی نسبت ہی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ غرض وفات سے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رکا ہو وہ خلیفہ منتخب کیا جائے۔

**نوحیت تجویز انتخاب خلیفہ کی حقیقت** یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی کسی شخص کے



انتخاب پر نظر نہ جیتی ہوگی اس لئے کہ ویسا صاحب تدبیر جیسا کہ وہ خود اپنے آپ کو  
 بہتسو تھے اون کے عندیہ میں کوئی ہی نہ تھا۔ جس آسانی سے کہ اونہوں نے خلافت کو  
 حاصل کیا ایسی آسانی سے بذاتہ کوئی حاصل نہ کر سکتا تھا البتہ ادھین کی تدبیر سے بہ  
 آسانی اون کے بعد فلیفہ ہو سکتا تھا جیسا کہ ہوا۔ اون کو ایسے وقت پر اس بات  
 کا لحاظ کرنا ضرور تھا کہ پیغمبرؐ کی ہی نگاہ کسی پر پڑتی تھی یا نہیں کہ اذکر بعد فلیفہ ہو۔  
 حضرت عمرؓ کی جن چہ شخصوں پر نگاہ پڑتی تھی جن میں وہ کچھ نہ کچھ کمی باتے تھے۔ منحلہ اون  
 چہ شخصوں کے علیمہ تھے کی نسبت اذکر بہ سو جہاں ہی تھا کہ پیغمبرؐ ہی اون میں کچھ کمی باتی  
 تھے کہ نہیں؟۔ اور پیغمبرؐ کے جس قدر ارشادات اذکر کی نسبت ہیں اون سے کوئی  
 کسی اون میں پائی جاتی تھی یا نہیں؟ اگر بلحاظ ارشادات پیغمبرؐ اون میں کوئی کمی  
 نہیں پائی جاتی تھی تو پیغمبرؐ کی رائے پر اپنی رائے کو فوق دینا ہے۔

**حضرت عمرؓ کو علیمہ تھے کی قابلیت**  
**کا علم اور اوس کا ثبوت** کی ہر قسم کی بیانت اور قابلیت اور استحقاق

کو دیکھ چکے تھے اور جان چکے تھے، اور اپنے عہد میں ہی اون کی راؤں اور مشورون  
 کے موجب عمل کر چکے تھے اور شتر بہتر مرتبہ یہ فرما چکے تھے۔ لولا علی الملک عمرؓ  
 اور چند مرتبہ اپنی غیبت میں سفر کے وقت علیمہ تھے کو کاروبار خلافت سپرد  
 کر چکے تھے یا اون کو نائب مقرر کر گئے تھے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ علیمہ تھے کی  
 قابلیت کاروبار خلافت میں کس بات کی کمی تھی۔ بالہنمہ جو علیمہ تھے کو باوصف  
 اس کے کہ اون کو سب سے بہتر جانتے تھے پھر اون کے دل میں کیا بات تھی  
 کہ جس نے علیمہ تھے کو بائخ شخصوں کے ساتھ ساوی درجہ میں رکھ کے اور امر  
 خلافت کو چہ شخصوں کے درمیان دائر کر کے حالت تنازع میں رکھا اور معاملہ  
 خلافت کے فیصلہ کو دوسروں کی رائے پر چھوڑا۔ اور باوجود علیمہ تھے کو سب سے



بہتر جاننے کے جن بعض اسباب نے حضرت عمر کو قطعی فیصلہ نہیں کرنے دیا وہ بعض اسباب یقینی ہی ہو گئے کہ جن اسباب نے ان سے اس وقت مزاحمت کرائی جبکہ پیغمبر اپنے قریب زمانہ وفات میں بذریعہ کتابت کے اظہار کرنا چاہتے تھے۔

ذی علم مصنف نے جہاں یہ بیان کیا ہے کہ ۲۲ حضرت عمر اور ان چہرے حاشیہ مصنف حضرت عمر شخصوں میں جبہ انتخاب کی نگاہ پر سکتی تھی کچھ سے دفع الزام مزاج۔

حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو فوہ دیگر بیان کیں ان کو ان کو ہم نے اس سے نہیں لکھا لیکن ان میں جاکر کلام انہیں البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی طرفین تھے مگر اس قدر قتنا ایک لطیف المزاج ہو سکتا ہے۔

دفع الزام مزاج کی حقیقت۔ حضرت عمر جو حضرت علی کے متعلق فوہ

گیری مزاج کی فرماتے تھے۔ ذی علم مصنف نے مزاج کی حقیقت اور اس کے درجہ مدوح اور مذموم پر (جو ہمارے دیگر عزیزوں میں شائع ہو چکے ہیں) نظر کر کے حضرت عمر کی نکتہ چینی کو حضرت علی کے متعلق قبول نہیں کیا۔ لیکن ذی علم مصنف نے اپنی رائے حضرت عمر کی نکتہ چینی کے قائم کرنے کے وقت جو وہ علیم تھے ان کے متعلق کیا کرتے تھے اس پہلو پر نظر نہیں کیا کہ جو حضرت عمر از حد عبوس تھے اس لئے حضرت علی کی وہ ظرافت ہی جو ایک لطیف المزاج بزرگ کے لئے ہو سکتی ہے حضرت عمر کی طبیعت کے خلاف ہو سکتی تھی۔

ترنس اور شامش بشامش طبیعتیں باہم متضاد ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کی طبیعت کو پسند نہیں کر سکتا۔ گو یہ امر آخر ہے کہ ان دونوں



اوصاف میں سے کونسا وصف مدوح ہے جس کو حکماء نے علم اخلاق میں بیان کیا ہے۔  
 مکالمہ حضرت عمر با حضرت عبداللہ ذی علم وصف حضرت عمر کی  
 بن عباس اور حضرت عمر کو رازِ اکتہ یعنی مزاح سے جو وہ حضرت علی کے  
 سرلبتہ کا افشام۔ متعلق کرتے تھے متفق نہ ہو کر یہ حقیقت

بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے ہیچ و رذیل  
 تھے کہ قریش کی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکاتے تھے بلکہ اور طبری سے  
 وہ مکالمہ جو حضرت عمر اور عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا نقل کر کے یہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت  
 عمر کے خیالات کا راز سرلبتہ معلوم ہو گا۔

(پہلا مکالمہ)

حضرت عمر! کیوں عبداللہ بن عباس علی ہاری ساتھ کیوں نہیں شریک ہو؟  
 عبداللہ بن عباس! میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر! تمہارے باپ رسول کے چچا۔ اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی  
 پہ تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ! میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر! لیکن میں جانتا ہوں کہ تمہاری قوم تمہارا سردار بنو ماگوارا نہیں کرتی تھی  
 عبداللہ! کیوں؟

حضرت عمر! وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت  
 دونوں ہوں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے ہم کو خلافت  
 سے محروم کر دیا؟ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکر نے وہ  
 کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی اگر وہ تم  
 کو خلافت دینا ہی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ



کچھ ہی مفید ہوتا۔

(دوسرا کالم)

حضرت عمر! کیوں عبد اللہ بن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں  
سنا کر اتنا لیکن میں نے اس خیال سے اون کی تحقیق ہین کی  
کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہو جائے۔

عبد اللہ! وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر! میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو لوگوں نے ہمارے خاندان سے  
خلافت حداثہ اور ظلم چھین لی۔؟

عبد اللہ! ظلم کی نسبت تو میں ہین کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں  
لیکن حداثہ تو اس کا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور

ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں یہ محسوس نہ ہون تو کیا تعجب!!؟

حضرت عمر! افسوس خاندان بنی ہاشم کے دلوں نے پرانے رنج اور کینے  
ہین جاتے۔

عبد اللہ! ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلم ہی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر! اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبد اللہ! بہت مناسب۔

مکالموں سے قوم میں آزادی  
اور حق گوئی کے رواج کا استدلال

ذی علم یصف ان سکالات سے  
علاوہ اصل واقعہ کے اس بات کا یہی  
اندازہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر سے بارگ عہد میں لوگ کس دلیری اور بے  
باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت  
عمر خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پسندایا جا رہے تھے۔



راز بستہ کی حقیقت کی تمسید | یہ تو سچ ہے کہ ان مکالمات سے حضرت عمر  
کا راز سر بستہ فاش ہو جاتا ہے لیکن اصل واقعہ کی حقیقت کے بیان سے ذی علم  
مصنف نے پرہیز کیا ہے۔ اور یہ نہیں دکھایا کہ حضرت عمر کے بیان کی کہان تک اور  
بمؤکر صداقت ہو سکتی ہے اور ان مکالمات کا دیکھنے والا کیونکر مطمئن ہو کہ حضرت عمر  
نے جو کچھ فرمایا وہ قابل تسلیم ہے۔

ذی علم مصنف نے مزاح کی نکتہ چینی کی نسبت جیسا کہ کہا ہے کہ وہ  
حضرت عمر کا ایک خیال ہی خیال تھا، اور اس نکتہ چینی کو قبول نہیں کیا ویسا ہی پہلی  
مکالمہ میں جو بیان حضرت عمر کا ہے اس کی نسبت ایک دور میں کہہ سکتے ہیں کہ  
حضرت عمر نے جو کچھ کہا ہے وہ خلافت کا خاندان رسالت سے نکلنے کا فقط یہاں ہی  
بہا نہ ہے۔

پہلے مکالمہ میں حضرت عمر کے ساتھ | حضرت عمر نے جو یہ فرمایا ہے کہ علی ہمارے  
علیہم تفضیلت کے نہ شریک ہو سکی حقیقت | ساتھ کیونکہ انہیں شریک ہو سکے، اس  
کا اشارہ یہ ہے کہ حضرت علی حضرت عمر کے شریک اس امر کے نہیں ہو سکے کہ خلافت  
غیر خاندان رسالت میں علی جاوے یعنی علی نے اون کی صحت خلافت کو نہیں  
تسلیم کیا۔ نہ اون کے فلیقہ ہونے کی تائید کی بلکہ اون کی خلافت کو بے محل  
جانتے رہے۔ علی کے شریک حضرت عمر ہونے سے یہ مراد اس جگہ نہیں ہے کہ علی  
اپنی صائب رائے اور نیک مشورہ دینے میں حضرت عمر کے شریک نہیں ہو سکے  
یا بعد حضرت ابو بکر میں مرتدین کے دفع میں جنہوں نے محاصرہ مدینہ کا کیا تھا  
علی نے مدد نہیں دی۔ اگرچہ حضرت ابو بکر کے عہد میں جو دفع مرتدین میں، اور  
حضرت عمر کے عہد میں جو اپنی صائب رائے اور نیک مشورہ سے علی نے مدد دی  
وہ حقیقت میں ذاتی مدد حضرت ابو بکر یا حضرت عمر یا اون کی خلافتوں کی نہیں



ہی۔ بلکہ وہ تائید دین اسلام کی تھی جسکا نتیجہ قومی خلافت مسلمانوں کی تھی۔

اس امر کا فیصلہ اگر خلافت خاندان رسالت میں قائم رہے یا دوسرے محل پر چلی جاوے اور اس کی نسبت کس کی رائے صحیح تھی؟ علی کی یا عمر کی، ہر مسلمان کی رائے پر باقی رہتا ہے۔ جہاں ہر جگہ ہے جلا جائے۔ لیکن ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ پیغمبر کی مرضی کا پابند ہو۔

علیمہ تفسیر کے تعلقات کی تجدید گو حضرت علی کے تعلقات کچھ قریش قریش کے ساتھ اور اسکی حقیقت کے ساتھ ایسے قریب در پے ہو گئے تھے کہ قریش کو اذن کے آگے سر جھکا نا گوارہ ہو مگر وہ پیچیدگیوں زیادہ تر پیغمبر کی وجہ سے واقع ہو گئی تھیں جسکی بنیاد پیغمبر کی حمایت اور نصرت تھی اور خلافت قریش کے دین اسلام کا قائم کرنا تھا جو قوت بازوے علیمہ تفسیر سے قائم ہوا۔

ورنہ حضرت ابوطالب آخری موروثی شہر ادہ شہر مکہ کے زمانہ تک قریش اسی خاندان بنو ہاشم کے آگے سر جھکاتے چلتے آتے تھے۔ بے شک کچھ لوگ قریش کے جن کے سرگروہ حضرت عمر تھے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں مگر دیکھا یہ تھا کہ پیغمبر ہی اس بات کو پسند کرتے تھے یا نہیں کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں اور اس بارہ میں پیغمبر کا نشانہ کیا تھا؟

بنی ہاشم کی سرداری کل قوم گوارا نہ کرتی اسکی مفصل حقیقت یہ امر صحیح نہیں ہے جیسا کہ تاریخی گوارا نہ کرتی اسکی مفصل حقیقت یہ امر صحیح نہیں ہے جیسا کہ تاریخی بنی ہاشم کا سردار ہونا گوارا نہ کرتے ہوں، جیسا کہ اون واقعات سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ لوگ خانہ کعبہ سیدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت کی درمی و برمی کے لئے جمع ہوتے تھے اور علیمہ تفسیر کا سردار ہونا چاہتے تھے اور حضرت ابوسفیان



نے علمِ تفسیر کی تائید کرنے کے واسطے درخواست کی تھی۔ البتہ بعض لوگ قریش  
سے جیسے حضرت عمرؓ تھے وہ بنی ہاشم کا سردار ہونا قبول نہیں کرتے تھے۔

اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرات شیخین اور تیسرے حضرت ابو عبیدہ  
علمِ تفسیر کے استحقاق اور قابلیت خلافت پر اور پیغمبر کے قول اور فعل پر نظر کر کے  
خلافت بنی ہاشم میں قبول کر لیتے جیسا کہ بعض انصار متفق ہو گئے تھے تو کسی شخص  
کو قوم قریش سے سردار ٹھہرنے کی مجال نہوتی اور بالاتفاق گروہ انصار اور اصحاب  
رسول اور دیگر مسلمان اس وقت علمِ تفسیر کو سردار تسلیم کر لیتے اور اگر بعض یا کل  
قوم قریش علمِ تفسیر کا سردار ہونا گوارہ نہ کرتی تو ان کا گوارہ نہ کرنا شرطاً مانعاً  
کے لئے کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔

قوم قریش نے حضرت محمدؐ صلعم کا ابتداءً رسول ہونا کب قبول کیا تھا  
یہاں تک کہ سخت فوجت جنگ و جدل کی پہونچی۔ لیکن آخر کار کل قوم قریش نے  
ایک ہی خاندان میں رسالت و خلافت کو قبول کر کے حضرت محمدؐ صلعم کو رسول اللہ  
اور بادشاہ قوم و ملک بلکہ بادشاہ کونین قبول کر لیا۔ ایسے ہی علمِ تفسیر کو کل قوم  
قریش اگر ابتداءً نہیں تو آخر کار ضرور سردار قبول کر لیتے۔

لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کے بے محل خلیفہ قول کرنے  
سے یا حضرت ابو بکرؓ نے جو اقالہ بیعت کا جانا تھا اور اسکو وہ علمین نہ لائے اس  
سے ہر ایک شخص کو جرات اور حوصلہ سردار بن جانے کا پیدا ہو گیا جس سے  
باہم مسلمانوں کے جنگ شروع ہو کر دین اسلام اپنے مرکز پر قائم نہ رہا اور  
خاندان رسالت ہی تباہ ہو گیا اور قومی سلطنت مسلمانوں کی رو زمین پر لٹکی  
اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں علمِ تفسیر کا سردار قبول کر لئے جلتے یا حضرت  
ابو بکرؓ اقالہ بیعت پر عمل کر لیتے تو صرف بنی ہاشم کو مفید نہ ہوتا بلکہ تمام مسلمانوں



اور ادن کی قومی سلطنت کو فائدہ پہنچتا۔

دوسرے مکالمہ میں فریقین کی تعزیر و ن کے تعلق۔

حضرت عمر اور حضرت عبداللہ کے ہوئی ہی

ذی علم مصنف نے اس کا ابتدائی واقعہ ترک کر کے کہ وہ مکالمہ کیونکر شروع ہوا ہی (جسکو عاقل کانگریزی نے اپنے مختصر و پچپ ربو یو موسوم الذکر الافلاح فیما اسد عمر و اصالح میں مفصل لکھ دیا ہے) بہت نرم کر کے دکھایا ہے۔

آخر گفتگو میں باہم دونوں کے ایسی شدت ہوئی ہے کہ اگر دونوں اپنے اپنے موقع پر طرح نہ دیکھتے تو ابن عباس کے ہاتھ سے حضرت عمر کی یا حضرت عمر کے ہاتھ سے ابن عباس کی وہی حالت ہوتی جو حضرت عمر کی حالت ابو لولہ کی ہاتھ سے ہوئی۔ تاہم یہ مکالمہ جس قدر ذی علم مصنف نے لکھا ہے اس سے علاوہ اس کے کہ حقیقت سخن کس طرف تھی، بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے تودل میں ہی ابن عباس کی نسبت یہ خیال تھا کہ جو باتیں ادھنوں نے ابن عباس کی نسبت سنی تھی اس کی تحقیق اس لئے نہیں کی کہ اس کی عزت حضرت عمر کی آہٹوں میں کم نہ ہو جائے، لیکن ابن عباس نے حضرت عمر کے موہنہ پر ایسی باتیں کیں کہ جس سے علانیہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابن عباس کی نگاہ میں حضرت عمر کی کس قدر کی وقعت تھی۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

حضرت عمر کے عہد میں حق گوئی اور آزادی کے رواج کی حقیقت

اس مکالمہ سے یہ نتیجہ ہرگز پیدا

ہوگا کہ حضرت عمر کے عہد میں ہزاروں

مین کس دوسری بیباکی سے لوگ اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے یا حضرت عمر

خود آزادی اور حق گوئی قوم میں پھیلا نا چاہتے تھے بلکہ اس مکالمہ سے یہ

واضح ہوتا ہے کہ باہم ابن عباس اور حضرت عمر کے حق ناحق کی گفتگو ہوئی ہے۔



حضرت عمر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اون کے اور خاندان بنی ہاشم کے ولوں میں چرانے رنج اور کینے چلے آتے تھے جس سے شاید اس بیان کی ہوتی ہے کہ خاندان بنی عدی، اور بنی عبد الشمس سے کہ جو گے بہائی حضرت ہاشم کے تھے عداوت چلی آتی تھی اور جب کاپیلے ذکر آچکا ہے

بنی عدی پر بنو عبد الشمس ہمیشہ غالب آتے رہتے تھے اور سید کا عوض حضرت عمر نے یہ لیا کہ خاندان بنی ہاشم سے ملافت کوڑکا لکر اپنا غلبہ دکھایا۔ استغفر اللہ اگر عہد حضرت عمر میں لوگ دلیری اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے یا حضرت عمر آزادی اور حق گوئی قوم میں پھیلانا چاہتے تھے تو سوار اس موقع کے دوسرے مواقع ایسے ماضی علم مصنف کو دکھلانے ضرور تھے جس سے وہ نتیجہ پیدا ہوتا جو ذی علم مصنف نکالنا چاہتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ بنو ہاشم پر حضرت عمر کی کچھ ہمت نہیں تھی وہ حضرت عمر کے سامنے ہمیشہ دلیری اور بیباکی سے گفتگو کرتے تھے۔ اور حق گوئی سے کہیں جڑتے نہیں تھے۔ شجاعت اور جرات اون کے خیر میں تھی۔

لیکن ذی علم مصنف نے ابن عباس کی گفتگو کے لحاظ سے جو اس موقع پر حق گوئی کے پھیلانے کی نسبت حضرت عمر سے دی ہے یہ مقام از حد استعجاب کا ہے۔ !!

حضرت عمر کے قرضہ کے متعلق مصنف کی رائے

ذی علم مصنف یہی بیان کرتے ہیں

کہ چھیا سی ہزار درہم حضرت عمر پر قرض رہا

جس کی نسبت ادھنون نے وصیت کی کہ مسترد کہے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان بنی عدی سے درخواست کرنا اگر وہ بھی ادا نہ کر سکیں تو کل قریش سے علاوہ قریش کے اور دن کو تکلیف نہ دینا یہ روایت کہتے ہیں کہ حضرت



حضرت عمر کے غلام کہتے تھے کہ عمر پر قرن کینو کر رہ سکتا تھا اون کے ایک وارث  
نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ پڑ بچا تھا یہ پہر بیع حقیقت ظاہر کرتے ہیں  
کہ حضرت عمر پر چھپا سی ہزار کا قرض ضرور تھا وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ اون کا  
سکونہ مکان بیع ڈالا گیا جسکو امیر معاویہ نے خریدا اور اس مناسبت سے کہ  
اوس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دارالفضل کے نام سے مشہور رہا

قرض کے متعلق رائے  
ذی علم مصنف نے یہ ظاہر نہیں کیا  
کی حقیقت۔

لی ہتی اور کس کا قرضہ اونہر تھا مگر ذی علم مصنف کے اسرار کے چھپانے سے  
کہ کس کا قرضہ حضرت عمر پر تھا چھپا نہیں سکتا۔

کتب وزارت مخمین سندرج ہے کہ وہ قرضہ بیت المال کا تھا جو در  
حقیقت ادھون نے بیت المال سے بیکل قرض اس قدر رقم اپنے تصرف  
مین کی تھی۔ وہ مال بیت المال کا الیا تھا کہ جس کا حق تمام مسلمانوں کو  
ہو بچا تھا یا کاروبار سلطنت مین صرف ہونے کے قابل تھا۔ اور وزارت مخمین یہ  
کہیں نہیں پایا جاتا کہ باجارت تمام مسلمانوں کے وہ مال ادھون نے اپنے  
ذاتی اغراض کے لئے بیت المال سے قرض لیا تھا۔ اس لئے اوس مال  
پر تصرف کرنا اون کو کسی طرح جائز نہ تھا۔ یہم ہی ظاہر ہے کہ وہ مال بیت المال  
کا ادھون نے ایسے اغراض ذاتی مین صرف کیا کہ جس کے سبب سے ایسا  
مسترد کہ بعد اون کی وفات کے راکہ ایک وارث نے اپنی حصہ وراثت کو ایک  
لاکھ پڑ بچا یا ایسا مکان سکونہ بہم پہنچایا کہ جس سے ایسی رقم کثیر قرضہ کی ادائیگی۔  
اوس مکان سکونہ کی یہ مناسبت سمجھ مین نہیں آتی ہے کہ جس مکان سے  
قرض ادا کیا گیا وہ مکان دارالفضل کے نام سے کیون مشہور رہا؟



دار القضا کے نام سے کوئی مکان اس حالت میں مشہور ہو سکتا ہے کہ جب اوسین قاضی کی  
منصب کا کام کر رہا ہو۔ وہ مناسبت اور وقتیں ہو سکتی ہے کہ جب وہ مکان دار القضا (بنک)  
سے نام سے مشہور رہا ہوتا جیسے اشعار اس بات کا ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے اسی مکان کے پہرہ پر قرض  
کیا تھا اور اسی سے قرضہ ادا ہوا۔

پہنچنے کا مترکہ متعلق اسٹیشن تھا گیا اور بہر حال جو کچھ ہو یہ امر ضرور قابل افسوس کہ ہے کہ حضرت  
حضرت عمرؓ کا مترکہ اذکر در شمار کو ملا۔ عمرؓ تو اس قدر مترکہ چھوڑ جائیں کہ جب کا ایک حصہ یعنی

ایک وارث اپنے حصہ وارث کو ایک لاکھ روپیہ پر فروخت کرے یا اون کے مکان مسکونہ  
سے ایسا کثیر قرضہ ادا ہو سکے۔ اور پیغمبرؐ کہ جس پر یہ سلطنت قائم کی تھی وہ اپنے وارثوں کو ملے  
کچھ ہی چھوڑ جائے۔ اور حضرت عمرؓ نے اس سلطنت سے جو ایسا کثیر المالبس مترکہ ہم پہنچا  
تھا وہ متعلق اسٹیشن کے نہ سمجھا جائے اور پیغمبرؐ نے جو کچھ کہ چھوڑا اسکو متعلق سلطنت  
کے قرار دیکر پیغمبرؐ کے در شمار کو غیر مستحق مترکہ قرار دیا جائے۔

حضرت عمرؓ کا فاترہ | آخر کار ذی علم مصنف حضرت عمرؓ کے انتقال اور اون کے  
دفن کا ذکر کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کوئی پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کسی درجہ اعلیٰ  
کے تخت سلطنت پر قدم رکھنے والا ہو۔ لیکن آخر کار وہ خاک میں ضرور مل جاتا ہے اور  
اپنی سوانح عمری کو ایسا چھوڑتا ہے جس سے لوگوں کو نصیحت اور عبرت پکڑنی چاہئے۔

ان اللہ وانا الیہ راجعون ۵



# بہایت مفید و کارآمد کتابیں

## تاریخ ہندوستان

بالکل اسم سے ہے۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی اور نواب غلام قادر خان کے واقعات اگرچہ ہندوستان کی تمام تاریخوں میں مندرج ہیں لیکن یہ کتاب اس زمانہ کے مستند مصنف کا روزنامہ ہے جسے تاریخ دار کی ہادیئے والے حالات اپنے چشم دید تحریر کے ہیں۔ نواب غلام قادر خان کا عروج و اختصار۔ امراسی کی سازشیں۔ نواب کاشن۔ بادشاہ کی آنکھیں نکلنے کا مصیبتناک واقعہ فائدہ ان شامی کی تڑپ تڑپ کے دینے کا سانچہ۔ آفرین اس مسلم و ستم کا انجام اور شاہ عالم کے ساتھ سلطنت ہند کا اختتام۔ یہ کتاب شش سے دستیاب ہو کر سلیس اور دلچسپ ہے بہت سے مفید و محصلہ لاک وغیرہ

## میرزا ابوطالب خان

میرزا ابوطالب خان اصفہانی بالخصوص۔ یہ شخص ثالوثی و فانی اور بہت مغزو و مقتدر گذرا ہے جسے سنہ ۱۱۷۱ھ میں کلکتہ سے براہ مالک افریقہ و ہندوستان اور عرب وغیرہ کا دورہ کیا اور اس زمانہ میں ایسے مالک دور و دراز کا سفر بڑی محنت اور حوصلہ کا کام تھا اور یہاں سے یہ بھی اوسنے لاجواب لکھا کہ جس میں ہر قسم کی معلومات کے متعلق کوئی علمی اور عملی مفید بات فرود گذشتہ کی۔ یہ کتاب معمولی سیو سیاحت کا خاکہ ہی نہیں بلکہ علوم و فنون مختلفہ کا مخزن ہے۔ مگر چونکہ اصل کتاب فارسی میں تھی جواب سے سو برس پہلے کلکتہ میں نائب سے طبع ہو کر بہت بڑی قیمت پر لندن اور شنگ جا پہنچی تھی اور قدر دانوں کی کثرت نے اس کو عنقا کر دیا تھا۔ لہذا اب اس زمانہ میں دوسرے مصلیٰ کا دور اور اشاعت علوم کی گرم بازاری کی بھرا سے دوسرا جملہ ایسے یعنی سلیس اور مفید ہو کر نہایت مفید اور کارآمد کاشیوں اور عجیب نقشوں اور تصویروں کے اضافہ سے طبع ہوئی ہے ہندوستان کے نامی اعتبارات نے اس کتاب پر نہایت اعلیٰ درجہ کے ریویو کئے ہیں۔ پہلی جلد طیار کی

## تغریب

عملیات و ادراک بہت مستند کتاب ہے۔ اس میں جو کچھ مندرج ہے اس کی سند بھی اس علم شریف کے عالموں۔ بزرگان دین۔ اور مشاہیر صوفیہ کرام تک پہنچتی ہے۔ علاوہ ان کے متعلق کوئی ضروری بات فرود گذشتہ نہیں کی گئی۔ علم کبیر اعداد اور لغوش وغیرہ کے قواعد۔ نجوم کے طریقے۔ ختم و زکوٰۃ کے شرائط۔ یقین ہے کہ اس کتاب کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب کی انشاء ضرورت نہیں۔ زیر طبع ہے۔ اور فریضہ ختم۔ محنت

## الاسرار

یہ کتاب ناوار الوجود و مرئوس کے لئے اکبر اور درویشوں کے لئے جاگیر ہے۔ حیات اور تراکیب عجیبہ کا مجموعہ جو جن میں سے کسی ایک کے حامل کرے ان کے لئے شرف و سکون کو یکڑوں بلکہ ان کے لئے شرف کرے جن میں میں نہیں ہوتا۔ اگرچہ مختلف کتب طبیہ سے ایک خیرہ کا جمع اور جمع کر لینا بڑی بات ہے۔ لیکن جن صرف وہی نسخہ فات میں جن کو اسرار اطباء اور علیہ سینہ اور مہربات کہا جاتا ہے طبی یا فنی مشہور طبیب مولوی فرید الدین عرف حکیم کلوصیا جاندویری اور کسکول حکیم شریف خالصا دہلوی نسخات اکبر لامر میں کا مجموعہ ہے۔ یہ کارآمد کتاب کہ ۱۸۰۱ء ضمیمہ کی طیار موجود ہے۔ اور بار دوم کو بعد اضافہ میں زیر طبع ہے و قیمت

۵  
میرزا ابوطالب خان کا دورہ ہندوستان اور عرب وغیرہ کا دورہ کیا اور اس زمانہ میں ایسے مالک دور و دراز کا سفر بڑی محنت اور حوصلہ کا کام تھا اور یہاں سے یہ بھی لکھا کہ جس میں ہر قسم کی معلومات کے متعلق کوئی علمی اور عملی مفید بات فرود گذشتہ کی۔ یہ کتاب معمولی سیو سیاحت کا خاکہ ہی نہیں بلکہ علوم و فنون مختلفہ کا مخزن ہے۔ مگر چونکہ اصل کتاب فارسی میں تھی جواب سے سو برس پہلے کلکتہ میں نائب سے طبع ہو کر بہت بڑی قیمت پر لندن اور شنگ جا پہنچی تھی اور قدر دانوں کی کثرت نے اس کو عنقا کر دیا تھا۔ لہذا اب اس زمانہ میں دوسرے مصلیٰ کا دور اور اشاعت علوم کی گرم بازاری کی بھرا سے دوسرا جملہ ایسے یعنی سلیس اور مفید ہو کر نہایت مفید اور کارآمد کاشیوں اور عجیب نقشوں اور تصویروں کے اضافہ سے طبع ہوئی ہے ہندوستان کے نامی اعتبارات نے اس کتاب پر نہایت اعلیٰ درجہ کے ریویو کئے ہیں۔ پہلی جلد طیار کی

میرزا ابوطالب خان



# اعلاض عام

کتاب ذیل شش سہیل سکتی مین

۱- کتاب ہذا

۲- کل رسال روشن بحواب رسالہ نصیحتہ شیعہ

۳- رسالہ کرو فرد در باب فتح حنیہ بہر

۴- ریویو سیرۃ النعمان

۵- ریویو الماسامون

۶- النظر الہتموق فی سیرۃ الفساروق

المشہر  
مرزا عبدالحق قزلباش جامع مسجد - مراد آباد







دل دیکھ دلیبری کا واقعہ لکھا دیا  
سکھ دے آئیں دو تھیں دل لکھ دیا

مکتبہ منشیہ پیرا

کتابخانہ منشیہ پیرا  
منشیہ پیرا







